اردو کورس

یعنی

نصاب اردو

ممالک مغربی و اودھ کے مڈل اسکولوں کے واسطے

جس کو

حسب الحکم جناب ای ویٹ صاحب بہادر ڈائرکٹر ممالک مغربی و اودھ

شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب فیلو الہ آباد یونی ورسٹی

نے

تالیف کیا

سنہ ۱۸۹۰ء

مطبع مرتضوی میں باہتمام حافظ محمد عزیز الدین مطبوع ہوا

پہلی دفعہ ۳۰۰۰ جلد قیمت ۱۰/

شوکت
سلطنت انگلشیہ

ں مضمون میں سلطنت انگلشیہ کی شان شکوہ حشمت عظمت ثروت کا تذکرہ ہے
یال ہے کہ ہمارے ہموطن جو اس مضمون کو پڑھینگے اور سمجھینگے اور سوچینگے بھی تو اُن کا
س بات کو یقین کرنے لگے گا کہ اگلے زمانہ میں جو مشہور اور نامور سلطنتیں عظیم الشان
ے نظیر گذری ہیں اور جنھوں نے اپنا ساری دنیا میں ڈنکا بجایا ہے اور فرماں روائی کا
یا ہے اور جن کے بیان سے تاریخیں کی تاریخیں بھری پڑی ہیں وہ سب اس
لطنت انگلشیہ کے علو کے سامنے پست ہیں اور آج کل کے زمانہ میں جو تمام عالم میں بڑے
جلال اور کمال کی بادشاہتیں مشہور ہیں اُن سب میں یہ سلطنت اول اور افضل ہے
ہ بیان شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ **اثبات ہندسیہ** اس کے ساتھ موجود ہے*
فضل کا مادہ فضل ہے جس کے معنی زیادتی کے ہیں پس جب دو چیزیں کسی بات میں شریک
ں اور ایک میں کوئی بات زیادہ ہو تو اُس کو کہیں گے کہ یہ دوسری سے افضل ہے پس ہم نے
ں تمام نامور سلطنتوں کی مشترک باتوں کو جو شانِ سلطنت سے متعلق ہیں بیان کیا ہے اور
ں سے سلطنت انگلشیہ کی فضیلت کو بالبداہت دکھا دیا ہے آج کل کے زمانہ میں ایسے
ب موجود ہیں کہ اگر ہم کسی قوم کی سلطنت ثروت تجارت۔ دولت۔ قوت ا
، تو ا ... وکاست ٹھیک ٹھیک کانٹے کی تول دریافت کر سکتے ہیں ا

سلطنتوں کا موازنہ اور مقابلہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ اور اُس کا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ مگر اس کام میں
ہزاروں صفحے اُلٹنے پڑتے ہیں۔ اور پڑھتے پڑھتے زبان تھکانی پڑتی ہے۔ اور آنکھوں کا
تیل نکالنا پڑتا ہے۔ سوائے اس کے یہ اسباب بھی **یوروپ** کی زبانوں میں موجود ہیں یا
انگریز اور انگریزی داں اس کام کو کر سکتے ہیں جو اس زبان سے ناآشنا ہیں وہ بھلا اس تحقیق
کے میدان میں کب قدم رکھ سکتے ہیں اُن کے واسطے کوئی مختصر مضمون جو ان امور کو بیان
کرے ضرور نفع پہنچائے گا

اس مضمون کو ہم نے چار باتوں پر تقسیم کیا ہے **اوّل** سلطنت انگلشیہ کی دولت۔
دوم سلطنت انگلشیہ کی قوت **سوم** سلطنت انگلشیہ کی عزت **چہارم** سلطنت انگلشیہ کی رعیت
یہ چاروں باتیں ایسی باہم پیوستہ ہیں کہ ایک کے تذکرہ میں دوسرے کا ذکر لابدی لانا پڑتا ہے

اوّل سلطنت انگلشیہ کی دولت۔ دُنیا کی تاریخیں بہت ایسی ہیں جن میں دو ڈھائی ہزار
سال یا کچھ زیادہ کا حال درست اور صحیح لکھا ہوا ہے اور وہ بالکل قابل یقین ہے شک
اُس میں جگہ جگہ اکثر واقعات اُن ہی مورخوں کے لکھے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی آنکھ
کا دیکھا حال دیانتداری سے لکھا ہے۔ باقی واقعات آثر روزگار سکوں کتابوں پرانی عمارتوں
محققین نے بڑی تحقیق اور تدقیق سے لکھے ہیں ایسی تاریخیں **انگریزی زبان**
ہیں کہ ہر مدرسہ میں لڑکوں کے ہاتھ میں موجود ہیں مگر مشرقی زبانوں میں بھی اُن کی کمی
اُن میں سے کوئی ایک تاریخ جامع معتبر لے کر یہ نظر سرسری پڑھ ڈالئے اور تھوڑی
دیجئے تو یہ امر ذہن میں آئیگا کہ دو ڈھائی ہزار برس میں جو انقلابات عظیم اور حادثات فحش
ہوئے وہ یہ ہیں **مصر** کی سلطنت کے ستارہ اقبال کا چمکنا اور غروب ہونا۔ قوم یہود کا
گھٹنا سلطنت اعصریہ کا آگے چلنا اور پیچھے پھرنا سلطنت **ایران** کے
ہونا۔ بقیہ **یونان** روم کی سلطنتوں کے باغوں کا سرسبز اور شاداب
پھر خزاں حوادث سے پامال ہونا سمجھا گو تھ کے غارت گر اور یہاں

ج جہان گیر اور جہاں دار ہونا۔ اُدہی قوی سلطنتوں کا پامال کرنا اور اپنی بادشاہت کا
ں جگہ جمانا سب سے زیادہ اُنھیں کا پلہ بھاری ہونا یورپ کے شمال اور شمال مغرب کو بالکل آباد
کمراں ہونا۔ شمالی **امریکہ** اور آسٹریلیا میں اور بے شمار جزیروں میں جو سارے ید ہ
پر پھیلے ہوئے ہیں آباد ہونا۔ جب انقلابات روزگار دوار ذہن میں آئیں گے تو
نے سے ان سب کا نتیجہ عقل میں آئے گا اور ایک انقلابِ عظیم ہوگا جو قیامت کے
انقلاب سے بھی بڑھ کر ہے۔ کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا یعنی ان سب انقلابات اور حوادث
سے ہے کہ سلطنت حکومت۔ دولت۔ ثروت۔ علم۔ ہنر ان سب کا **آفتاب** مشرق سے
بین چلا گیا۔ اور مغرب ہی کو اپنا مشرق بنالیا۔ غرض یہ قیامت کا انقلاب بے قیامت
و گیا۔

ں تمہید سے ہماری غرض یہ ہے کہ دُنیا کے تمام انقلاب عظیم کی **عکسی تصویر** دال برابر
طرین کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیں جس سے یہ بات خود بخود دکھائی دینے لگے کہ عالم میں
قوتیں ہیں کہ زمانہ کو ملک پھیریاں دیتی ہیں۔ ایک وہ قوت ہے کہ قوموں کو آسمان پر لیجا
تی ہے کہ سارا جہان اُن کی وسعت و عظمت کو دیکھتا ہے۔ دوسری قوت وہ ہے کہ اُن کو
ں پر سے نیچے تحت الثریٰ میں اتار کر ملیا میٹ کرتی ہے کہ پھر نام و نشان باقی نہیں
تی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دونو قوتیں اب بھی جہان میں موجود ہیں یا نہیں اگر ہیں تو کہاں
ت رکھتی ہیں کس مکان میں رونق افروز ہیں۔ اور بیٹھی کیا کر رہی ہیں۔ یہ سوال ایسا
ں ہے کہ جس کے جواب سے عاقل۔ دانشمند۔ فرزانہ بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ہر شخص کہہ
ہے کہ جو قوت ترقی کرنے والی ہے وہ انگلستان کے گھر گھر میں بستی ہے اور ہر بات میں اپنا جلوہ
ی ہے۔ مگر دوسری قوت جو تنزل کرنے والی ہے۔ روس کی سلطنت میں گویا اپنا مکان
کر رہی ہے۔ گو ابھی وہاں ٹھکانے سے نہیں بیٹھی۔
موافق
سلطنتوں کی اوج او حضیض اور قوموں کی ترقی اور تنزل ضرور قوانین فطرت دنیچر کے

ہوتے ہیں مگر انسان کو اب تک اِن قوانین پر دسترس کلی حاصل نہیں تسپر بھی یہ قاعدہ خوب معلوم ہے کہ جب کسی قوم میں ظاہر کی آراستگی اور باطن کی شائستگی ہوتی ہے اور علم اور ہنر ترقی پاتے ہیں غرض ساری خوبیاں جو انسان میں ہونی چاہئیں وہ اُس میں پیدا ہوتی ہیں۔

سویلیزیشن (جس کا ٹوٹا پھوٹا ترجمہ ہم تہذیب کیا کرتے ہیں) جب کسی قوم میں پیدا ہوتی ہے تو اُس کے ساتھ دولت بھی قدم بقدم چلتی ہے زانو بہ زانو بیٹھتی ہے عنان بہ عنان دوڑتی ہے۔ مگر اس دولت کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے مالکوں کی خدمت میں ہاتھ جوڑ کر بڑی منت سماجت سے عرض کرتی ہے۔ کہ حضور چین کے بندے بنئے محنت و مشقت سے آزاد ہو جئے عیش و عشرت کے غلام بنئے۔ دن عید رات شب برات منائیے۔ اگر حضور نے یہ عرض سُن لی اور اُس پر عمل کرنا شروع کیا تو پھر عیش و عشرت کی مستی نے سُستی اُن کے مزاج میں پیدا کر دی۔ اور پھر اس سُستی نے پستی کے گڑھے میں ایسا دھکا دیا کہ سارے ہاتھ پیر ٹوٹ کر وہیں رہ گئے۔ غرض دولت کے اس افسون نے ہمیشہ قوموں کی اولوالعزمی فراخ حوصلگی جوانمردی۔ رعب جرارت شجاعت کو فنا اور اُس کی ساری خوبیوں کو خواب بنایا ہے رومیۃ الکبریٰ (اٹلی) اور یونان کی قدیم سلطنتیں اس واقعی قاعدہ کی شہادت دے رہی ہیں اس قاعدہ کو اہل انگلستان نے خوب سمجھ رکھا ہے وہ اب تک **دولت** پر حاکم ہیں اُس کے محکوم نہیں۔ دولت جتنے افسانے اُن کے سُلانے کے لئے سناتی ہے اُتنے وہ اور زیادہ بیدار ہوتے ہیں دولت کی بدولت وہ حکیمانہ عیش اُڑاتے ہیں مگر سُستی و کاہلی کو پاس نہیں آنے دیتے۔ اب ہم **دولتمندی** کے اسباب بتاتے ہیں۔

قوم کی ثروت۔ تونگری اور دولتمندی کے دو بڑے قوی سبب ہوتے ہیں۔ **اوّل** یہ کہ اُس قوم کے آدمیوں نے اپنے دیس کو چھوڑ کر پردیس آباد کرنا شروع کیا ہو۔ اور وہاں غربت میں وطن کا سا چین اور آرام پیدا کیا ہو۔ **دوم** غیر ملکوں کے ساتھ تجارت کا باب وا کیا ہو۔ یہ دونوں کارخانے اپنے لئے انسان نے اُسی وقت سے جاری کئے کہ حضرت نوح کشتی سے اُترے اور ملک کے ملک اپنی اولاد سے آباد کئے خشکی میں تو کوئی اُس کام کا مانع اور مزاحم

نہ پیدا ہوا اگر تری نے اُس کو بڑی دقت اور دشواری میں ڈالا۔ ساری دنیا سمندروں اور بحروں
بحیروں خلیجوں دریاؤں۔ ندی نالوں سے بھری پڑی ہے۔ اس لئے یہ پانی کاروبار تجارت
آمد و رفت میں تمام اُس کی کوششوں کو نقش بر آب بناتا۔ اور اُس کے پیروں میں اپنی
موجوں کی زنجیریں ڈالتا۔ اِس لئے انسان کو یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح سے اِس عذاب کو دُور
کیجئے اور روبہ آب پر چلئے اور ایسی سواریاں بنائیے جن میں بیٹھ کر اِن راہوں کو کاٹیے۔
مگر اِن پانی کی راہوں کا کاٹنا اور اِن کو پانی بنانا پہاڑ کے کاٹنے سے زیادہ دشوار تھا اور اِن کے
بنانے کے لئے بہت کچھ سامان اور علم و ہنر درکار تھا۔ اوّل اوّل یہ سامان انسان کو میسّر
نہ ہوا اور بہت سہج سہج جوں کی چال وہ اِس راہ میں چلا۔ کوئی ایسا ہی صاحب ہنر اور
دل چلا ہوتا تھا کہ سمندر کے پُرخطر سفر پر دل چلاتا تھا اور دُور کے نامعلوم ملکوں کے دریافت
کرنے میں کمر ہمّت باندھتا تھا اور وطن کو چھوڑ کر جہاز پر سوار ہوتا تھا۔ اُن مراکبِ آبی کا بنانا بڑا
دقیق اور مشکل کام نکلا۔ اور قدیم زمانہ میں کوئی ایسا صاحب کمال نہ پیدا ہوا کہ وہ اِس فن کو
کمال پر پہنچاتا اور اُس کو ایسی ترقی دیتا کہ انسان اپنے دونو مقاصد اعلیٰ جو اوپر مذکور ہوئے
حاصل کرتا اور بحری دور دراز کے سفر اختیار کرتا۔ ہاں اہلِ روم اور اہلِ یونان اپنے
سے پہلی قوموں پر اِن باتوں میں سبقت لے گئے کہ جلا وطنی میں وطن بنا لیا۔ پردیس کو دیس ٹھہرایا
تجارت کے کارخانے پھیلائے۔ اور اُس کے لطف اٹھائے۔ اور نفعے کمائے۔ مگر جہازرانی کا فن
حالت طفلی میں تھا۔ یہ لڑکا تھم تھم کر چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھا کر تھوڑی دور چلا تھا کہ تھک گیا۔
اور گھٹنیوں کے بل ہار کر بیٹھ گیا۔ ننّھے ننّھے قدموں سے آگے نہ چل سکا۔ مگر اپنے نازک
ہاتھوں سے اِس کیت راہ میں ایک مٹی کا دیا ایسا جلا گیا۔ کہ زمانہ جتنے آگے چلتا گیا اور دیے
اِس سے روشن ہوتے رہے۔ غرض ایک اپنے پچھلوں کو بتا گیا۔ اور اُس راہ کا راہ نما اور پیشوا
ہو گیا اور رہبروں کو اُس میں فقط رہروی کرنی پڑی راہ ڈھونڈنی نہ پڑی۔

پچھلے زمانہ میں اِس پیش رو کے پیرو ہالینڈ، ہسپانیہ، پرتگال والے پیدا ہوئے اُن میں

سیبس ٹنی این ۔ جان کیبٹ ٹیسمان ۔ بارتھولومیوڈی آز ۔ وسکوڈی گاما ۔ کولمبس وہ سیاح اور جہازراں پیدا ہوئے کہ جنھوں نے پرانی دنیا کو ایک نئی دنیا دکھادی اور ایک جہان پر دوسرا جہان بڑھا دیا ۔ اپنے عالم کا ایک اور عالم بنا دیا ۔ عالم خیالات میں شاعر جیسے سنگلاخ زمینوں میں نئے مضمون کوشش سے پیدا کرتا ہے ویسے ہی انھوں نے اس عالم میں نئی سرزمینیں تلاش کیں اور سیاحی اور جہازرانی میں وہ کمرِ ہمت چست کی کہ نہ رات کو رات سمجھی نہ دن کو دن ۔ نہ خط استوا کی گرمی میں جلنے سے ڈرے ۔ نہ قطب کی سردی میں اکڑنے سے جھجکے ۔ زمین کے گز بن گئے ساری دنیا کو ناپ ڈالا ۔ تمام سمندروں کو چھان مارا ۔ اپنی قوموں کی ناموری اور عزت کے علم کو ایسا بلند کر دیا کہ ایک عالم کو نظر آنے لگا ۔ یہ بشر وہ صاحب کمال اپنے فن میں گذرے ہیں کہ جب تک خدا تعالیٰ زمین کو آفتاب کے گرد پھرائے گا ۔ اُن کا نام پردۂ زمین سے نہ اُٹھائے گا ۔ اُن کی بدولت اُن کی قوموں نے وہ ویران سرزمینیں اور خراب جنگل آباد کیے ہیں جن میں چرندوں کے لشکر پھرتے تھے ۔ اور درندے سلطنت کرتے تھے ۔ اُلّو نوبت بجاتے تھے ۔ ہزاروں خارستانوں کو جلا کر گلستان بنایا ۔ مگر جو باغ انھوں نے لگائے اُن کے میوے بہت دنوں تک نہ کھائے ۔ زبردستوں نے جوتیاں مار کر چھین لیے ۔ اب اُن کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے ہیں ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کے موجد اہل روم اور یونان ہوئے اُس کے مقلّد ہالینڈ ۔ اسپین ۔ پرتگال والے ہوئے اور اُس کو اپنی **معراج** پر پہنچانے والے اہل انگلستان ہوئے ۔

اہل انگلینڈ نے غیر ملکوں کے آباد کرنے میں ایسا علم بلند کیا کہ سب قوموں کے علم اُس کے آگے سرنگوں ہوئے اور جہاں وہ جھنڈا اکھڑا تھا کہ ساری قوموں پر عظمت کا نشان بتاتا تھا ۔ وہاں **انگریزی عَلَم** قائم ہو گیا ۔ سترھویں صدی کا آغاز کیا شبھ مہورت اس قوم کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی تھی کہ جس نے اس قوم کو کچھ سے کچھ بنا دیا ۔ سب سے پہلے غیر ملکوں میں

آباد ہونا ورجن سے شروع ہوا۔ تیرھویں مئی ۱۶۰۷ء میں جیمز اوّل شاہ انگلستان نے ایک لنڈن کی کمپنی کو فرمان اس مضمون کا عطا فرمایا کہ وہ اس کام کا بیڑا اُٹھائے۔ اور انگریزوں کو لیجا کر ورجن میں بسائے ۱۶۱۲ء میں بارمیوڈیز میں اور ۱۶۲۵ء میں باربی ڈوز میں وہ جا کر بسے۔ اُن بستیوں کے بسانے میں سب سے اوّل پیش قدمی سر رچرڈ گرنیول اور سر والٹر ریلیف نے کی۔ مگر اُن کے منصوبے سوء تدبیر سے خالی نہ تھے۔ اس لئے وہ خود تو ناکامیاب رہے مگر اس کار خیر کے آغاز کرنے سے اپنی ناموری اور عزت کا نقشہ جما گئے جس کی بدولت آج انگلستان دُنیا کا سرتاج ہے؀

اس میں کوئی دانشمند شبہ نہیں کرسکتا کہ دو سو ستر برس کے عرصہ میں غیر ملکوں میں اپنی بستیاں بسانے سے حضرت برطانیہ ایسے پھولے پھلے ہیں کہ اگر اُن کی سلطنت کے نقشہ کے سامنے سکندر ذوالقرنین کی سلطنت کے نقشہ کو سامنے رکھئے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوان مرد کے مقابل بڑھیا کا چہرہ رکھا ہوا ہے اور سلطنت رومیہ کبریٰ کے خاکے کو اُس کے آگے دھریئے تو یہ دکھائی دیگا کہ بوڑھے مُردہ کے چہرہ کو خاک سے نکال کر کسی خوبرو کی تصویر کے سامنے رکھ دیا ہے؀

یہ صورت تو قدیم زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتوں کی ہے۔ اب حال کے زمانہ کی سلطنتوں کا حال سُنیئے خدا کے فضل سے سلطنت انگلشیہ کے قبضہ اور تصرف میں جو ملک ہے وہ اپنے پیرو کو پچاسی لاکھ مربع میل پر پھیلاتا ہے اور اٹھائیس کروڑ بیس لاکھ آدمیوں کو اپنے میں بساتا ہے۔ کوئی دُنیا کی اقلیم نہیں کہ جس میں اُس کے قدم مبارک جلوہ افزا نہ ہوں۔ یوروپ۔ ایشیا۔ افریقہ۔ امریکہ۔ سمندر کے بڑے بڑے جزیرے۔ ان سب جگہ میں وہ موجود ہے کوئی سلطنت روئے زمین پر اس وسعت اور آبادی کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اگر روس اپنی وسعت ملک کو جو اسّی لاکھ مربع میل ہے لے کر سامنے کھڑا ہوتا ہے اور برابری کا دعویٰ کرتا ہے تو آبادی کو کیا کرے آٹھ کروڑ بیس لاکھ اُس میں کل آدمی رہتے ہیں یا ان مقابلہ میں

وہ کسر شان ہوتی ہے کہ جس کو ایک تہائی کی کسر بتاتی ہے۔ اگر چین اپنی آبادی چالیس کروڑ کی لے کر سامنے آئے اور اپنی فضیلت جتائے تو وسعت وہ کہاں سے اپنی بڑھائے۔ سوائے اِس کے ہم اس سلطنت سے بحث نہیں کرتے اِس لئے کہ اُس کے حال سے بخوبی مطلع نہیں بعد اِن سلطنتوں کے یونائیٹڈ اسٹیٹس کا نمبر آتا ہے چھتیس لاکھ مربع میل وسعت تین کروڑ پچاسی لاکھ آبادی۔ جرمنی اور فرانس وسعت میں آپس میں برابر ہیں ہر ایک کی وسعت بتیس لاکھ مربع میل۔ اور جرمنی کی آبادی چار کروڑ دس لاکھ۔ اور فرانس کی آبادی تین کروڑ ساٹھ لاکھ۔ دونوں آسٹریا اور ہنگری کی وسعت دو لاکھ چالیس ہزار مربع میل آبادی فرانس کے برابر۔ اسپین کی وسعت دو لاکھ مربع میل سے کچھ کم۔ اور آبادی ایک کروڑ ستر لاکھ۔ اٹلی کی وسعت بھی اسپین کی وسعت کے برابر ہے۔ مگر آبادی دو کروڑ ستر لاکھ۔ ٹرکی کا حال ٹھیک نہیں معلوم۔ اب ہم نے سلطنت انگلشیہ کو وسعت اور آبادی میں ثابت کر دیا کہ وہ ساری دُنیا کی سلطنتوں میں افضل ہے۔ اور یہ افضل ہونا ایسا ہی بدیہی ہے جیسے پانچ کا افضل ہونا چار پر ظاہر ہے۔

اب ہم ایک دوسری بات میں اُس کا افضل اور اوّل ہونا بتاتے ہیں یوں سمجھو کہ انگلستان بہت سے بچوں والی ماں ہے جو ہمیشہ پیار اور محبت سے اپنے بچوں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اور مُنہ پر بوسہ دیکر یہ کہتی ہے کہ اے میری جان میں تیرے قربان اب میرا گھر اتنا بڑا نہیں ہے کہ تم سب اُس میں چین اور آرام سے رہ سکو۔ ضرور اِس تنگ مکان میں گھٹنے سے بے چین رہو گے۔ بیمار پڑو گے نہ میرے پاس روٹی کپڑا تم سب کو اچھی طرح سے دینے کے لئے ہے ضرور تم یاں رہنے سے بھوکے مرو گے۔ اب پردیس سدھارو مجھ سے زادِ راہ ہمراہ لو وہاں محنت اور مشقت کر کے کھاؤ کماؤ۔ جب تک تم خود ہوشیار اور اپنے قابل ہو جاؤ گے میں تمھاری سب طرح سے خبر رکھوں گی۔ اِس سعادت مند اولاد نے اپنی ماں کا کہنا بسر و چشم قبول کیا۔ اسباب سفر کے بکس اور بیگ ساتھ لے کر پردیس کی راہ لی۔ وہاں جا کر اپنی ماں کے

حکم کی تعمیل کی اور اُس کی تعظیم کا خیال کبھی دل سے باہر نہ کیا۔ اپنی محنت اور لیاقت سے کمانے کمانے لگے۔ ماکو سوغاتیں بھیجنے لگے۔ روٹی اور کپڑے اور تمام آسایش کی چیزوں کی فرمایشیں ماہی پر کرنے لگے اور اُن کی قیمت میں روپیہ کے سترہ آنے دینے لگے۔ اب اور ملکوں کو بھی خیال کرو کہ یہ باتیں اُن میں کہاں ہیں۔ اُنھوں نے اپنی اولاد کو وطن سے باہر نکالا مگر یہ ساری اولاد ایسی کپوت ہوئی کہ اُنھوں نے ما کی تعظیم اور تکریم اور فرماں برداری کا خیال گھر سے باہر نکلتے ہی دل سے نکال دیا۔ غیر ملکوں میں اپنے گھر بنا لئے تو پھر اُس گھر کی خبر نہ رکھی کہ جس میں پرورش پائی تھی۔ اور اپنی ما سے ایسے اجنبی بن گئے کہ گویا کبھی اُس کے پیٹ سے پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ اُس کا دودھ پیا ہی نہ تھا۔ اپنی اصلی ما کو چھوڑ کر انگلستان ہی کو اپنی مادر مہربان بنایا۔ اُسی کی چھاتی سے دودھ پینے لگے۔ اِن بیچاری ماؤں نے اولاد کو گھر سے باہر نکال کر اپنا گھر اُجاڑا اور اُن کے کپوت ہونے کا درد بڑھا کر اپنے کو ضعیف کیا۔ انگلستان کی ما اپنی اولاد کے سپوت ہونے سے روز بروز خوش و خرّم اور آباد و شاد ہونے لگی +

اب اس تشبیہ کی تفصیل یہ ہے کہ انگلستان کی بستیاں جو غیر ملکوں میں آباد ہوئیں وہ سب آج تک انگلستان کی فرماں بردار اور تابع ہیں۔ برخلاف اِس کے جو فرانس اور ہسپانیہ اور ڈچ نے اپنی آبادیاں اور ملکوں میں آباد کیں۔ وہ اُن سے سرکش ہو کر اُن کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ فرانس والوں کے پاس۔ الجیریا اور اسپین والوں کے پاس کیوبا باقی ہیں باقی سب چھین چھنا گئیں۔ فرانس والوں کی یہ آبادیاں کینڈا۔ نووا اسکوشیا نیو برنزک۔ نیو فاؤنڈ لنڈ۔ پرنس اڈورڈ۔ سینٹ لوشیا گرینڈا۔ مارشس انٹی گوا ڈومی نیکا۔ جزائر باہاماس۔ مالٹا سب انگلستان والوں کے قبضہ میں جنگ اور صلح اور آمیزش اور آویزش سے آگئیں۔ ڈچ یعنی ہولنڈ والوں کی یہ آبادیاں کیپ کولونی برٹش گی آنا سیلون۔ سینٹ ہلنا بھی انگلستان والوں نے لے لیں۔ ہسپانیہ کی آبادیاں

جبرالٹر - (جبل طارق) - ٹرینڈنڈ - جمیکا جزائر - فاک لینڈ بھی انھوں نے اپنے قبضہ میں کرلیں - اب انگلستان کے اُس زور کو دیکھنا چاہیے جب نے یہ آبادیاں زبردست قوموں سے چھین لیں اور اُن کو اپنی رعیت بنایا - یہ امر اہل انگلستان کے ہی ساتھ مخصوص ہے کہ وہ کسی قوم کے خود محکوم ہو کر نہیں رہتے - اور ساری دُنیا کی قوموں میں سے کچھ نہ کچھ آدمی اپنے محکوم رکھتے ہیں - اب سوچو کہ اس طرح سے جو انگریز غیر ملکوں میں پھیلے اُس سے انگلینڈ کو کیا کیا فائدے حاصل ہوئے - یہ امر بالکل ثابت ہے کہ انگریز ایسی کثیر الاولاد قوم ہے کہ اگر وہ اس طرح سے آج کو ساری دُنیا میں نہ پھیلاتے تو انگلستان میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہتی اور کسی طور سے اُن کی سمائی نہ ہوتی - بھوکے مفلس ہوتے روٹی کو لون بھی مشکل سے ملتا اور یہ عیش و آرام جو اب ہے خواب میں بھی کبھی دکھائی نہ دیتا - آج جو یہ ملک بہشت بے قیامت بن رہا ہے جہنم سے کم نہ ہوتا ایک فائدہ تو یہ ہوا -

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بغیر اُن آبادیوں کے بسنے کے ہرگز یہ تجارت کا بازار نہ گرم ہوتا تاریخ و نقشہ ہائے تجارت کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں انگریزوں کی فتح و نصرت کا علم گیا واں تجارت کا جھنڈا بھی سایہ کی طرح اُس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا گیا - اگر اس مضمون کو گنواری بولی میں ادا کرو تو کہو کہ پہلے لٹھیا پیچھے گٹھیا - لٹھیا اور گٹھیا کا ہمیشہ ساتھ ہوتا ہے - کہاوت مشہور ہے کہ آگے لٹھیا پیچھے گٹھیا - ان آبادیوں اور انگلستان کے درمیان سالانہ تجارت ڈیڑھ اور پونے دو ارب روپیہ کے درمیان ہوا کرتی ہے نقشہ ذیل سے معلوم ہوگا کہ ان آبادیوں میں اور غیر ملکوں میں وہ اسباب جو انگلستان میں پیدا ہوتا ہے یا بنتا ہے کس قدر ہر ایک شخص اپنے کام میں لاتا ہے

نام مُلک	خرچ	
(۱) شمالی امریکہ کی آبادیاں	عہ ۵ / ۱۴	یہ تو یورپ اور امریکہ کے ملکوں کی کیفیت ہے ہندوستان
(۲) آسٹریلیا اور نیوزلینڈ	عہ ۵ / ۳	میں ہر شخص اپنا حساب

نمبر	ملک	رقم
(۳)	کیپ میں کل آبادی	[illegible]
(۴)	ناٹال (سفید رنگ آبادی)	[illegible]
(۵)	ویسٹ انڈیا۔	[illegible]
(۶)	موریشس۔	[illegible]
(۷)	یونائیٹڈ سٹیٹس	[illegible]
(۸)	فرانس	[illegible]
(۹)	اسپین	[illegible]
(۱۰)	پرتگال	[illegible]
(۱۱)	جرمنی	[illegible]
(۱۲)	اٹلی	[illegible]
(۱۳)	روس	[illegible]
(۱۴)	ہولینڈ	[illegible]
(۱۵)	بلجیم	[illegible]
(۱۶)	برزل	[illegible]

لکھ کر سمجھ لے کہ وہ کتنے روپیہ سال انگریزی چیزوں کے خریدنے میں صرف کرتا ہے۔ اگر ایک اندھی بڑھیا اپنی موٹی دھوتر کے دوپٹے کو مروڑی دیتی ہے تو وہ کبھی سوئی کی قیمت میں انگلستان کو کچھ نہ کچھ نذر کرتی ہے اور اگر ایک مفلس اپنی ٹوٹی پھوٹی مٹی کے دئے کو دیا سلائی سے جلاتا ہے تو وہ بھی کچھ نہ کچھ انگریزوں کے پیش کش کرتا ہے۔ اس وقت یا لیں پھر

ہندوستان بحث سے خارج ہے۔ اس لئے کہ ہم صرف انگلستان کی آبادیوں سے بحث کرتے
اس نقشہ کے دیکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انگریزوں نے غیر ملکوں میں بس کر تجارت کے
ذریعہ سے کس قدر دولت کو بڑھایا ہے اگر وہ اپنے گھر میں رہتے اور باہر کی راہ نہ لیتے تو یہ
دولت گھر میں کیونکر کما کر لاتے بلکہ الٹی گھر کی دولت اڑاتے۔ افلاس کی مصیبت میں پھنس
جاتے اور معلوم نہیں اور کالی بلائیں کیا کیا اپنے گورے رنگوں کے سر پر لاتے۔ گھر کو خالی کیا تو
خزانہ بھرا۔ انگلستان نے انیس برس کے عرصہ میں ۱۸۶۲ء سے لیکر ۱۸۸۱ء تک نئی آبادیوں
کے آباد کرنے میں اور اپنی اس اولاد کے پردیس میں پرورش کرنے میں تینتالیس کروڑ

اکیاسی لاکھہ روپیہ صرف کیا۔ اِس عرصہ میں اِن آبادیوں میں چار ارب بچاس کروڑ اناسی لاکھہ
استی ہزار روپیہ کا اسباب تجارت انگلستان سے گیا۔ اسباب تجارت پر محصول انگلستان میں کم از
کم دس روپیہ اور زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سیکڑہ لیا جاتا ہی۔ پس اگر محصول بدرجۂ غایت
کم ہی فرض کرلیں تو خزانہ شاہی میں پینتالیس کروڑ سات لاکھہ اٹھانوے ہزار روپیہ
داخل ہوا۔ غرض اِن اُنیس سال کے آخر سال ۱۸۳۱ع میں دو کروڑ اٹھارہ لاکھہ روپیہ کی آمد
ہوئی اور ایک کروڑ دس لاکھہ خرچ *

پس بیان متذکرۂ بالا سے یہ بات ظاہر ہی کہ اِن آبادیوں کے آباد کرنے سے جیسی انگلستان
کی سلطنت اور سطوت اور حکومت کو ترقی ہوئی ہی ویسی دولت بھی بڑھتی ہی اور یہ قوی
سبب اُس کو ثروت اور تونگری کے حاصل کرنے کا حاصل ہی۔ اب بتائیے کہ کوئی اور
قوم دُنیا کے پردہ پر ایسی ہی جس کو یہ بات حاصل ہی۔ اگر فرانس اور ہولینڈ اور اسپین والے
کی آبادیوں کا تذکرہ اِن انگلستان کی بستیوں کے سامنے تم غور کروگے تو بودہ بودہ کر کے
تم کو جھڑک دیں گے کہ کیا آفتاب کے سامنے شمع کو روشن کرتے ہو۔ ذرا اِس بات پر غور
کرو کہ اِس چھوٹے سے ملک نے اپنے سے سرسٹھہ گنے ملک پر طرح طرح سے تسلط کر لیا ہی
اور اُس کو آباد کر لیا ہی *

اگر انگلستان میں آدمیوں کی تعداد ہر سال اِس قدر نہ بڑھا کرتی کہ اُس میں سے فضول
آدمی غیر ملکوں میں جا کر سکونت اختیار کریں تو اِن آبادیوں سے کچھہ فائدہ نہ ہوتا۔ مگر یہ شرف
تو خدا نے انگلستان ہی کو عطا فرمایا ہی کہ ساری دُنیا کے ملکوں سے اُس کی آبادی ہمیشہ
زیادہ بڑھا کرتی ہی اور ہمیشہ اُس میں یہ قابلیت ہوتی ہی کہ اپنے ملک کے فضول آدمیوں کو
غیر ملکوں میں بھیج دے اور اُس سے فائدہ اُٹھائے۔ قوموں میں جو آدمیوں کے بڑھنے کا
حساب کیا کرتے ہیں اُس کا یہ قاعدہ ہی کہ یہ دیکھا کرتے ہیں کہ وہ دو چند کتنی مدت میں ہو لیتے
ہیں۔ اِس کا سبب انسان کو معلوم نہیں ہوا۔ خدا ہی کو معلوم ہوگا کہ کیوں قوم میں مختلف اوقات

میں دوچند ہوتی ہیں حساب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ انگلستان میں انگریز چھپن برس میں دوچند ہو جاتے ہیں مثلاً اس زمانہ میں انگریز چھہ کروڑ ہیں تو چھپن برس بعد بارہ کروڑ ہو جائیں گے۔ اگر اس دوچند ہونے کے حساب کا دور بڑھایا جائے تو اضعاف بیوت شطرنج کا حساب انگریزوں پر صادق آئے گا۔ امریکہ میں اینگلو سیکسن پچیس برس میں دوچند ہو جاتے ہیں ڈچ ایک سو پانچ برس میں ترک پانچسو پچپن برس میں اٹلی والے ایک سو پینتیس برس میں سویڈن والے اٹھاون برس میں روسی سو برس میں۔ اسپین والے ایک سو بارہ برس میں۔ شمالی جرمن والے پچاس برس سے لیکر ساٹھ برس میں۔ جنوبی جرمن والے ایک سو سٹرسٹھ برس میں فرانس والے ایک سو چالیس برس میں دوچند ہوتے ہیں +

۱۸۷۱ء میں جو مردم شماری تمام سلطنت انگلشیہ کی ہوئی ہے تو یہ معلوم ہوا کہ اس کی زیر حکومت ۲۳۴۷۶۲۵۹۳ باشندے رہتے ہیں (اس میں ہندوستانی عملداریوں کی آبادی داخل نہیں اس سبب سے یہ تعداد اُس تعداد سے مختلف ہے جو پہلے بیان ہوئی) اور یہی حال وسعت سلطنت کا ہے یہ آبادی ساری دُنیا کی آبادی کا چھٹا حصہ ہے۔ یعنی جناب **قیصر ہند** خلد اللہ ملکہا و اقبالہا کی فرماں بردار ساری دُنیا میں بحساب اوسط چھہ آدمیوں میں ایک آدمی ہے اسی سن میں جو وسعت سلطنت کا حساب کیا ہے وہ ۷۷۶۹۴۹۹ میل مربع ہے جو دو نصف کرون مغربی اور مشرقی میں پھیلی ہوئی ہے جس کی تفصیل ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ اب ہم تین باتوں میں انگلستان کا افضل ہونا بتا چکے۔ اب چوتھی بات یہ لکھتے ہیں کہ محاصل ملکی کیا ہے اور اور ملکوں کے محاصل سے کیا نسبت رکھتا ہے شاید پڑھنے والوں کا اس سے دل گھبراتا ہوگا کہ ہندسوں کی قطاروں کی قطاریں آتی ہیں مگر ہم اُس میں مجبور ہیں کہ دولت کے حساب کرنے میں بنیا بننا پڑتا ہے اور کتاب کو بہی کھاتہ بنانا پڑتا ہے +

جب کسی سرزمین پر آفتاب چمکتا ہے اور وہاں اپنی حرارت چمکاتا ہے تو اُس کی تابش سے انسان بیتاب اور بےچین ہوتا ہے مگر اس اضطراب اور بےقراری کی تلافی یوں ہو جاتی ہے کہ اُسی حرارت کے سبب سے رطوبت زمین بخار بن کر آسمان پر اُڑ جاتی ہے اور وہ پانی بن کر زمین

اُتری اور گرمی کی آگ کو بجھاتی ہے اور سردی کا پیغام لاتی ہے۔ تمام سوکھی شاخوں کو ہرا کر دیتی ہے۔ خشک کھیتوں میں جان ڈال دیتی ہے غرض اس پانی سے عجیب لطف روئیدگی ہوتا ہے اور اُس سے ہماری زندگی کا اسباب ازسرنو تیار ہوتا ہے۔ تمام پانی ہمارے کام میں نہیں آتا۔ کچھ اُس میں جو زمین شور پر گرتا ہے ضائع جاتا ہے۔ مگر انسان کو اُس کی ہرگز پروا نہیں ہوتی۔ لیکن اگر گرمی شدت سے پڑے اور مینہ نہ برسے اور بخارات جو ہماری سرزمین سے اُٹھتے ہیں وہ اپنا پانی اور سرزمین پر برسائیں اور ہم کو ترسائیں تو گرمی کی مصیبت فاقوں کی تکلیف اور زیادہ ہو گی اور ہماری زندگی خطرے میں پڑ گی۔ جیسا کہ کئی برس ہوئے ہمارے ملک کا حال تھا۔ کہ گرمی نے اُدھر ہمارا عرق نچوڑا۔ ماء اللحم نکالا۔ اُدھر قحط نے دھمکایا بخارات ہماری سرزمین میں اُٹھے مگر آسام اور برہما میں جا کر برسے۔ سوکھے اور جلے ہم ٹھنڈے اور ہرے ہوئے وہ۔ بعینہٖ یہی مثال رعیت اور بادشاہ اور خراج و محصول کی ہے جب بادشاہ اپنی رعایا پر ٹیکس لگاتا ہے اور خراج اور محصول لیتا ہے تو وہ رعایا کو ایسے ہی ناگوار خاطر ہوتا ہے۔ جیسے تابش آفتاب لیکن جب بادشاہ اس محصول کو رعایا کی حفاظت اور آسائش اور آرام اور عدالت میں صرف کرتا ہے تو وہ رعایا کو ایسا ہی بھلا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مینہ کا برسنا۔ گو اس محصول کا حصہ بھی مثل آبِ باران زمین شور پر پڑ کر ضائع ہوتا ہے۔ لیکن وہ رعایا کو برا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر جب یہ محصول یوں نہ صرف ہو اور وہ ضائع جائے تو پھر رعایا کی تکلیف ایسی ہی زیادہ ہو جاتی ہے جیسی کہ تابش آفتاب ہو اور بارش نہ ہو جس سے قحط کی شورش ہو۔ انگلش گورنمنٹ جو خاص اپنی رعایا سے محصول لیتی ہے اُس کو مینہ کی طرح پھر رعایا ہی پر برسا دیتی ہے جس سے وہ سرسبز اور شاداب ہو جاتی ہے۔ اور بہت کم اُس کو ضائع ہونے دیتی ہے۔ گورنمنٹ انگلینڈ خاص اپنی رعایا، انگلستان سے تمام دُنیا کی سلطنتوں سے سوا افزائش کے زیادہ محصول اور خراج لیتی ہے۔ مگر اُس کے عوض میں رعیت کا حق خدمت بھی ایسے دل و جان خدمتگاروں کی طرح کرتی ہے کہ کوئی گورنمنٹ نہیں کرتی۔ ہر صیغہ کے خرچ کو دیکھیے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ رعایا ہی کی آسائش اور آرام اور بہبودی کے لیے کیا گیا ہے۔ مثلاً سپاہ کا خرچ فی سپاہی

جس قدر انگلستان میں ہے وہ کسی اور سلطنت دُنیا میں نہیں ہے۔ شاید یہ امر خلاف عقل معلوم ہوتا ہو کہ رعیت کو زیر بار محصول کرنا اور سپاہ میں یہ خرچ کثیر کرنا مگر اس خرچ کو دیکھیے تو وہ ساری رعایا کے **دولت مند** کرنے میں صرف ہوتا ہے کنوئے سے پانی نکل کر باغ میں جاتا ہے۔ انگلستان میں ان محاصل کا عجب حساب لکھا ہے۔ اُس کے دیکھنے سے بھی ایسا ہی تعجب ہوتا ہے جیسے کہ کوئی بڑی پیچدار کل کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اُس کا حال بالکل ایسا کر رکھا ہے جیسے کہ کوئی ربڑ کی چیز ہوتی ہے کہ اُس کو حسب ضرورت جس قدر چاہیں گھٹا بڑھا سکتے ہیں ایسے ہی ملک اور وقت کی ضرورت کے موافق ٹیکس کو کم و بیش کر سکتے ہیں اگر کوئی امر اہم پیش آتا ہے اُس میں روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے تو اُس وقت کوئی نئے ٹیکس لگا دیتے ہیں۔ اور اُس کام کو بخوبی خود ہی انجام دے لیتے ہیں کسی غیر ملک میں ہاتھ پھیلاتے ہوئے نہیں جاتے بلکہ وہ خود ہی ساری دُنیا کے **مہاجن** بنے ہوئے بیٹھے ہیں جس سلطنت کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ انگلستان کے بنکوں اور مہاجنوں کے آگے اپنی احتیاجیں لے جاتی ہے اور ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور یوروپ کی سلطنتوں کا حال یہ ہے کہ روس اور اسپین اور اٹلی کے سوا سب اور بڑی بڑی سلطنتیں اپنے آمد و خرچ کے پلڑوں کو کانٹے کی تول رکھتی ہیں۔ آسٹریا اپنا کمبل دیکھ کر پاؤں پھیلاتی ہے ٹرکی بیچاری تو روس **دوالیہ** مشہور ہے۔ شمالی یوروپ کی سلطنتیں خرچ کو آمد سے کم رکھتی ہیں۔

اب سلطنتوں کے محاصل کی تفصیل یہ ہے کہ سلطنت انگلشیہ کی کل آمدنی اکیا ارب چھپن کروڑ چھتیس لاکھ تین ہزار تین سو ساٹھ روپیہ اور خاص کر انگلستان کی آمدنی ستر کروڑ تیرہ لاکھ سولہ ہزار نو سو تیس روپیہ ہے۔ یہ آمدنی اس قدر ہے کہ وہ فرانس اور یونائیٹڈ سٹیٹس کی آمدنیوں سے زیادہ ہے۔ ولایت میں جو رعایا ہے اُس کے ہر متنفّس پہ محصول بحساب اوسط تیئیس روپیہ نو آنہ پڑتا ہے۔ اور کل رعایا میں سے ہر شخص پہ چھ روپیہ نو آنہ۔ ایسا فرق کا سبب یہ ہے کہ ہندوستان اور مشرق میں جو رعایا ہے وہ یوروپ کی سلطنتوں کی نسبت نہایت غریب ہے۔ باقی ملکوں کی تفصیل یہ ہے۔

نام ملک	محاصل ملکی	ہر تنفس پر جو محصول کا اوسط پڑتا ہے
(الف) فرانس	٨٦١٢٥٦٢٥٠	١١ر
(ب) یونائیٹڈ اسٹیٹ	٧٧٩٣٩٠٠٠٠	١٤ر
(ج) روس ریل کی آمدنی شامل	٧٢٤٣٧٠٠٠٠	١٣ر
(د) آسٹریا و ہنگری	٦٣٣٥٦٠٠٠٠	٣ر
(ہ) پروشیا	٥٣٥٦٨٠٠٠٠	[illegible]
(و) اٹلی	٣٧٢٢٦٠٠٠٠	٩ر
(ز) اسپین	٢١٨٠٢٠٠٠٠٠	١٣ر
(ح) ہولنڈ ریل کی آمدنی شامل	٨٩٣٦٠٠٠٠	٨ر
(ط) بلجیم ایضاً	٨٥٣٤٠٠٠٠	١٠ر
(ی) پرتگال	٥٧٠٦٠٠٠٠	٤ر

اب جس آسانی اور خوبی سے یہ محاصل حاصل ہوا اُسی سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہر ملک کس قدر ان محصولوں کی قوت کا ماتحت ہے غرض اس نقشہ کو اور اوپر جو اس سے حال انگلستان لکھا ہے دونوں کو ملائیے تو سب سے اول دولتمند ملک انگلستان ہے اور بعد اُس کے فرانس۔ اب ہم نے اس آمدنی محاصل ملکی میں انگلستان کا افضل ہونا ثابت کر دیا۔ اب ہم ایک اور صیغہ دولتمندی کا بیان کرتے ہیں ۔

تجارت۔ ظاہر ہے کہ تاجر کی دُکان چلنے کے لئے یہ امر بھی ضرور ہے کہ اُس کی دُکان کا مقام یا مکان وسط شہر میں ایسے موقع پر واقع ہو کہ وہاں خریداروں کی آمد و رفت بے دقت ہو سکے۔ اور اسباب باربرداری کا کوئی مانع راہ میں ایسا نہ ہو کہ اُس کی دُکان تک جانے میں روکے اور وہ خود بھی اسباب باربرداری ایسا رکھتا ہو کہ جتنا اسباب چاہے لے آئے اور لے جائے۔ پس جو حال اُس دُکان کا کسی شہر میں ہو وہ جزائر برطانیہ کا دُنیا میں ہے دنیا کے

نقشہ میں جزائر برطانیہ کا مقام دیکھیے اور اُس کے نصف النہار سے کرۂ زمین کے دو حصے کیجیے اور پھر ملاحظہ کیجیے کہ اُس کے دائیں بائیں طرف خشکی و تری کس مناسبت سے واقع ہوتی ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ قدرت ہی سے اس لیے موزوں ہوا ہے کہ ساری دُنیا کے ساتھ تجارت کیا کرے۔ اُس کے جزیرہ کے ہونے کے سبب سے چاروں طرف سمندری راہیں کھلی ہوئی ہیں جن کی نہ مرمت کی ضرورت ہے نہ تعمیر کی۔ نہ کھڑ کھڑ ہے نہ چرخ چوں۔ بندرگاہ نہایت خوشنما وسیع فراخ چاروں طرف کثرت سے موجود ہیں جن میں ہزاروں جہاز با فراغت ٹھہر سکتے ہیں۔ غرض دُنیا میں حضرت برطانیہ وہاں مسند لگائے بیٹھے ہیں کہ جہاں سے بے تکلف وہ اپنا ہاتھ پھیلائے سارے جہان سے تجارت کا معاملہ خوب کر سکتے ہیں اور سارا عالم اُن سے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر اور اُس پر رومال ڈال کر معاملات تجارت کی باتیں کر سکتا ہے۔ اب یہاں چند اصطلاحیں تجارت کی بتا دیتے ہیں کہ جس سے آگے کا بیان بخوبی سمجھ میں آئے ✠

جو مال اپنے مُلک سے غیر مُلک کو جاتا ہے اُس کو برآمد مال یا نکاسی کہتے ہیں اور جو سوداگری مال دوسرے ملک سے اپنے ملک میں آتا ہے اُس کو درآمد مال یا آمدنی مال کہتے ہیں

اب یہ سوداگری مال جو آتا ہے تین قسم کا ہوتا ہے ✠

(۱) اسباب جو کھانے پینے اور حوائج ضروری میں صرف ہوتا ہے ایسے اسباب کو خرچ روزمرہ کا اسباب کہتے ہیں ✠

(۲) وہ اسباب کہ جیسا ایک طرف سے آیا ویسا دوسری طرف چلا گیا ✠

(۳) وہ اسباب جو یہاں آیا اور اُس پر یہاں کے صنّاعوں اور کاریگروں نے اپنی ہنرمندی سے اُس کو درست کیا اور اُس کو بنا سنوار کر غیر ملکوں میں بھیجا ✠

تجارت کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں ✠

اوّل یہ کہ اسباب کے عوض میں اسباب آئے ✠

دوم یہ کہ اسباب کے عوض روکڑ آئے ✠

روکڑ عبارت روپیہ پیسہ چاندی سونا اور اسی جنس کی چیزوں سے ہے۔ پس اگر ہر سال کسی ملک میں اُس نقدی کی توفیر ہوا کرے تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ دولتمند ہوتا ہے اور جس ملک میں آمد مال زیادہ ہو تو اُسے بھی یہ کہیں گے کہ اس کی دولت بڑھتی ہے۔ اب اس تجارت کا حال ہم مفصل لکھتے ہیں پڑھنے والے شاید بہت سے ہندسوں کے دیکھنے سے گھبرائیں گے مگر ہم مجبور ہیں کہ بغیر رقموں کے کسی طرح سے انگلستان کی دولتمندی کا حساب بتائیں۔

جزائر برطانیہ میں سالانہ سوداگری اسباب کی درآمد اور برآمد ساڑھے اور پونے سات ارب روپیہ کے درمیاں ہوا کرتی ہے۔ بعد اس کے فرانس ہے کہ اُس میں یہ درآمد برآمد سوداگری اسباب کی ساڑھے اور پونے چار ارب روپیہ کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ پھر یونائیٹڈ اسٹیٹس ہے جس میں تجارت ڈھائی ارب روپیہ کے قریب ہوا کرتی ہے۔ پھر بلجیم ہے جس میں دو ارب سے کچھ کم تجارت ہوتی ہے۔ آسٹریا میں پونے دو ارب کی اور روس میں سوا ارب یا اُس کے قریب اور سلطنتوں میں اس سے بھی کم روپیہ کی تجارت ہوتی ہے۔ اب اس تجارت کو دیکھنا چاہیئے کہ ساری دُنیا کی سلطنتوں میں انگلستان کا نمبر تجارت میں بڑھا ہوا ہے۔ جو ملک اُس سے دوسرے نمبر پر ہے۔ وہ اُس سے آدھی تجارت رکھتا ہے اب انگلستان کی تجارت کا حال ہم بابت ۱۸۸۴ء کا اور زیادہ تفصیل سے نیچے لکھتے ہیں۔

جزائر برطانیہ میں جو غیر ملکوں سے اسباب سوداگری آیا اُس کی قیمت ۲۸۹۵۶۱۵۶۰۶۰ روپیہ تھی اور اُن ملکوں سے کہ جو اُس کے زیر حکم ہیں ۸۴۴۲۳۹۷۱۰ روپیہ کا اسباب آیا اس اسباب سوداگری میں غیر ملکوں اور انگلستان کی آبادیوں کی پیداوار کا مال جو آیا تھا اس میں سے ایک چھوٹا حصہ یعنی ۵۸۱۴۶۳۶۰۰ روپیہ کا جیسا آیا تھا ویسا ہی اور ملکوں کو گیا۔ اور اُس کے باقی حصہ میں بہت سا تو خرچ روزمرہ میں صرف ہوا باقی اسباب پر انگلینڈ کے آدمیوں نے اپنی کاریگری اور صناعی سے اُس کو بنا کر غیر ملکوں میں بھیجا۔ اب اس سے قیاس کرنا چاہیئے کہ اس ملک کی **صنعت کاری** اور کاریگری کس درجہ پر بڑھی ہوئی ہے۔ اب روکڑ کا ذکر سنئے کہ جزائر برطانیہ میں چاندی سونا اور نقدی ۱۸۸۴ء میں ۳۳۳۲۶۴۷۸۹۰ روپیہ کی آئی اور ۲۷۶۲۸۰۴۰ زر نقد

لی گئی یعنی انگلستان میں پانچ کروڑ تریسٹھ لاکھ سرسٹھ ہزار چار سو ستر روپیہ نقد مبادلہ اسباب سے زیادہ آیا۔ پس تجارت کا آخر کار یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ اس تجارت کی بدولت ہر سال پانچ چھ کروڑ کی نقدی اور اُس میں زیادہ ہوتی رہتی ہے+

تجارت کے جہازوں کا کارخانہ۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس مُلک کی تجارت کا یہ کارخانہ عظیم الشان ہو تو اُس کا وہ کارخانہ کتنا بڑا ہوگا جس میں یہ سوداگری کا اسباب لد کر آتا جاتا ہوگا۔ اس کارخانہ کو دیکھیئے تو عجب حیرت اور تعجب ہوتا ہے۔ جزائر برطانیہ کے بندرگاہوں میں جو جہاز غیر ملکوں اور اُس کے ممالک محکومہ سے آن کر اُترے اُس کی سنہ ۱۸۸۴ء کی تفصیل ہم لکھتے ہیں جس سے ناظرین کو اُس کا حال معلوم ہوگا+

ان جہازوں میں سے جو اسباب تجارت اُتارا گیا اُس کا وزن ایک ارب انتیس کروڑ ستاون لاکھ اکیاون ہزار آٹھ سو چوراسی من تھا اور اِس اسباب میں سے چھیاسی کروڑ چونسٹھ لاکھ اُنسٹھ ہزار آٹھ سو ستائیس من فقط انگریزی جہازوں سے اُتارا گیا تھا جو بیڑے جہازوں کے فقط تجارت ہی کے کام میں لگے رہتے ہیں اور اُن میں وہ دخانی جہاز داخل نہیں ہیں جو دریاؤں میں ملک کے درمیان چلتے ہیں اُن میں ستر ہزار دو سو اکتیس پال دار جہاز ہیں جن میں گیارہ کروڑ تینتیس لاکھ چھیالیس ہزار ایک سو بارہ من بوجھ لد سکتا ہے۔ اور دو ہزار نو سو ستر دُخانی جہاز ہیں جن میں پانچ کروڑ سترہ لاکھ اکتیس ہزار دو سو چونسٹھ من اسباب لد سکتا ہے۔ غرض کل جہاز بیس ہزار ایک سو اکیانوے ہیں اور دو لاکھ ملاح اُن جہازوں میں رات دن اپنے ہاتھ چلاتے رہتے ہیں اور اُن کے افسر اس تعداد سے باہر ہیں جہازوں کا مقابلہ فقط اس اسباب کے وزن سے ہوتا ہے جو اُن میں لادا جائے۔ نقشۂ ذیل میں اس کی تفصیل ہے+

	نام ملک	تعداد من	کیفیت
(۱)	انگلستان	۱۶۴۹۶۷۳۷۶	جو جہازوں میں لد سکتا ہے
(۲)	یونائیٹڈ اسٹیٹس	۱۳۱۳۰۲۷۵۶	ان میں وہ جہاز داخل نہیں جو

نام ملک	تعداد ٹن	کیفیت
(۲) یونائیٹڈ اسٹیٹس	۱۳۱۳۰۴۷۵۶	ملک میں دریاؤں اور جھیلوں میں چلتے ہیں ان میں وہ جہاز داخل نہیں
(۳) ناروے	۳۴۸۶۸۲۰۴	جو ملک میں دریاؤں اور جھیلوں میں چلتے ہیں۔
(۴) فرانس	۲۹۷۶۴۸۶۸	ان میں وہ جہاز بھی داخل ہیں جو ملک میں دریاؤں و جھیلوں میں
(۵) اٹلی	۲۹۳۰۰۲۹۲	چلتے ہیں۔

باقی سلطنتوں میں تو اٹلی سے بھی آدھے جہاز ہیں یا اُس سے بھی کم اور اکثر سلطنتوں میں اس سے بھی کم اگر تمام سلطنتوں میں ناروے سویڈن فرانس اٹلی آسٹریا ہولینڈ ڈنمارک ہمبرگ جرمن بلجیم گریس کی تجارت کے جہازوں کو جمع کرو تو وہ سب ملکر انگلستان کی تجارت کے جہازوں سے کم ہوں گے غرض تجارت اور اسباب تجارت انگلستان کا بے نظیر و لاجواب ہونا ثابت ہوا۔ ایک دوسری چیز جو تجارت کے لئے ضروری ہے ہم اُس کا بھی اخیر میں ذکر کرتے ہیں

معادن انسان کے مخازن دولت میں معادن بھی داخل ہیں اور دولت مندی کے معاون جو قومیں کہ اپنی معدنیات کو کانوں سے علم اور ہنر کے ساتھ جدا کرتی ہیں اور سلیقہ اور لیاقت سے کام میں لاتی ہیں وہ غالبًا اپنی دولت کو بڑھاتی ہیں ہماری غرض یہاں یہ نہیں ہے کہ ہم ساری سلطنتوں کی معدنیات کا تذکرہ کریں اور اُن کے چاندی سونے ہیرے پنّے لعل زمرد کے اوصاف اور صفات و مقدار اور قیمت لکھیں اور اُن کو مقابلہ کی کسوٹی پہ کسیں بلکہ صرف مطلب یہاں یہ ہے کہ اُن دو چیزوں کا بیان کریں کہ جن سے زیادہ کوئی معدنیات انسان کے واسطے بکار آمد اور سود مند نہیں ہے یعنے **لوہا** اور **کوئلہ** ان دو کالے مُنہ کی چیزوں ہی سے انگلستان کی تجارت ساری دُنیا میں سُرخرو ہوا اور جہازرانی کو جہان میں سب سے زیادہ باآبرو کر رکھا ہے

اِس دانشمندی سے انگلش اِن دو چیزوں کو کام میں لاتے ہیں کہ ساری دُنیا سے چاندی سونے کے ڈھیر گھر کما لاتے ہیں۔ کوئلہ سے تمام دخانی جہاز اور کلیں چلتی ہیں۔ تجارت کے واسطے جہاز رانی ضرور ہے اور جہاز رانی کے واسطے کوئلہ ناگزیر ہے۔ اور دخانی کلوں سے صنّاعی اور کاریگری کے کام کو رونق ہے۔ اُدھر دخانی جہازوں سے تجارت کا بازار گرم ہے۔ الحاصل اِن دونوں چیزوں کی بدولت انگلستان جہان کا تاجر ہے اور اتنی بڑی ساکھ رکھتا ہے اور دُنیا کا ایسا کاریگر ہے کہ آدھی دُنیا کا بدن اپنے کپڑے سے ڈھکتا ہے۔ مہذّب اور شائستہ ملکوں کے لیے ہزاروں کلیں اور ہزاروں اسباب آسائش اور آرام کے بناتا ہے۔ تھوڑی ہی جگہ دُنیا میں آسائش اور آرامش کا سامان ہوگا جہاں انگلستان کا ہاتھ اُس میں نہ لگا ہوگا ۔

قدرت سے انگلستان کے برابر دُنیا کے پردہ پر کہیں کوئلہ اور لوہا نہیں پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنی سخاوت سے اِس دولت کو اپنے تمام ممالک ماتحت میں پہنچاتا ہے۔ ساحل بحر کے پاس کسی ملک میں وہ کوئلہ جو جہاز رانی کے کام کا ہو نہیں پیدا ہوتا۔ اِس لئے سامان جہاز رانی انگلستان کو قدرت سے ایسا مِل گیا ہے کہ وہ کسی اور مُلک کو میسّر نہیں۔ اس سے وہ **بحری قوت** میں دنیا بھر میں **شہنشاہ** کا خطاب رکھتا ہے۔ اگر ساری دُنیا کی بحری قوتیں جمع ہو کر اُس کے سامنے آئیں تو اُن کا مقابلہ خوب کر سکتا ہے۔ انگلستان سے ہندوستان تک بحر مڈیٹرینین سے بحر قلزم اور ساحل ملک عرب پر کہیں کوئلہ آپ جہاز رانی کے کام میں آتا ہوا دیکھیے تو وہ انگلستان ہی کا کوئلہ ہوگا۔ عدن جبرالٹر۔ مالٹا کو ذرا نقشہ میں ملاحظہ کیجیے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں داخل ہونے کے دروازوں کو اس کوئلہ نے انگریزی قلعوں اور سپاہیوں سے مقفّل کر کے کنجیاں اُن کی انگریزوں کے ہاتھ میں دے دی ہیں اور اُنھوں نے بھی اِن کنجیوں پر ایسی مضبوط گرفت کر رکھی ہے کہ کوئی لوہے کا پنجہ بھی اُن کے گوشت کے پنجہ سے نہیں چھڑا سکتا۔ پس دروازوں پر قابض ہونے سے وہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان جو راہ ہے اُس میں کسی کو گھسنے نہیں دیتے۔ انگریزی کوئلہ کی افراط کو دیکھیے کہ انگلستان سے ہندوستان تک کسی قسم کا کوئلہ سوائے انگریزی کوئلہ کے نظر

نہیں آتا۔ اور اگر زمین پر پیروں کے نیچے پڑے پایا جائے تو بھی بازاروں میں انگریزی کوئلہ کی دوکانیں موجود ہیں۔ واہ واہ کوئلہ نے اپنے کو کہاں سے لیکر کہاں پہنچایا ہی۔ اس اسود نے ابیض اور اصفر کو کیا مات کیا ہی یعنی کوئلہ کی کانوں نے سونے چاندی کی کانوں سے زیادہ فائدہ پہنچایا ہی۔ ایک بڑی ہی خوش نصیبی انگلستان کی یہ ہی کہ جہاں اُس کے آدمی جاکر آباد ہوتے ہیں وہاں کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ ڈھانڈ اور زمین کو کھود کھاد کر کسی نہ کسی قسم کے کوئلہ اور لوہے کو نکال لیتے ہیں اور ان مصالحوں سے اپنی **امارت** کی آہنی عمارت اُسی طور سے بنانے لگتے ہیں جیسے انگلستان نے اپنی اور شکوہ کا محل تعمیر کیا ہی۔

قرض۔ دولت کے ساتھ قرض کا ذکر نہ ہو تو دولتمندی کا بیان ادھورا رہتا ہی اسلئے ہم سلطنت کے قرض کا ذکر کرتے ہیں جو سلطنت یا گورنمنٹ کو قرض دینا ہوتا ہی اُس کو قومی قرض کہتے ہیں اس قرض کے موجد اول اہل ہولینڈ ہوئے۔ پھر اُن کی مقلد ساری قومیں اور سلطنتیں ہوئیں۔

اول اول یہ قرض انگلستان میں لڑائیوں کے خرچ کے واسطے اور سپاہ کی آراستگی کے لئے جیمز اول کے زمانہ میں لیا گیا۔ مگر اب قرض ایسے نفع رساں کاموں کے واسطے بھی لیا جانے لگا جیسے کہ ریلوے وغیرہ ہیں مگر درحقیقت یہ ریلیں بھی جس قدر انتظام ملکی اور سپاہ کی آمد و رفت کے کام میں آتی ہیں اتنی تجارت کے کام میں نہیں آتیں۔ یہ عجیب اتفاق ہی کہ ساری دنیا میں دو سلطنتیں انگلستان اور فرانس زیادہ دولتمند ہیں اور وہی سب سے زیادہ قرضدار ہیں۔ ہر ایک سلطنت کو سات ارب کے قریب قرض دینا ہی۔ مگر اس سے زیادہ تعجب اور حیرت کا مقام یہ ہی کہ اُن کو سود سب سے کم دینا پڑتا ہی اور انگلستان کسی غیر ملک کا قرضدار نہیں اس لئے وہ خود ہی قرضدار ہی اور خود ہی قرض خواہ ہی اس یہ کہنا کہ وہ بالکل کسی کا قرضدار نہیں درست ہی جب اُس کی گورنمنٹ کو روپیہ کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے ملک کے مہاجنوں سے لے لیتی ہی۔ برخلاف اور ملکوں کے کہ جب ان کی گورنمنٹ لون جاری کرتی ہی تو گھر میں اتنی سکت نہیں رکھتی کہ قرض لے لے۔ بلکہ وہ انگلستان کو اپنا مہاجن

بناتی ہے اور تمسک لکھ دیتی ہے۔ بعض اوقات اُن تمسکوں کے روپیہ وصول کرنے میں اس مہاجن کو بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ انگلستان۔ فرانس۔ یونائیٹڈ اسٹیٹس میں یہ قدرت ہے کہ جس قدر چاہے اپنے قرض کو کم کر دے۔ نقشۂ ذیل کے اوّل خانہ میں کل قرض ہے اور دوسرے خانہ میں قرض ہے جو غیر ملکوں کا دینا ہے۔

نمبر	نام ملک	کل قرض	قرض جو غیر ملکوں کا دینا ہے
(۱)	رُوس	۲۹۶۰۹۶۰۰۰۰	۱۳۶۵۴۹۱۲۸۰
(۲)	ناروے	۱۷۶۶۰۰۰۰	×
(۳)	سویڈن	۶۶۸۱۰۰۰۰	۳۹۵۸۱۰۰۰۰
(۴)	ڈنمارک	۱۲۸۹۹۰۰۰۰	۱۸۰۴۰۰۰۰
(۵)	جرمنی	۱۴۰۴۰۴۰۰۰۰	×
(۶)	ہولنڈ	۷۹۶۷۸۰۰۰۰	صحیح معلوم نہیں
(۷)	بلجیم	۴۲۲۰۲۱۰۰۰	۲۷۲۷۰۰۰۰
(۸)	فرانس	۷۳۱۳۳۸۰۰۰۰	صحیح معلوم نہیں
(۹)	اسپین	۳۴۷۰۱۲۰۰۰۰	۱۶۵۵۰۶۳۰۰۰
(۱۰)	پرتگال	۷۷۶۶۸۰۰۰۰	۷۷۳۰۴۱۰۰
(۱۱)	سوئزرلینڈ	۱۱۰۴۰۰۰۰	×
(۱۲)	آسٹریا	۲۶۳۳۸۷۰۰۰۰	۱۹۹۴۲۰۱۳۲۰
(۱۳)	ہنگری	۵۰۳۲۶۹۰۰۰۰	۲۳۰۶۲۲۰۰۰
(۱۴)	اٹلی	۳۳۹۰۵۱۰۰۰۰	۳۳۸۰۵۸۲۰
(۱۵)	گریس	۱۷۰۱۵۰۰۰۰	۳۷۴۹۹۰۰۰
(۱۶)	یونائیٹڈ اسٹیٹس	۴۶۹۴۲۷۰۰۰۰	۳۳۸۵۷۶۸۰۳۰

تار برقی چونکہ انگلستان ایک جہان کا تاجر ہی تو اُس کو ضرور ہی کہ وہ تمام شائستہ ملکوں اور اپنے تمام ممالک ماتحت سے کوئی طریقہ ایسا نکالے کہ جس سے ہردم ترسّل اور تکلّم آسان ہو بغیر اس کے معاملات تجارت کا طے ہونا دشوار تھا- اس لئے اس نے سمندر میں تاروں کا طلسم بنایا جس کے طفیل سے وہ گھر بیٹھا ہوا ساری دنیا سے ہر روز باتیں اور سرگوشیاں کرتا ہی اور معاملات تجارت کو چکاتا ہی- اگر ان تاروں کے نقشہ کو دیکھو تو تم کو تعجب اور حیرت پیدا ہوگی کہ یہ کیونکر جال سمندر میں پھیلایا ہی- اور ساری دُنیا کو اُس میں پھنسایا ہی نیوزی لینڈ سے تار شروع ہوتا ہی اور وہ آسٹریلیا- ہندوستان- عدن- مالٹا- جبر الٹر- اسپین ہوتا ہوا انگلینڈ- اور آیرلینڈ میں پہنچتا ہی اور یہاں سے بحر اطلانٹک کے پار جاتا ہی- اور نیوفونڈ لینڈ کنیڈا کی راہ لیتا ہی- اس سے تمام ممالک محکومہ اور شائستہ ملکوں کے ساتھ تکلّم اور ترسّل آسان ہوتا ہی اور پھر اس کی شاخیں ہیں کہ جس سے تمام ممالک انگلشیہ اور شائستہ ملکوں میں کام چلتا ہی غرض یہ طلسم عجیب اور غریب ہی اس کا مالک اپنی ذات سے فقط **انگلستان** ہی ہی۔

خلاصہ جو کچھ ہم نے لکھا ہی اگر کوئی اُس پر غور کرے گا تو ناگزیر اُس کو یہ امر تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس سلطنت عظیم الشان کی یہ کیفیت ہو کہ اولاد اُس کی ساری دُنیا میں جا کر بسی ہو- اور اُس نے ایسے مختلف قطعات عالم میں **حکومت** پیدا کر کے ایک سلطنت قائم کی ہو- اور تجارت اس شان و شوکت کے ساتھ رکھتی ہو اُس سے یہ دولت کثیر پیدا کرتی ہو اور تجارت کے واسطے یہ سامان جہاز رانی اور تار برقی کے موجود اور مُہیّا ہوں معاون اُن دو چیزوں کی کہ انسان کے لئے سب سے زیادہ بکار آمد ہوں- اس کثرت اور افراط سے رکھتی ہو- پھر ان بیجان چیزوں سے وہ کروڑوں جانداروں کا کام لیتا جانتی ہو- اور ان سے ہناہی کا یہ کام لیتی ہو کہ کوئی گھر شائستہ ملکوں کا اُس کی بنائی ہوئی چیز سے خالی نہ ہو اُس کے ممالک کے محصولات اور خراجوں کی یہ آمدنی وافر ہو جس کے آدمیوں کی محنت شعاری و حسن اخلاق اور نیز لیاقت عام کا یہ حال ہو اُس سے بڑھ کر کونسی سلطنت زمانہ حال میں دُنیا کے

پردہ پر موجود ہے اور زمانہ قدیم میں کوئی بھی ایسی عظیم الشان سلطنت گذری ہی کہ اُس کے
سامنے آسکتی ہو۔ اُن میں تو ان چیزوں میں سے بعض چیزوں کا نام بھی نہ تھا۔ اُن سب
باتوں کے سبب سے دُنیا کی سلطنتوں میں انگلستان کو آج یہ عزت نصیب ہوئی ہی کہ کوئی سلطنت
کسی امر بزرگ پر مبادرت نہیں کرتی کہ پہلے اُس کو اپنی صلاح اور مشورہ میں شریک نہیں
کرلیتی۔ کوئی امر خطیر یورپ میں نہیں واقع ہوتا جس کے فیصلہ میں اُس کو دخل نہ ہو۔ جیسے کہ
ایک متنفس کو دولت اور حکومت اور علم کے حاصل ہونے سے اعزاز اپنے ہمسایہ کے آدمیوں
پر حاصل ہوتا ہی اور نامور ہوتا ہی اسی طور سے حضرت برطانیہ کی **ساری دنیا** میں آج
دھوم دھام ہو رہی ہی اور سارے ہمسایہ کی سلطنتیں اُس کی عزت اور توقیر کرتی ہیں۔ اور سر پر
بٹھاتی ہیں۔ اُس کی زبان کی طرف اپنا مُنہ کئے ہوئے ہیں اور انگریزی دانی کو اپنی شائستگی
کا ایک جزو سمجھتی ہیں پہلے ایک زمانہ **لیٹن** زبان کا گزرا ہی۔ اب اُس سے بڑھ کر انگریزی
زبان کا آیا ہی۔ اگر یہ ترقی کا زمانہ اِس کا سو برس تک اور رہے تو انگریزی بولنے والے
اور سمجھنے والے اتنے ہو جائیں گے جتنے کہ آدمی روئے زمین پر اب بستے ہیں۔ یہ زبان ایک **کنجی** سارے
علوم اور فنون اور زبانوں کی بن گئی ہی ؞

خاتمہ اِس بحث کو بعض آدمی پڑھ کر بڑبڑائیں گے کہ کیا سلطنت انگلشیہ کی شوکت
دولتمندی کو دکھا کر ثابت کی ہی۔ بھلا کہیں سلطنت کی شان دولتمندی سے معلوم ہوتی ہی ہاں
البتہ اس سے بنیاپن تو ظاہر ہوتا ہی مگر وہ اس بات کو نہیں جانتے ہیں کہ جب سے انسان نے شائستگی
اور تہذیب کے میدان میں قدم بڑھایا ہی۔ دولت ہی انسان کے واسطے شان و شکوہ اور عظمت و
سلطنت کے محل میں داخل ہونے کے لئے دروازہ ہی۔ امور سلطنت کے واقف کار دولت ہی کو سلطنت
کی جان جانتے ہیں اور فن سپاہ گری کے ماہر میدان جنگ میں دولت ہی کا قدم آگے بڑھا ہوا سمجھتے
ہیں اور آج کل کا وہ زمانہ نہیں کہ شان سلطنت اِس میں ہو کہ اپنے اغراض نفسانی کے لئے لاکھوں
کروڑوں بندگان خدا کا خون کریں اور اُن کی اولاد اور بہو بیٹیوں کو لونڈی غلام بنائیں۔

بکری کی طرح اُن کے بیچنے کے لئے بازار لگائیں اگر دشمن کو دولتمند دیکھیں تو حرص و طمع کر کے لوٹیں۔ اگر غریب جانیں تو اپنی عالی ہمتی جتانے کے لئے خون ریزی کریں۔ آباد سرزمینوں کو ویران کر کے کہیں کہ ہم نے وہاں امن و امان قائم کیا۔ جیسے کہ روس کر رہا ہے۔ اگر عقل ہو تو دیکھ لو کہ انگلستان کے دولتمند ثابت کرنے میں سلطنت کی کونسی شان و شکوہ ایسی ہے جو اُس کے لئے نہیں ثابت ہوئی بعض آدمی یہ بھی اعتراض کریں گے کہ اس ساری بحث میں اُنھیں سلطنتوں کے نام لکھے ہیں کہ جن میں لڑے اور ڈال بہت سی ہیں اور وہ ہمارے مُنہ سے بھی درست نہیں نکلتیں۔ کہیں ایشیا کی سلطنتوں کا ذکر نہیں ہے۔ نہ سلطنت ایران کا نام ہے۔ نہ ہمارے **امیر کابل** کا بیان ہے۔ اس کا جواب ہے کہ زندوں کو چھوڑ کر مُردوں سے کون بات کرتا ہے۔ یہی وہ غنیمت سمجھیں میں نے اِن سلطنتوں کا نام سر گز نہیں لیا۔ اور مقابلہ میں لاکر پردہ فاش نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے اُن کی ناک کے آگے ہاتھ رکھ کر دیکھ لیا ہے کہ سانس دھیما دھیما چلتا ہے۔ تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ **ناظرین** آپ اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ اگر سلطنت کو ایک آدمی قرار دو تو اُس کا سر انگلستان ہی کی **سلطنت** ہے اور پیر اُس کے ایشیا کی سلطنتیں ہیں۔ جو خاک میں مل رہی ہیں اور یورپ کی پابوسی کر رہے ہیں اور باقی سلطنتیں سر اور پا کے درمیانی اعضا ہیں یہی وہ سلطنت ہے جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اس میں آفتاب کبھی نہیں غروب ہوتا یا اسی مضمون کو یوں ادا کرو کہ یہ سلطنت کیا حیرت انگیز ہے کہ اس کے اندر ایک وقت میں سب وقت موجود ہیں کسی حصہ میں صبح کو آفتاب نکل رہا ہے کسی حصہ میں شام کو چھپ رہا ہے۔ چاند چمک رہا ہے آدھی رات کو ستاروں کا جلوہ آسمان پر ہو رہا ہے۔ یہ سب باتیں ہر وقت ایک ہی وقت میں موجود ہیں۔

تذکرہ عالی جناب حضرت علیا کوئین وکٹوریا دام اقبالہا

جس سلطنت کی یہ شان و عظمت اور جاہ و جلال ہو اُس کے شہنشاہ کی ذات عالی صفات کا مختصر حال سنانا بھی ضرور ہے اسلئے وہ لکھتے ہیں امور سلطنت کا کچھ اس میں بیان نہیں۔

ولادت باسعادت

۲۴-مئی ۱۸۱۹ء کو کنٹ کے ڈیوک اڈورڈ پسر چہارم جارج سوم شاہ انگلستان کے مشکوئے معلیٰ میں یہ بلند اقبال شاہزادی پیدا ہوئی۔ ابھی آٹھواں مہینہ لگا تھا کہ باپ کا آخر وقت آن پہنچا۔ اس حالت میں اس اپنے نہال زندگی کے نورس کو بلایا۔ اور یہ دعا مانگی کہ اگر بحسب بخت و اتفاق اس میرے لخت جگر کو تخت سلطنت پر جلوہ گر ہونا نصیب ہو تو اے میرے پروردگار اس کو یہ توفیق دیجیو کہ وہ تجھ سے ڈر ڈر کر اپنی رعایا کے حقوق اور سلطنت کے فرائض ادا کرے۔ اس وقت چار دعویدار سلطنت موجود تھے۔ کسی کا گمان بھی نہ تھا کہ وہ سب کے سب اس دنیا سے سدھار جائینگے اور اس دُرِیتیم کے سر پر افسر و دیہیم رکھا جائے گا۔

تعلیم نیک انجام

جب یہ پدر والاقدر اس دنیا سے گذر گیا تو اس فرخندہ اختر شاہزادی کی تعلیم و تربیت کا بار مادر بزرگوار کے سر آن پڑا۔ یہ ما بھی اُن کی مریم صفات بڑی خدا پرست حق شناس تھیں جب شاہزادی کی پانچویں سالگرہ ہوئی تو انھوں نے ایک نیک نہاد بزرگ منش پادری کو معلم مقرر کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس عفت مآب عصمت نقاب کی معلمہ ان کی والدہ ماجدہ ہی تھیں کہ اس تعلیم کا یہ نیک انجام ہوا کہ آغاز عمر سے دنیا کے عیش و عشرت کی طرف طبیعت کو رغبت نہ ہوئی۔ اور سارا وقت تحصیل علوم و فنون کی تکمیل میں صرف ہوا۔ ابھی بارہواں ہی سال تھا کہ لیاقت علمی کی یہ کیفیت تھی کہ فرانسیسی جرمنی زبان بے تکلف بولتی تھیں لیٹن زبان میں استعداد تھی۔ یونانی زبان کی تحصیل شروع تھی۔ علم حساب و موسیقی میں مہارت تھی۔ مصوری اور نقشہ کشی میں مشق تھی۔ انجیل مقدس کا وظیفہ ان سب کے ساتھ تھا۔ یہ اس ابتدا ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ خدا کی عبادت۔ نیک خوئی کی عادت طبیعت ثانیہ ہو گئی۔ بندگان خدا کی خیر اندیشی و نیک خواہی فیض رسان کاموں میں تندہی خو ہو گئی۔ انتظام خانہ داری نہایت سلیقہ مندی کے ساتھ سب کا ادب لحاظ پاس اخلاق کا برتاؤ حسن خوبی کے ساتھ۔

کفایت شعاری سخاوت و فیاضی کے ساتھ غریب محتاجوں کی اعانت عقلمندی کے ساتھ یہ ساری خوبیاں خصلت میں داخل ہوگئیں ابتدائے عمر ورزش جسمانی کا شوق تھا۔ گھوڑے پر چڑھنے کی کشتی سیکھنے کی مشق تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام قوائے جسمانی ابتک ماشاءاللہ صحیح و درست ہیں ✤

تخت سلطنت پر جلوہ افروزی

۱۸۳۷ء میں سانحہ دفعتہً پیش آیا کہ ولیم چہارم شاہ انگلستان نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ پچھلی رات تھی کہ آرچ بشپ کنٹربری اور لارڈ چیمبرلین تخت نشینی کی خبر لے کر در دولت پر حاضر ہوئے تھے۔ شاہزادی اپنی خوابگاہ میں آرام فرماتی تھیں کہ اُن کو بیدار کیا اور اس خبر کو سُنایا اس خبر کے سنتے ہی چہرہ اُداس ہوگیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ گھبرا کر کہا کہ بشپ صاحب میرے حق میں دعاء خیر کیجیے۔ ۲۱۔ جون ۱۸۳۷ء کو اولیاء دولت اور ارکان سلطنت نے شاہ ولیم کی وفات کا اور اس شاہزادی کے سر پر افسر شاہی کے رکھنے کا اشتہار دیا ۲۸۔ جون ۳۸ء کو ویسٹ منسٹر ابی کے بڑے گرجا میں اس بانوے ہودج عزت سے حلف سلطنت لیا گیا۔ وہ تاج بے بہا سر پر رکھا گیا کہ جس کی قیمت لاکھوں روپئے تھے۔ اور جو زر و جواہر کے بوجھ سے ایسا بوجھل تھا کہ سر مشکل سے تھوڑی دیر تک اس کا متحمل ہو سکتا تھا۔ اس وقت بھی اس نوجوان شاہزادی کے چہرۂ مبارک پر اشک فشانی شہادت دیتی تھی کہ کتنا فرائض سلطنت کے ادا کرنے کا خیال دل کو پریشان کر رہا ہے کہ سلطنت کے کاموں کو عدل و انصاف و رحم کے ساتھ سر انجام دینا ہنسی کھیل نہیں۔ دُنیا میں مخلوق کے آگے گنفی میں خالق کے روبرو اُس میں سرخرو ہونا بڑا مشکل ہے۔ پہلا ہی جلسہ مشیروں اور وزیروں کا تھا کہ اُس کے برخاست ہونے کے بعد وہ خلوت میں تن تنہا بیٹھیں اور بڑے عجز و نیاز کے ساتھ خدائے بے نیاز کے آگے دعائیں مانگتی رہیں کہ تو مجھ پر رحم اور کرم کر کہ میں اپنی سلطنت کے کاموں کا سر انجام عدالت اور رحمت کے ساتھ کروں۔ یہ اُن کی حال پر خدا کا بڑا افضل تھا کہ اس وقت پایۂ تخت کے گرد بڑے بڑے مشیر روشن ضمیر اور وزیر با تدبیر مجتمع تھے ✤

شادی مسرت افزا کا بیان

عالی جناب البرٹ سکس کوبرگ اور گوٹا کا شہزادہ تھا حضرت عالیہ ملکہ معظمہ کے ساتھ پہلے بھی رشتہ مندی رکھتا تھا۔ اس والا نژاد کی ذات میں وہ نیک صفات جمع تھیں کہ انسانوں میں کمتر ہوتی ہیں حسن سیرت پر حسن صورت کی افزایش نے اس کو آفتاب بنا دیا تھا۔ فرنگستان میں بہت سی شہزادیاں اُنکی تمنا رکھتی تھیں تم یہ نہ سمجھنا کہ کوئی شہزادہ امیرزادہ تھوڑا سا بھی خوب رو ہوتا ہی تو اس کی شہرت حسن بہت پھیل جاتی ہے۔ شاہزادیاں امیرزادیاں اُس پہ فریفتہ ہونے لگتی ہیں نہیں وہ واقعی ایسے حسین تھے کہ اگر کسی گنوار کے گھر میں وہ پیدا ہوتے تو شہزادیاں اُن کی صورت پر دل وجان سے عاشق زار ہوتیں وہ ملکہ معظمہ کے ہم سن تھے۔ کچھ دنوں ہم سبق بھی رہے تھے۔ اُن کی والدہ ماجدہ کے پاس کئی دفعہ انگلستان میں بھی آئے گئے تھے۔ یہ دونوں ذی شان والا دودمان آپس میں پیوند عقد کے آرزومند تھے۔ ۱۰۔ فروری سنہ ۱۸۴۰ء کو یہ آرزو اُن کی پوری ہوئی۔ بڑی دھوم دھام و تزک واحتشام سے یہ شادی ہوئی جس شادیانے گھر گھر بجے۔ رعایا نے خوشیاں کیں نائیں عیش و طرب کی محفلیں جمائیں دُولھا دُلھن کے سہاگ بھاگ کے گیت گائے اور دعائیں مانگیں۔ یہ انگلستان کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ جس کی ملکہ نیک خصال ملکی صفات ہو اُسی کا شوہر ایسا فرشتہ خصال ہو کہ جس کو رات دن رعایا کی دلنوازی کا خیال ہو کوئی تدبیر رعایا کی صلاح اور فلاح کی پیش نہ ہو جس میں وہ سرگرم ہو کر پیش قدم نہ ہو۔ غلاموں کے آزاد کرنے میں مظلوموں کی دادرسی میں کوئی دقیقہ اپنی سعی و کوشش میں نہیں اُٹھا رکھا غریبوں کے مکان کی وہ وضع قطع اختراع کی کہ جس میں وہ بآرام صحت سے رہیں بلوریں محل میں وہ نمایش گاہ ایجاد کی کہ جس سے ایک عالم کو نفع پہنچے۔ ان دونو میاں بیوی میں وہ پیار و اخلاص تھا کہ ایک جان دو قالب معلوم ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کے عاشق صادق تھے۔ دونو بے تکلف پیادہ پا باغوں اور سبزہ زاروں میں گل گشت کرتے تھے۔ راہ میں غریب غربا پر طرح طرح کی مہربانیاں فرماتے تھے

سکوٹ لنڈ میں جب اپنی خاص نو خرید جاگیر **بال مورین** جاتے تھے تو وہاں بغیر شاہانہ تزک کے بے تکلف رہتے تھے۔ اِدھر شاہزادہ صید افگنی کے لئے روانہ ہوا۔ اُدھر ملکہ معظمہ بہ نفس نفیس غریب رعایا کے گھروں میں تشریف لے گئیں اُنکے سارے دُکھ درد کی خبریں سُنتیں بوڑھوں مفلس عورتوں سے باہم کلام ہوتیں اُن کو انعام اکرام دیتیں۔ اُنکی دعائیں لیتیں بیماروں کی عیادت غمزدوں کی تعزیت محتاجوں کی اعانت فرمائیں غرض حسن اخلاق ان دونوں پر ختم تھا۔ دونوں کی معاشرت وہ مسرت کے ساتھ ہوتی تھی کہ مشکل سے اُس کی نظیر کسی اور خاندان شاہی میں ملیگی

اولاد نیک نہاد

۲۱ نومبر ۱۸۴۰ء کو بانوئے مجلۂ دولت کے ہاں ایک شاہزادی پیدا ہوئی جو اب شہنشاہ جرمن کی والدہ ہیں۔ ۱۸۴۱ء میں شہزادہ **البرٹ اڈورڈ** وارث تخت انگلنڈ کا مولود مسعود ہوا۔ اس کا **پرنس آف ویلز** خطاب ہوا اور اُسکی خوشی میں بہت سے مجرم عفو جرم سے دلشاد اور بہت سے قیدی بندی سے آزاد ہوئے۔ یہ دولت اولاد سال بسال بڑھتی گئی۔ پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے ہوئے۔ ان نونہالوں کے پھولنے پھلنے سے گھر ایسا گلزار بن گیا کہ جس کے دیکھنے سے ماں باپوں کا دل باغ باغ ہوتا تھا۔ اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی والدین کو بڑا خیال تھا۔ تعلیم کے باب میں جناب ملکہ معظمہ کا یہ اصول ہے کہ بچوں کی تعلیم ایسی ہو کہ خدا کی عظمت اور مذہب کی عزت اُنکے دل پر منقش ہو۔ مگر وہ باتیں جن سے مذہبی جھگڑے کے تخالف کے سبب سے کھڑے ہوتے ہیں بالکل دور رہیں۔ اس اصول سے بہتر کوئی اصول تعلیم کے لئے نہیں ہو سکتا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے+

صدمات جانکاہ

زمانہ کب کسی کو چین لینے دیتا ہے۔ انقلابات اور حوادثات کا پیش آنا ہر شخص کے لئے لابدی اور ضروری ہے خواہ وہ بادشاہ ہو یا گدا ہو۔ رنج اور خوشی کا حال سب انسانوں کے واسطے یکساں ہے شعر حسن دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم٭ خندۂ گل نہ رہے گریۂ شبنم سے دور٭

سنہ ۱۸۶۱ء کا سال ایسا نامبارک آیا کہ تاریخ مین مادر مہربان نے اس جہان سے کوچ کیا۔ ۱۴۔ دسمبر کو
داغ بیوگی نصیب ہوا۔ اس پر چند سال گذرے تھے کہ ایک دختر نے اس دُنیا سے سفر کیا۔ پھر
سب سے چھوٹے فرزند **ڈیوک البنی** کو ناگہانی موت آئی

شعر

نوجواں بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے
زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے

غرض حضرت عالیہ کے باغ میں سے پھول جھڑتے گئے اور دل و جگر میں داغ پہ داغ پڑتے
گئے۔ ابھی ایک زخم پر سے مرہم اُترنے نہ پاتا تھا کہ دوسرے صدمہ کا نمک اس پر چھڑکا جاتا تھا۔
یہ وہ صدمے ہیں کہ اگر آدمی کا دل پتھر کا ہو تو بھی پگھل جائے۔ اگر کوئی جناب عالیہ کی تصنیفات
کو پڑھے تو معلوم ہو کہ شوہر کے مرنے کا صدمہ وہ ان کا جاں کاہ و سوہان روح ہوا ہے کہ
کم بخت بیوہ وکٹوریا اُنھوں نے اپنا لقب مدت تک رکھا۔ یہ رنج کیوں نہ ہو۔ اُن کی بہار زندگی کا
سہرا خاوند کے سر پر تھا جب وہ اُتر گیا تو لطف زندگی کیا باقی رہا۔ گھر کی وہ رونق اُٹھ گئی
جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اولاد کا مرنا وہ صدمہ ہے کہ خدا کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔
جب مادر و پدر کی نظر کے آگے سے دختر و پسر اُٹھ جائیں تو ہفت اقلیم کی سلطنت بھی مٹی ہے۔
اگر ایسے رنجوں میں شوہر زندہ ہوتا تو وہ شریک درد ہوتا۔ غم بٹاتا۔ غمگسار ہوتا۔ دل بہلاتا
رنج و الم کم ہوتا۔ اگر پانچوں بیٹیاں اور چاروں بیٹے جو بیس برس کے مبارک پیوند کے ثمر
تھے سب زندہ سلامت رہتے تو خاوند کے رنج و قلق کی تلافی کرتے۔ مگر ان دو نو صدمات نے مل کر
جناب عالیہ کے جسم مبارک کو پژمردہ اور دل کو افسردہ کر دیا۔ مگر اس شکستہ دلی کی حالت میں
بھی وہ غربا پروری سے شگفتہ دل رہتی ہیں ــ وہی قدیمی شیوہ رعایا کی دلداری اور غربا
کی دلنوازی کا چلا جاتا ہے۔

عنایات خسروانہ جو ہمارے حال پر خاص فرمائیں

عنایت خسروانہ اور مرحمت شاہانہ سے سنہ ۱۸۶۹ء میں شاہزادہ **الفرڈ ڈیوک ایڈنبرا**
کو اور سنہ ۱۸۷۶ء میں عالی جناب شاہزادہ **ویلز** ولیعہد سلطنت ہند و انگلینڈ کو ہندوستان

میں بھیجا کہ وہ یہاں کی بیکس رعایا پر مہربانی اور نوازش کریں۔ یہاں بھی سب ادنیٰ اعلیٰ نے اپنی خلوص اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا کہ جس سے اہل ہند کا نیک خواہ اور خیر خواہ ہونا سلطنت انگلشیہ کا ثابت ہوا تو ۱۸۵۸ء میں پہلی مرحمت شاہانہ پر اس مکرمت خسروانہ کا اور اور اضافہ ہوا کہ اپنے خطاب میں وہ الفاظ بڑھائے کہ جس سے جہان میں یہ اعلان ہو جائے کہ جناب عالیہ کو اپنی رعایا ہند کی بہبود و فلاح کی طرف ایک التفات توجہ خاص ہے اور کشور ہند کی سلطنت کی قدر و وقعت نظر میں ہے۔ اور تمام والیان بااختیار اور مرزبانان بااقتدار رائت قیصری کے ظل حمایت میں ہیں اس خطاب کے واسطے جو جلسہ دربار قیصری دہلی میں ہوا۔ اس کی دو چار باتیں بیان کرتے ہیں اور حضور وایسرائے کی تقریر دلپذیر لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ یہ خطاب کیوں اختیار کیا گیا۔ وہ کن واقعات عظمیٰ کا نتیجہ تھا۔ اور آیندہ اس کا کیا ثمر مرتب ہوگا؂

جشن قیصری و جشنگاہ دہلی

۲۸۔ اپریل ۱۸۷۶ء کو انگلستان کی پارلیمنٹ سے اکٹ پاس ہوا کہ عالی جناب ملکہ ملکی صفات نے خطاب وکٹوریا بالفضل ملکہ سلطنت متحدہ برطانیہ کلاں و ایرلنڈ کی ملکہ حامیہ دین عیسائی پر لقب قیصر ہند کا اور اضافہ فرمایا جب یہ ایکٹ گورنمنٹ گزٹ انڈیا میں مشتہر ہوا۔ اور عالی جناب وائسرائے نے دربار عام کا حکم زمرہ انام کو دیا اور رؤسائے حکمران و امرائے والا دودمان اور شرفاء عالی خاندان اور غیر ملکوں کے سفیروں اور وکلا اور منتظموں کو دعوت کا پیغام بھیجا کہ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو وہ دہلی میں اس مبارک جشن میں شریک ہوں۔ تو اس مژدہ جاں نواز کا غلغلہ ہند و سند میں پھیل گیا؂ **شعر؂**

وفور شوق سے ہر ایک خوش ہو کر یہ کہتا ہے ۔ جہاں میں دھوم ہے ملکہ کے شاہنشاہ ہونے کی

اس جشن ہمایوں کی ہر ایک بات موزوں تھی۔ موسم تھا تو سرما کا جس میں اس جشن کے سامان سلطنت بڑے مزے سے اہل انجمن نے اٹھائے۔ مقام تھا تو شہر دہلی مشہور روزگار۔

جس کو یہ شہر کے زمانہ سے شہنشاہوں کے پایہ تخت ہونے کا فخر چلا آتا ہے ہمیشہ وہ مرکز سلطنت اور صدر مملکت و مرجع خلائق رہا ہے۔ اگر گوش عبرت سے انسان سنے تو اُس کے اب تک ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اپنے سنسان خاموشی میں یہ پکار رہے ہیں۔ شعر

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ ✤ آثار پدید است صنادید عجم را

یہ بات اسی شہر کے ساتھ مخصوص ہے کہ بگڑ بگڑ کر اور بار بار برباد ہو کر ایسا سنور اور آباد ہو جائے کہ پہلی آبادی کو بھلا دے۔ ابھی ۱۸۵۷ء میں اس پر سخت آفت آئی تھی مگر ۱۸۷۷ء میں اس شہر کی لطافت اور اس شہر کی نفاست اور مکانوں کی زیبائش اور دکانوں کی آرائش وہ ہے جو اجنبی مسافر آتے ہیں وہ یہ شعر پڑھتے ہیں اور مبالغہ نہیں سمجھتے شعر

شہر نزہت سرشت میں پہنچے ✤ جیتے جی ہم بہشت میں پہنچے

دسمبر کے مہینے میں تھوڑے دنوں میں اس شہر کے باہر خیموں کا شہر آباد ہو گیا۔ ہر ایک خیمہ گاہ ایک محلہ تھا۔ جہاں چند روز پہلے خاک اُڑتی تھی وہاں کی مٹی ایسی شگفتہ ہو گئی کہ چمن پر خندہ زنی کرتی تھی۔ جس جگہ ڈھور ڈنگر چرتے تھے وہاں آدمیوں کے بن لگ رہے تھے۔ انگریزی خیموں پر ایک سادگی برستی تھی مگر اُن کے اندر ایسے خوب صورت حکمت و صنعت سے آتش خانے بنے ہوئے اور باہر باغ خوش نما ایسے لگے ہوئے تھے کہ رات دن راحت اور آرام پہنچاتے تھے۔ ہندوستانی خیمے نیلے سرخ رنگ برنگ کے بلند استادہ تھے۔ ان میں اندر اور باہر وہ سب ساز و سامان طرب مہیا تھا جو کسی بڑے تہوار یا شادی بیاہ کی تقریبوں میں ہوتا ہے۔ ان خیمہ گاہوں میں پھولوں کی وہ کثرت تھی۔ کہ سہارنپور۔ آگرہ۔ الہ آباد میں کوئی پژمردہ ہی پھول ایسا ہو گا جو یہاں کے چمنوں کی سیر کرنے نہ آیا ہو گا +

گورنمنٹ کی طرف سے تاکید پر تاکید ہوتی تھی کہ یہ ہندوستانی رئیس تکلفات میں روپیہ کا اسراف نہ کریں اور زیادہ بھیڑ بھاڑ اپنے ساتھ نہ لائیں + بھلا ہندوستانی رئیس کب ایسی سنتے تھے کہ وہ اس عالیشان جشن میں روپیہ کا منہ کر کے ہمیشہ کو کلنک کا ٹیکا ماتھے پر لگاتے۔ ہر

ہر فرمانروا کو یہ شوق دامنگیر تھا کہ اپنی حسن عقیدت وخلوص ارادت جناب ملکہ معظمہ کے ساتھ جتلاوے کہ اس جشن ہمایوں میں وہ شاہانہ شان وشکوہ کروفر دکھاؤں کہ جس سے معلوم ہو کہ مجھ جیسے بادشاہوں کی بادشاہ یعنی شہنشاہ ملکہ معظمہ ہیں۔ ان خیمہ گاہوں کا مقام عجیب انقلاب روزگار کا تماشا دکھا رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء میں جو گورے کالوں کے باہم رزم گاہ تھی وہ ۱۸۷۷ء میں انھیں کی بزم گاہ تھی شہنشاہ ہندوستان نے دونو کو چشم اتحاد سے ایسا دکھایا کہ وہ دونو ہمسر برابر کے دوست معلوم ہونے لگے جن ہاتھوں سے گولی بندوق ایک دوسرے پر چلاتے تھے وہ اب مصافحے کرنے لگے یہ اس موانست ہی کا اثر تھا کہ تمام مشرقی تکلفات کہنہ پر انگریزی وارنش وملمع تازہ چڑھا ہوا تھا شہر کے باہر تو یہ خیمہ گاہوں میں سیر تھے۔ اندر اور ہی چہل پہل گھما گھمی ہو رہی تھی۔ چاندنی چوک کا بازار جو شہرہ آفاق ہے ایک گلزار بن رہا تھا۔ اُس کی سڑکوں پر برابر فرماں روایوں کی سواریاں دوڑتی تھیں سیکڑوں طرح کے آدمی رنگارنگ صورتوں کے اپنے اپنے پرتکلف لباس میں پڑے پھرتے تھے۔ شہر کی سیر سے ان کا دل سیر نہیں ہوتا تھا۔

کھیل تماشوں ناچ رنگ کی محفلوں۔ ورزشی اور کرتب کے اکھاڑوں کی وہ کثرت تھی کہ اگر دو دو سطریں بھی اُن کے حال میں لکھی جائیں تو ایک طومار کا طومار ہو جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عیش وطرب کا وہ ساز وسامان تھا کہ جو ہندوستان میں نہ کبھی کسی نے دیکھا نہ سنا۔ فقط یہ نوید جشن اہل جشن ہی کے لئے نہ تھی بلکہ اُن بیچارے قیدیوں کے لیے بھی تھی جن کے پیر بیڑیوں میں جکڑے اور کڑوں میں اٹکے ہوئے تھے۔ اُن کی زنجیروں کی ٹوٹنے کی جھنکار کی آواز ہزار نغموں اور زمزموں سے زیادہ اُن کے دل کو خوش کرتی تھی۔ وہ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔

دیوانی کے قیدی بھی قرض کے بوجھ سے نکلے ہوئے کل قیدی ۱۵۹۸۸ رہا ہوئے +

۲۲- دسمبر ۱۸۷۶ء کو ہفتہ کے سہ پہر کے وقت رکن رکین سلطنت جبل متین مملکت عالی جناب نواب معلی القاب ویسرائے کشور ہند کی سواری نکلی صبح سے اس سواری کی آمد آمد کی آوازوں سے سارا شہر گونج رہا تھا۔ ہر لشکر میں اس کا شور وغل مچ رہا تھا۔ کہ دفعتہ دو بجے دوپہر کے توپوں کی سلامی نے خبر دی کہ

حضور والیسرائے شہر میں ریل کے اسٹیشن پر رونق افروز ہوئے۔ ترسٹھ فرمانروایان ملک وہاں
استقبال کے لئے حاضر تھے۔ سواری اترتے ہی زبان فیض ترجمان سے یہ ارشاد ہوا کہ مجھے
کمال مسرت و خوشی ہوئی کہ آپ سب صاحب ہند کے کل علاقوں سے اس رسم ہمایوں کے
شریک ہونے کے لئے جمع ہوئے ہیں جس سے امید کی جاتی ہے کہ حضرت ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ
اور اس گورنمنٹ کے بڑے بڑے دوستوں اور ماتحت رئیسوں کے درمیان بنائے
وداد و اتحاد زیادہ تر مستحکم و قائم ہو جس دلی محبت سے آپ سب صاحبوں نے میری دعوت
قبول کی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جیسا آج اس کارروائی
کا آغاز مبارک ہوا ہے ایسا ہی اس کا اختتام بھی نیک انجام ہوگا۔ سب صاحب میری
دلی خیر مقدم کو قبول فرمائیں۔ پھر رؤسا سے مصافحہ کیا اور مزاج پرسی کی۔ سواری کی
ترتیب درست کی گئی۔ پہلے سے سواری کی گذرگاہ پر انگریزی اور ہندوستانی رؤساء کی
سپاہ صف بصف ایستادہ تھی۔ فوج کیا تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ سمندر موجیں مار رہا ہے
سواروں کے پرے کے پرے اس میں نہنگوں کی طرح شناوری کر رہے ہیں۔ افسران
انگریزی کے سر پر شہپر اور پاؤں میں سیاہ موزے سفید بدن پر سرخ سیاہ لباس وہ حسن
دکھاتے تھے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ہاتھیوں کی طویل قطاریں جابجا قرینے سے کھڑی
تھیں سنہری روپہلی زردوزی کی جھولیں جگمگا رہی تھیں سونے چاندی اور گنگا جمنی کے
ہودے انباریاں بیگ ڈمبریاں اپنی منبت کاری اور گلکاری کی بہار دکھا رہی تھیں۔ ان پر
نقاشی گوناگوں اور نقش و نگار بوقلموں سورماؤں کی تصویریں شیر اژدہے اور اور
قوی جانوروں کی مورتیں بنی ہوئی تھیں سب سے زیادہ جنگی ہاتھیوں کی قطار پر بہار تھی
ان کے اوپر سورما شیر سیرت رستم صولت سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق بیٹھے ہوئے
تھے سیکڑوں گھوڑے کوتل مرصع زینوں کے اور زرق برق ساز کے کودتے چلے
جاتے تھے ہزاروں ساز بانگ طرب بلند کرنے میں ہم آواز تھے۔ نوبت کی ملائم ملائم

انگریزی شہنائیوں کی سہانی دُھنیں اپنا سماں دکھا رہی تھیں ڈھولسنوں کی دھوں دھوں
انگریزی باجوں کی گتیں اور ہی لطف دے رہی تھیں۔ اس سواری کے دیکھنے کا لوگوں کو ایسا
شوق تھا کہ چھوٹا بڑا۔ لنگڑا۔ لولا گھر سے باہر نکل پڑا۔ کوئی جگہ ایسی نہ تھی کہ جہاں سے یہ سواری
نظر آتی ہوں وہاں آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ ایسے نہ لگے ہوں کہ جن پر تھالی نہ پھرتی ہو چھتیں اور
کھڑکیوں پر تو عورتوں اور مردوں کے رنگ برنگ کے لباسوں سے ایک چمن کھلا ہوا تھا۔ جامع مسجد کی
سیڑھیوں پر اہل جاہ و صاحب ثروت بیٹھے تھے۔ اُن کے سروں پر رنگ برنگ کی دستاریں اور
بدن پر بوقلموں قبائیں اور لباس رنگا رنگ یہ بہار دکھاتے تھے کہ دریا میں رنگ برنگ کی لہریں
اُٹھ رہی ہیں اور بجلی اُن کے اندر چمک رہی ہے۔ غرض سواری کی شان و شکوہ سے رستوں کا یہ رنگ
ہوگیا تھا جیسا کہ بہار کی ہوا سے چمن کا رنگ ہوتا ہے۔ گورے کی سپاہ جو جلو میں تھی اُس کی عظمت و
ہیبت وہ دلوں پر اثر کرتی تھی کہ عاقل دل میں کہتے تھے کہ خدا اس جوانمرد قوم کو سلطنت نہ دیتا
تو کس قوم کو دیتا کون اُس کے آگے فرمانروائی کا مستحق تھا۔ یہ سواری آہستہ آہستہ چل کر دن ڈھلے
میں خیمہ گاہ پر پہنچی۔ ہر قدم پر ہزاروں سر سلام کے لئے جھکتے تھے اُدھر حضور والیسرائے کا ہاتھ
سر پر اُٹھتا تھا۔ پھر کئی روز تک اور جلسے ہوتے رہے۔ والیسرائے کی رئیسوں اور غیر علاقوں کے
امیروں سے ملاقاتیں اور دربار دید ہوتی رہیں۔ ان دنوں میں توپوں کے دہن نے دھوئیں کا سائبان
آسمان پر لگا دیا تھا سلامی کی اتنی توپیں چلتی تھیں کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ یہ معلوم
ہوتا تھا کہ توپچیوں کو حکم دیدیا گیا ہے کہ تین چار روز تک برابر توپیں چلائے جائیں۔ والیان ملک خود
سمجھ لیں گے کہ ہماری سلامی کی توپیں کتنی چلیں علم جو حضرت قیصر ہند کی طرف سے والیان ریاست کو عطا ہوئے
تھے وہ حضور والیسرائے نے ملاقات کے وقت یوں عطا کئے کہ تخت سے نیچے اُتر کر اُس علم کو دیتے اور
زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے کہ یہ نشان جس پر آپ کے خاندان کا تمغا کڑھا ہوا جگمگا رہا ہے
خاص اعلیٰ حضرت ملکہ معظمہ کی طرف سے خطاب قیصر ہند کے اختیار کرنے کی یادگار میں آپ کو عطا
کیا جاتا ہے حضور ممدوحہ کو امید ہے کہ جب کبھی یہ نشان کھولا جائے گا تو تخت انگلستان اور آپ کے

کی راسخ العقیدت اور شاہی خاندان میں جو رابطہ اتحاد ہے صرف وہی آپ کو یاد نہیں آئیگا۔ بلکہ یہ بات بھی یاد آئیگی کہ دولت عظمائے انگلشیہ کی عین تمنا ہے کہ آپ کا خاندان ہمیشہ طاقتور اور اقبال مند اور قائم رہے ۔

اس تقریر پُر تاثیر کے بعد سونے کا تمغا رئیس کے زیب گلو کرتے اور یوں ارشاد فرماتے ہیں اعلیٰ حضرت ملکہ معظمہ قیصر ہند کے ارشاد سے یہ تمغا بھی آپ کے زیب گلو کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس تاریخ سعید کی یادگار میں جو اس پر منقوش ہے مدت تک آپ کو اس کا پہننا نصیب ہو اور سالہا دراز تک ارثاً آپ کے خاندان میں رہے ۔

دہلی سے چار میل کے فاصلہ پر تین عمارتیں عالی شان بنائی گئی تھیں۔ اول وائسرائے کی تخت گاہ دوسرے طبقات انگلشی کے اعلیٰ اہلکاران ہند و حکام دیوان بحری و بری و ملکی اور والیان ریاست کے واسطے ہلالی چبوترہ۔ سوم ریاستہائے غیر کے سفیروں اور وکیلوں اور معزز تماشائیوں کی نشست کا چبوترہ۔ نہایت تکلف سے اُن کی آرائش اور زیبائش کی گئی تھی۔ اب یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو بہار سلطنت کا نوروز آیا جس میں اس نئے خطاب شہنشاہی اور تازہ لقب قیصری کا اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد دوسری عمارت میں والیان ریاست آن کر بیٹھنے شروع ہوئے۔ شاید دنیا میں کبھی ایسا ہوا ہو کہ ایک تخت شاہی کے سامنے ایک ہلالی حلقہ میں ایسے مختلف خاندانوں کے ترسٹھ فرمانروایان حلقہ بگوشی کے لئے جمع ہوئے ہوں حضرت سلیمان کے تخت کے گرد پریوں کا کھڑا ہونا ایسا تعجب خیز نہیں تھا جیسا کہ اس ہلال میں ان عالی نسب راجاؤں کا جلوہ گر ہونا حیرت انگیز تھا جو اپنے سلسلہ خاندان کو مہر و ماہ سے ملاتے ہیں۔ اودے پور۔ جے پور۔ جودھپور کے راجہ مہاراجہ اپنے تئیں راجہ رامچند کی اولاد بتلاتے ہیں اور سورج بنسی کہتے ہیں مہاراجہ قرولی اپنے تئیں چندر بنسی کہتے ہیں۔ ان خاندانوں کی امارت کا درخت کیا مستحکم تھا کہ حوادث روزگار کی صرصر ان کو جگہ سے نہ ہلا سکی۔ اب تک اُس کی شاخیں تر و تازہ اور پتے ہرے چلے جاتے ہیں۔ اکثر ایسے والیان ملک تھے کہ جن کے باپ دادا کے اقبال کا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے عروج کا ایک ہی زمانہ تھا۔ مدتوں تک سرکار

عالی وقار کی اُن کے بزرگوں کے ساتھ آمیزش اور آویزش رہی اور آخر کو سب نے مغلوب ہو کر سرکار عالی کا غاشیہ اطاعت دوش پر رکھا۔ دوپہر کے وقت شاہی نقیبوں کی ترہیوں نے حضور والیسرائے کی سواری کی آمد کا مژدہ سُنایا۔ استنے میں افرازندہ لوائے تاجداری فروزندہ گوہر بختیاری اعتقاد سلطنت حضرت سلطانیہ نائب دولت برطانیہ جناب معلی القاب **لارڈ لٹن** تخت شاہی پر صدر نشین ہوئے۔ ان کی پیشگاہ میں اہل جاہ کی جمع کثیر یہ معلوم ہوتی تھی کہ ستاروں کا ہالہ ماہ کے گرد پڑا ہے نقیب اعلی نے خطاب قیصری کا اشتہار پڑھا + بعد اس کے ایک سو ایک توپوں کی سلامی ہوئی اور عالی جناب والیسرائے نے یہ سپیچ فرمائی جس کو سب نے ادب سے گوش لگا کر اور سر نیاز جھکا کر سُنا +

تقریر دلپذیر عالی جناب معلی القاب لارڈ لٹن صاحب بہادر والیسرائے و گورنر جنرل ہند

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو اعلی حضرت ملکہ معظمہ کے حضور سے ایک اشتہار جاری ہوا تھا جس میں ہند کے رئیسوں اور رعیت کی نسبت حضرت ممدوحہ کی طرف سے ایسے شاہانہ الطاف اور خسروانہ عنایات کے اقرار درج تھے جنھیں وہ لوگ اپنے حق میں آج تک سند بے بہا سمجھتے ہیں +

حضرت ملکہ معظمہ کی طرف سے جن کے وعدے کو کبھی لغزش نہیں ہوئی۔ اُس وقت جو جو اقرار ہوئے تھے ہماری زبان سے اُن کے اظہار ایفا کی کچھ حاجت نہیں ان اٹھارہ برس کی رونق و سرسبزی روز افزوں خود اُن کا ایک ثبوت صریح ہے اور یہ جلسہ عظمی اُن کی تکمیل کی دلیل روشن ہے اس سلطنت کے رؤسا اور رعایا جو اپنے اپنے موروثی اعزاز پر بے مزاحمت برقرار اور اپنے اپنے مصالح واجبی کی پیروی میں محفوظ رہے ہیں اُن کے لئے زمانہ گذشتہ کی یہ سخاوت و معدلت آیندہ کے واسطے پوری کفیل ہے +

حضرت ملکہ معظمہ نے جو خطاب قیصر ہند اختیار فرمایا ہے اُس کے اعلان کے لئے آج ہم لوگ جمع ہوئے

ہیں اور مجھ کو اس ملک میں حضرت ممدوحہ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے لازم ہے کہ اُن کے کریمانہ الطاف کو جن کے باعث حضرت ممدوحہ نے القاب و منصب رونق کے اوپر یہ لقب اضافہ فرمایا ہے بیان کردوں*

حضرت ممدوحہ اپنے تمام ممالک محروسہ میں سے جو دنیا کے ساتویں حصہ پر مشتمل ہیں اور جن میں تیس کروڑ آدمی رہتے ہیں کسی ملک پر اس عظیم و قدیم سلطنت سے زیادہ توجہ نہیں رکھتیں* یوں تو ہمیشہ اور ہر جگہ لائق و کارگزار عہدہ دار سلاطین انگلشیہ کی سرکار میں ہوتے رہے ہیں لیکن جن کی دانائی اور شجاعت سے ہند کی سلطنت دولت انگلشیہ کے قبضۂ اقتدار میں آئی۔ اور قائم رہی۔ اُن سے زیادہ نامور کبھی نہیں ہوئے۔ اس کارنمایاں میں جس میں حضرت ملکہ معظمہ کی کل انگریزی اور دیسی رعایا شائستہ طور سے متفق رہی ہے۔ اُس طبقے کے عظیم الشان رئیس جن کے ساتھ ملکہ معظمہ کا اتحاد ہے۔ یا جو ان کی سلطنت کے تابع ہیں وہ بھی از راہ ہوا خواہی معین و مددگار ہوئے ہیں اُن کی سپاہ جنگ کی سختیوں اور فتح کی خوشیوں میں حضرت ممدوحہ کی افواج کے ساتھ شریک رہی ہے۔ اُن کی وفاداری اور دانائی وامن و امان کے فوائد قائم رکھنے اور اُس کے شائع کرنے میں دولت انگلشیہ کی معاون ہوئی ہے۔ اور آج حضرت ممدوحہ کے خطاب قیصری اختیار فرمانے کا روز سعید ہے۔ ان کا شریک ہونا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ ان کو حضرت موصوفہ کی حکومت فیض رسان پر پورا اعتماد ہے۔ اور اس سلطنت کے استحکام میں ان کا فائدہ ہے۔

حضرت ممدوحہ اُس سلطنت کو جو اُن کے بزرگوں سے حاصل اور اُن کی ذات مقدس سے استحکام پذیر ہوئی ہے۔ ارث جلیل سمجھتی ہیں اور اس قابل جانتی ہیں۔ کہ یہ ہمیشہ برقرار رہے اور جوں کا توں اُن کی اولاد کو پہنچے۔ اور اسے اپنے قبضۂ اقتدار میں رکھنے سے اپنے اوپر یہ عین فرض جانتی ہیں کہ اس ملک میں اس طرح حکمرانی فرمائیں کہ یہاں کی رعایا کی رفاہ اور بہبود اور رؤسائے تابعین کے حقوق بڑی احتیاط کے ساتھ ملحوظ و مدنظر رہیں اس لیے حضرت ممدوحہ کو منظور ہے کہ اپنے القاب پر ایک ورلقب بڑھائیں جو آیندہ سب وساء اور رعایا کے

ہند کے واسطے ہمیشہ اس بات کی علامت رہے۔ کہ طرفین کی مصلحتیں واحد ہیں اور اس دولت عظمی
کی ہوا خواہی پر واجب۔

جن خاندانوں کی بجائے ہند میں بہتر طرز حکومت قائم کرنے کے لئے خداوند کریم نے
دولت برطانیہ کو مقتدر فرمایا۔ اُن کا سلسلہ سلاطین عظام اور ملوک نیک نام سے خالی نہ تھا
لیکن اُن کے جانشین اپنی بے تدبیری سے سلطنت میں امن و امان قائم نہ رکھ سکے۔ فتنہ و
فساد نے سلطنت ہند میں مرض کہنہ کی طرح جڑ پکڑی۔ اور بدعملی کا دورہ رہنے لگا۔ کمزور
زور آوروں کے شکار۔ اور زبردست اپنی ہوا و ہوس کے پھندے میں گرفتار رہے۔ غرض
اس طرح خاندان عالی شان تیموریہ خوں ریزی کے متواتر سیلابوں سے کٹ کٹ کر۔ اور
اندرونی خصومتوں کے زلزلوں سے ہل ہل کر آخر کو بیٹھ گیا۔ اور بیٹھنا ہی تھا۔ کہ ممالک مشرقی
کی ترقی کا حامی نہ رہا۔

اب بہ حمایت قوانین جن میں کسی ملت و مذہب کا فرق نہیں ہے۔ رعایائے حضرت ممدوحہ
میں سے ہر ایک متنفس امن و امان کے ساتھ گذران کر سکتا ہے۔ اور ہر شخص کو سرکار کی بے تعصبی
کے باعث اس بات کی اجازت ہے۔ کہ بلا تعرض اپنے اپنے مذہب کے احکام و رسوم کو ادا
کرے۔ قیصری اقتدار کا سشہ زور ہاتھ جو دراز کیا جاتا ہے وہ کسی کے برباد کرنے اور دبانے کے
لئے نہیں ہے۔ بلکہ حمایت اور ہدایت کے واسطے ہے۔ اور سرکار کے حسن انتظام کا نتیجہ کل ملک کی ترقی
اور صوبوں کی سرسبزی روز افزوں سے ہر جگہ ظاہر و باہر ہے۔

ای اہل برطانیہ کے منتظمو اور ای وفادار افسرو

یہ فیض اثر نتیجے اکثر آپ ہی صاحبوں کی متواتر کوششوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ پس اس
سبب سے میں سب سے پہلے آپ ہی لوگوں پر حضرت ممدوحہ کی طرف سے اُن کی رضامندی اور
اعتماد ظاہر کرتا ہوں جتنے معزز افسر آپ سے پہلے گذرے ہیں اور جس استقلال سے اس سلطنت
عظمی کے فائدے کے لئے اُنھوں نے محنتیں اُٹھائی ہیں اور اس امر میں جیسی ہمت مستمرہ و حسن صداقت اور

جانفشانی کو کام فرمایا ہے اُس کی نظیر تواریخ میں نظر نہیں آتی۔ آپ بھی اُن سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے۔ ناموری کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے نہیں ہیں لیکن نیکوکاری کا موقع اُس کے طالب کو ہمیشہ مل سکتا ہے ایسا اتفاق کم ہوتا ہے کہ کوئی حکومت اپنے ملازموں کے منصبوں کی جلد جلد ترقی کرسکے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ دولت انگلشیہ کی ملازمت میں سرکاری خدمتیں اور ذاتی جانفشانیاں خطابی عزتوں اور ذاتی منفعتوں کی توقع سے بڑھکر ہمیشہ محرک ہوتی رہیں گی۔ ہندوستان کے انتظام میں یہ بات ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی کہ نہایت بانتائج اور مفید کام اکثر اعلیٰ منصب داروں کے حصے میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ اُن صاحبان اضلاع سے متعلق رہیں گے کہ درحقیقت جن کی ہوشیاری اور ہمت پر کل انتظام کا اچھا ہونا منحصر ہے۔

حضرت ممدوحہ کے ملازمان اہل قلم و اہل سیف جس خوبی کے ساتھ سارے ہندوستان میں ایسی نازک اور مشکل خدمتیں بجالائے اور بجالاتے ہیں جو بادشاہ اپنی رعایا میں سے نہایت معتمد کے سپرد کرے۔ اُن کی نسبت ملکہ معظمہ کی تحسین و توصیف کے اظہار میں مجھے مبالغے کی گنجایش نہیں۔

ای اہل قلم و اہل سیف

چونکہ تم آغاز جوانی میں بڑی جوابدہی کے منصبوں پر مقرر ہوتے ہو۔ اور خوشی خوشی تن ہی کے ساتھ سخت قواعد کی پابندی کرتے ہو۔ بذات خاص انتظام سلطنت کے بڑے بڑے بھاری کام بجالاتے ہو۔ اور پھر وہ بھی ایسے لوگوں میں رہ کر جن کی زبان۔ مذہب۔ دستور تمہاری بول چال تمہاری ملت اور رسم و رواج سے مختلف ہیں اس لئے میری دعا ہے کہ ہمیشہ مشکل کاموں کو نہایت استقلال اور نرمی کے ساتھ انجام دیتے وقت یہ خیال تمہارا رہنموں ہو۔ کہ جس طرح ہم اپنی قوم کی نیک نامی قائم رکھتے۔ اور اپنے مذہب کے پیرا اشفاق احکام کی تعمیل کرتے ہیں اُسی طرح اور سب ملتوں اور قوموں کے لوگوں کو جو اس ملک میں بستے ہیں حسن انتظام کے بے بہا فائدوں سے مستفید کرتے ہیں۔

لیکن ملک ہند میں مغربی شائستگی کے دانشمندانہ اصول کے برتاؤ سے حصول دولت کے وسائل کو جو برابر ترقی ہوتی رہی ہے۔ اس امر میں ملک کچھ سرکاری ملازموں کا ہی ممنون نہیں بلکہ ملکہ معظمہ کی رعایا اُن اہل فرنگ کا بھی شکرگذار ہے جو ہندوستان میں رہتے ہیں۔ اور ملازمت سرکاری میں داخل نہیں

ان لوگوں کو تخت انگلستان اور ملکہ معظمہ کی ذات خاص سے جو دلی ارادت ہے اور جو فوائد انھوں نے اپنی محنت اپنے حوصلے اور رفاہ عام کے کاموں میں بڑی تندہی اور اخلاق مدنی سے سلطنت ہند کو پہنچائے ہیں اُن سے حضرت ممدوحہ بخوبی واقف ہیں اور ان کی قدر کرتی ہیں اگر میں آج ایسے موقع پر اس امر کا اعتراف کر کے اُن کا اطمینان نہ کروں تو حضرت موصوفہ کے ارادہ قیصرانہ کے اظہار میں قاصر ہوں +

چونکہ حضرت ممدوحہ کی یہ خواہش ہے کہ اُن کی رعایا میں جن لوگوں سے اُن کی سلطنت کے اس بڑے حصے میں خدمات ملکی در محاسن نمایاں ظہور میں آئی ہیں اُن کے اعزاز و امتیاز زیادہ کرنے کے لئے موقع حاصل ہو۔ اس لئے حضرت ممدوحہ بہ طیب خاطر صرف طبقہ اعلا ستارہ ہند اور طبقہ برٹش انڈیا کو کسی قدر بڑھانا ہی منظور نہیں فرماتیں بلکہ ایک نیا طبقہ موسوم بہ انڈین امپیر مقرر فرماتی ہیں +

اے افواج ہند کے انگریز اور دیسی افسر اور سپاہیو

تم نے ملکہ معظمہ کی فوج کا اعزاز قائم رکھنے کے لئے جو جو بہادریاں ہر موقع پر جبکہ تم ساتھ ساتھ میدان جنگ میں گئے ہو دکھائی ہیں حضرت ممدوحہ اُنھیں فخر کے ساتھ یاد رکھتی ہیں اور چونکہ حضرت ممدوحہ کو یہ یقین ہے کہ آیندہ بھی آپ ہمیشہ ایسی وفاداری کے ساتھ متفق ہو کر اس امر اہم کو بحسن و جوہ سرانجام دینگے اس لئے آپ ہی کو یہ بھاری خدمت سپرد کی جاتی ہے کہ آپ حضرت ممدوحہ کے ممالک محروسہ ہند میں امن و امان قائم اور رونق برقرار رکھیں +

اے والنٹیر سپاہیو

آپ لوگوں کی کوششیں جو بہواخواہی اور کامیابی کے ساتھ اس باب میں ظاہر ہوئی ہیں کہ اگر ضرورت پڑے تو افواج سرکاری کے ساتھ شریک ہو کر کام دیں اس لائق ہیں کہ آج کے دن اُن کی دل سے ستائش کیجائے

اے اس سلطنت کے رئوسا و امرا

آپ کی ارادت ہمواری سلطنت کی کفیل اور آپ کی خوشحالی عملا سلطنت کی دلیل ہے حضرت ملکہ معظمہ کو بھروسا ہے کہ اگر خدا نخواستہ اس سلطنت کے مصالح پر کوئی حملہ یا تہدید واقع ہو تو آپ لوگ اُس کی حفاظت کے واسطے آمادہ ہو جائینگے حضرت ممدوحہ اس آمادگی پر آفرین فرماتی ہیں ہر حضرت ملکہ معظمہ کی

طرف سے آپ لوگوں کو شہر دہلی کے آنے پر مرحبا کہتا ہوں اور اس جلسہ عظیم الشان میں آپکے شریک ہونے کو سلطنت برطانیہ کی نسبت آپ صاحبوں کی اس عقیدت اور خیر سگالی کی دلیل روشن جانتا ہوں جس کا اظہار جناب **پرنس آف ویلز** بہادر کی تشریف آوری کے موقع پر بڑے شوق سے ہوا تھا +

حضرت ممدوحہ اپنے مصالح کو عین آپکے مصالح تصور فرماتی ہیں اور مراسم اتحاد کے استحکام اور ان روابط کے قیام کے واسطے جو اتفاق حسنہ سے دولت انگلشیہ اور اسکے متوسلوں اور متہند دکی مابین موجود ہیں حضرت ممدوحہ نے خسروانہ عنایت سے خطاب قیصری اختیار فرمایا ہے جس کا ہم آج اعلان کرتے ہیں +

اے دیسی رعایائے حضرت قیصر ہند

اس سلطنت کی موجودہ حالت اور دائمی مصلحتیں اس بات کی مقتضی ہیں کہ اسکے اعلی درجہ کے حاکم و ناظم خاص کر ایسے انگریز ہوں جنہوں نے اس تدبیر کے اصول کی تعلیم پائی ہو جس پر کاربند ہونا حکومت قیصری کے تسلسل کے واسطے لازم ہے +

امور تمدن میں ملک ہند کی پیہم ترقی جو اس کی ملکی عظمت کو لازم اور روز افزوں قوت کا سبب ہے اکثر انھیں مدبروں کے عاقلانہ اختراعات کا نتیجہ ہے۔ اور ضرور ہے کہ ابھی مدت تک فنون و علوم اور اداب مغربی جو صلح و جنگ کے موقعوں پر ممالک یورپ کی موجودہ فوقیت کا باعث ہیں ممالک مشرقی میں فائدہ عام کے واسطے بدستور انھیں کے ذریعہ سے جاری اور مروج رہیں +

یہ مسلم ہے کہ آپ سب صاحب جو ہند کے رہنے والے ہیں خواہ آپ کی قوم و مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس ملک کے انتظام میں اپنی اپنی لیاقت کے موافق انگریزی رعایا کے ساتھ شریک ہونے کا بہت کچھ استحقاق رکھتے ہیں اس استحقاق کی بنیاد عین انصاف پر مبنی ہے۔ اور اسکو سرطانیہ اور ہند کے بڑے بڑے مدبروں نے بار بار تسلیم کیا ہے۔ اور یہی شاہی پارلیمنٹ کے ضوابط سے ثابت ہے اور گورنمنٹ ہند بھی اسکو اپنے اوپر واجب اور اپنی ملکی تدابیر کی کل مصلحتوں کے موافق سمجھتی ہے۔ اسلئے گورنمنٹ ہند کو بڑی مسرت اور خوشی ہے کہ چند سال سے ہندوستانی ملازمان ملکی اور خاص جو لوگ بڑے بڑے منصبوں پر مامور ہیں ان کے اوضاع و اطوار میں نمایاں ترقی ہوئی ہے +

اس سلطنت عظمیٰ کا انتظام اس بات کا مقتضی ہے کہ جو لوگ اس میں شریک ہیں اُن میں سے بہت سے آدمی نہ صرف لیاقت علمی کے ساتھ موصوف ہوں بلکہ ممتاز اور متصف بہ اخلاق حمیدہ ہوں۔ اس سبب سے علی الخصوص جو خاندان مرتبہ و اقتدار موروثی کے باعث آپ لوگوں میں ممتاز ہیں اُن پر واجب ہے کہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کو اس معزز خدمت کے لیے جس کی راہ اُن کے واسطے کھلی ہے سزاوار بنائیں اور یہ بات فقط اس تعلیم کے قبول کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے جس سے آدمی اُن اصول کو سمجھنے اور برتنے کے قابل ہو جن کو ملکہ معظمہ قیصر ہند کی گورنمنٹ نے کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا*

آپ صاحبوں کو لازم ہے کہ وفاداری اور دیانت۔ انصاف اور صداقت و متانت کو جو شائستگی کے اخلاق کی غذا ہے ہمیشہ مد نظر رکھیں اس صورت میں حضرت ممدوحہ کی گورنمنٹ ملکی انتظام میں آپ لوگوں کی اعانت و شرکت بڑی خوشی سے قبول کرے گی۔ کیونکہ گورنمنٹ مذکور دنیا کے ہر ایک حصے میں جہاں جہاں اس کو اقتدار حاصل ہے۔ اپنی فوجی طاقت پر اتنا بھروسہ نہیں کرتی جس قدر اپنی ایسی رضامند رعایا پر رکھتی ہے جو بالاتفاق اور بہ طیب خاطر اس کی اطاعت کرتی اور تخت کی حفاظت میں جانفشانی دکھاتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ہماری دائمی بہبودی اور عافیت اسی کی سلامتی پر منحصر ہے*

حضرت ملکہ معظمہ اپنی سلطنت ہند کی ترقی کمزور ریاستوں کے فتح کر لینے یا آس پاس کے علاقے ملا لینے میں نہیں جانتیں بلکہ اس میں سمجھتی ہیں کہ ان کی ہندوستانی رعایا بتدریج اور ایک لیاقت کے ساتھ اس رحم اور نصفت شعار حکومت میں شریک ہو کر وہ برتاؤ عمل میں لاوے جس میں کسی طرح کی مزاحمت نہ ہو لیکن حضرت ممدوحہ کے اغراض و فرائض صرف وہی نہیں جو اُن کی سلطنت سے متعلق ہیں وہ بخلوص نیت یہ بھی خواہش رکھتی ہیں کہ اُن ممالک کے حکمرانوں سے جو اس سلطنت کی حدود پر واقع ہیں اور اس کی ظل حمایت میں توں سے خود مختار رہے ہیں کمال محبت اور دوستی کا رابطہ مستحکم رکھیں ہاں اگر کبھی اس سلطنت کے امن و امان میں کسی بیرونی تہدید سے کچھ خطرہ ہوگا۔ تو قیصر ہند اپنے ان ممالک موروثی کی حمایت میں کسی طرح کوتاہی نہیں فرمائیں گی بیرونی دشمن کا سلطنت ہند پر حملہ آور ہونا گویا تمام ممالک شرقیہ کی ترقی و سرسبزی پر حملہ کرنا ہے اور حضرت ممدوحہ کو اپنے ممالک محروسہ کی وسعت غیر محدود سا ہے اور اپنے متعہدوں اور دوستانہ تابعین کی عزت کا

وفاداری اور اپنی رعایا کی ہواخواہی و جان نثاری سے ہر ایک حملہ آور کی مدافعت اور سرکوبی کے لئے کامل قوت اور پوری قدرت حاصل ہے۔

ہر اعظم ایشیا کے ممالک بعیدہ کے جن بادشاہوں نے اپنے اپنے سفیر و وکیل تہنیت نامہ دے کر بھیجے ہیں اس تقریب مبارک میں اُن کا حاضر ہونا اس امر کی شہادت ہے۔ کہ گورنمنٹ ہند کی تدبیر صلح آمیز اور کل ممالک قرب و جوار کے فرمان رواؤں کے ساتھ اس کا ارتباط دوستانہ ہے میں چاہتا ہوں کہ حضرت ممدوحہ کی گورنمنٹ ہند کی طرف سے اس جلسۂ قیصریہ میں عالی جناب خان قلات اور اُن سفیروں کو جو دور دراز کی مسافت طے کر کے قیصر ہند کے ایشیائی متعہدوں کی طرف سے حدود انگریزی میں کالگتا آئے ہیں۔ اور نیز اپنے معزز مہمان نواب گورنر جنرل علاقہ گوا اور صاحبان کانسل دول خارجہ کو خیر مقدم کہوں۔

اے رؤسا و رعایائے ہند

اب میں مسرت کے ساتھ آپ لوگوں کو یہ فرمان والاشان جو آپ کی قیصر ملکۂ معظمہ نے اپنے شاہی اور قیصری نام سے آپ لوگوں کو آج بھیجا ہے سناتا ہوں یہ وہ عبارت ہے جو آج صبح کو حضرت ممدوحہ کی طرف سے بذریعۂ تار کے میرے پاس پہنچی ہے۔

ما بدولت و کشور ریا بفضل خدا سلطنت متحدہ کی ملکہ اور قیصر ہند۔ اپنے نائب السلطنت کی معرفت اپنے سب اراکین اہل قلم و اہل سیف اور کل رؤسا اور امرا اور رعایا کو جو دہلی میں اس وقت مجتمع ہیں اپنی شاہی اور قیصری دعا پہنچاتی ہیں۔ اور اپنی توجہ دلی اور شفقت شاہانہ سے ہند کی رعایا کو مطمئن فرماتی ہیں جو تکریم و تواضع رعایائے ہند نے ما بدولت کے فرزند دلبند کے ساتھ کی اُس سے ما بدولت کو دلی مسرت حاصل ہوئی۔ اور ما بدولت کے خاندان اور تخت کی نسبت ان کی اس ارادت اور عقیدت نے ما بدولت کے دل پر بڑا اثر کیا۔

ما بدولت کو امید ہے کہ اس روز مبارک کے باعث رابطۂ محبت ہمارے اور ہماری رعایا کے درمیان زیادہ مستحکم ہوں۔ اور ہر ایک اعلیٰ و ادنیٰ اس بات کا یقین کر لے کہ ہمارے عہد میں حکومت کے جو اصول یعنی آزادی اور عدل و انصاف ان کو حاصل ہیں نیز ما بدولت کی سلطنت میں اُن کی خوشی کی افزائش ان کی سرسبزی

کی ترقی اور اُن کی بہبودی کی زیادتی مدام مدنظر رہے ❊

میں یقین کرتا ہوں کہ آپ لوگ ان الفاظ محبت آمیز کو نہایت عزیز جانیں گے ❊

خدا وند کریم جناب کشور یا ملکہ سلطنت متحدہ و قیصر ہند کو سلامت باکرامت رکھے۔ عالی جناب ایسرائے جب اس تقریر کو ختم کر چکے تو کل اہل مجلس خود بخود کھڑے ہوئے اور سب نے فوج کے ساتھ شریک ہو کر تہ دل سے صدائے مسرت و شادمانی بلند کی۔ مہاراجہ سیندھیا بیگم بھوپال سر سالار جنگ نے مبارکبادی کی تقریریں کیں

پانچویں جنوری ۱۸۷۷ء روز جمعہ کو اس جلسہ قیصریہ کا خاتمہ ہوا۔ اس دن چودہ ہزار سپاہ انگریزی اور تمام والیان ملک کی فوج جو یہاں دہلی میں موجود تھی اُس کی قواعد ہوئی۔ یہ تماشا کبھی ہندوستان میں نہ ہوا ہوگا جس نے اسے دیکھا ہوگا وہ عمر بھر اُسے نہ بھولے گا فقط

کاہلی

یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں سے محنت نہ کرنا کام کاج محنت مزدوری میں چستی نہ کرنا اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں سستی کرنا کاہلی ہے۔ مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ دینا سب سے بڑی کاہلی ہے ❊

ہاتھ پاؤں کی محنت اوقات بسر کرنے اور روٹی کما کر کھانے کے لیے نہایت ضروری ہے اور روٹی پیدا کرنا اور پیٹ بھرنا ایک ایسی چیز ہے کہ مجبوری اُس کے لیے محنت کی جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں کی کاہلی چھوڑ دی جاتی ہے اور اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ محنت مزدوری کرنے والے لوگ اور وہ جو کہ اپنی روزانہ محنت سے اپنی بسر اوقات کا سامان مہیا کرتے ہیں بہت کم کاہل ہوتے ہیں محنت کرنا اور سخت سخت کاموں میں ہر روز لگے رہنا گویا اُن کی طبیعت ثانی ہو جاتی ہے۔ مگر جن لوگوں کو ان باتوں کی حاجت نہیں ہے وہ اپنی تو دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ کر سب سے کاہل اور بالکل حیوان صفت ہو جاتے ہیں ❊

یہ سچ ہے کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور بڑھتے ہیں ترقی بھی کرتے ہیں اور ہزار برس تک لکھوں تب شاید ایک کلمہ ایسا فقرہ ملتا ہوگا کہ اپنی تعلیم کرا اور اپنی عقل کو خرچ کرنا کام میں لایا ہے لیکن اگر انسان اُن باتوں میں ضرورتوں کا منتظر رہے اور اپنے دلی قویٰ کو بیکار ڈال رکھے تو وہ نہایت سخت کاہل اور وحشی ہو جاتا ہے انسان بھی مثل اور

[illegible]

اور حیوانوں کے ایک حیوان ہے۔ اور جبکہ اُس کے دلی قویٰ کی تحریک سست ہو جاتی ہے اور کام میں نہیں لائی جاتی تو وہ ابھی
حیوانی خصلتوں میں پڑ جاتا ہے اور جسمانی باتوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسانی صفت کو کھو کر پورا حیوان بن جاتا ہے
پس ہر ایک انسان پر لازم ہے کہ اپنے اندرونی قویٰ کو زندہ رکھنے کی کوشش میں رہے اور اُن کو بیکار نہ چھوڑ بیٹھے

ایک ایسے شخص کی حالت کو خیال کرو جس کی آمدنی اُس کے اخراجات کو مناسب ہے اور اُس کے حاصل کرنے میں
اُس کو چنداں محنت و مشقت کرنی نہ پڑے جیسے کہ ہمارے ہندوستان میں ملکیوں اور لاخراج داروں کا حال تھا اگر
وہ اپنے دلی قویٰ کو بھی بیکار ڈال دے تو اُس کا حال کیا ہوگا یہی ہوگا کہ اُس کے تمام شوق وحشیانہ باتوں کی
طرف مائل ہو جاویں گے شراب پینا اور مزیدار کھانا اُس کو پسند ہوگا قمار بازی اور تماش بینی کا عادی ہوگا
اور یہی سب باتیں اُس کے وحشی بھائیوں میں بھی ہوتی ہیں البتہ اتنا فرق ہوتا ہے کہ وہ بھدّے اور بدسلیقہ وحشی ہوتے
ہیں اور یہ ایک صفدار وحشی ہوتا ہے شراب پی کر پلنگ پر پڑے رہنا اور پیچوان کے دھوئیں اُڑانا اس کو پسند ہوتا ہے
اور جنگل کے ریت پر پڑے رہنا اور ناریل میں تمباکو کے دھوئیں اُڑانا اُس کو پسند ہوتا ہے پس پیچوان اور ناریل اور
بچھونے اور ریت کے فرق سے کچھ مشابہت میں جو ان دونوں میں ہے کمی نہیں ہوتی ۔

ہم قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے لئے ایسے کام بہت کم ہیں جن میں اُن کو قوائے دلی
اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع ملے اور برخلاف اُس کے اور ولایتوں میں اور خصوصاً انگلستان میں وہاں کے
لوگوں کے لئے ایسے موقع بہت ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اگر انگریزوں کو بھی کوشش اور محنت کی
ضرورت اور اُس کا شوق نہ رہے جیسا کہ اب ہے تو وہ بھی بہت جلد وحشت پنے کی حالت کو پہنچ جاویں گے مگر ہم اپنے
ہم وطنوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو ہم کو اپنے قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع نہیں ملتا ہے
اُس کا بھی سبب یہی ہے کہ ہم نے کاہلی اختیار کی ہے یعنی اپنے دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ دیا ہے اگر ہم کو قوائے
قلبی اور قوت عقلی کے کام میں لانے کا موقع نہیں ہے تو ہم کو اسی کی فکر اور کوشش چاہیے کہ وہ موقع کیونکر
حاصل ہو اگر اُس کے حاصل کرنے میں ہمارا کچھ قصور ہے تو اسی کی فکر اور کوشش چاہیے کہ وہ قصور کیونکر رفع ہو
غرض کہ کسی شخص کے دل کو بیکار پڑا رہنا نہ چاہیے کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا لازم ہے تاکہ
سب کو اپنی تمام ضروریات کے انجام کرنے کی فکر اور مستعدی رہے اور جب تک کہ ہماری قوم سے کاہلی یعنی دل کو

بیکار پڑا رہنا نہ چھوٹے گا اُس وقت تک ہم کو اپنی قوم کی بہتری کی توقع کچھ نہیں ہے۔ نہایت حکیمانہ قول ہے کہ

بیکار مباش کچھ کیا کر
گر کر نسکے تو کچھ کہا کر

سید احمد

سمجھ
یعنی تمیز جس سے بھلائی بُرائی میں امتیاز کیا جاتا ہے

میرا یہ خیال ہے کہ اگر انسانوں کے دلوں کو چیر کر اُن کا حال دیکھا جاوے تو دانا اور نادان دونوں کے دلوں میں کچھ تھوڑا ہی فرق نکلے گا۔ دونوں کے دلوں میں ہمیشہ بہت سے لغو اور بیہودہ خیال آتے ہیں بے شمار وسوسے دونوں کے دلوں میں اُٹھتے ہیں مگر اُن دونوں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ دانا آدمی اُن میں سے انتخاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کون سے خیالات ایسے ہیں جن کو چھوڑ دینا چاہئے۔ نادان آدمی ایسا نہیں کرتا اور جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے بے سوچے سمجھے مُنہ سے بکتا جاتا ہے۔ دانشمند آدمی بھی دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں نادان کی مانند ہوتا ہے جو اُس کے دل میں آتا ہے بے تردد دوستوں سے کہتا ہے۔ گویا اُس کو خیالات ہی ایک بلند آواز میں آتے ہیں۔

بیٹلی صاحب کا یہ قول ہے کہ انسان کو دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے کہ اُس کو دوست بنا لینے کا موقع ہے اور دوستوں سے اس طرح برتاؤ کرنا چاہئے کہ اگر کبھی وہ دشمن ہو جاویں تو اُن کے ضرر سے بچنے کی جگہ رہے۔ اس قول کی پہلی بات جو دشمن کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ تو نہایت عمدہ ہے۔ مگر پچھلی بات جو دوستوں کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ کچھ اچھی نہیں۔ اُس میں سمجھ کی کچھ بھی بات نہیں ہے بلکہ نری مکاری ہے۔ ایسے برتاؤ سے انسان زندگی کی بہت بڑی خوشی سے محروم رہتا ہے۔ یعنی سچے دلی دوستوں سے بھی دل کی بات نہیں کہہ سکتا۔ یہ سچ ہے کہ بعضی دفعہ دوست دشمن ہو جاتے ہیں اور دوست بھید کو کھول دیتے ہیں مگر دنیا اُنہیں کو دغا باز اور بُرا کہتی ہے اور دوست پر بھروسا کرنے کے لئے کوئی الزام نہیں کہتی۔ ہاں البتہ دوستوں کے منتخب کرنے میں بڑی ہی سمجھ چاہئے۔ سمجھ صرف باتوں ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے کاموں سے بھی متعلق ہے اور گویا ہماری زندگی میں ہمارے تمام کاموں کی رہنما اور ہمارے لئے ہمارے خالق مطلق خدا کی نائب ہے۔ انسان میں بہت سی بڑی عمدہ عمدہ صفتیں ہیں مگر سمجھ سب سے زیادہ مفید ہے۔ سمجھ ہی کے سبب اور تمام صفتوں کی قدر ہوتی ہے۔ سمجھ ہی کے سبب سے وہ تمام صفتیں

اپنے اپنے موقع پر کام آتی ہیں سمجھ ہی کے سبب سے وہ شخص جس میں وہ صفتیں ہیں اُن صفتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ سمجھ بغیر علم اور عقل دونوں ناچیز ہیں بھلائی بُرائی دکھائی دیتی ہے باوجودیکہ انسان میں نہایت عمدہ عمدہ خصلتیں ہوتی ہیں مگر سمجھ بغیر اُن کے برتاؤ میں غلطیاں کرتا ہے اور نقصان پر نقصان اُٹھاتا ہے۔ سمجھ ہونے سے صرف انھیں خوبیوں کا جو اُس میں ہیں مالک نہیں ہوتا بلکہ دوسروں میں جو خوبیاں ہیں اُن کا بھی مالک بن جاتا ہے۔ سمجھ دار آدمی جس سے گفتگو کرتا ہے اُس کی لیاقت کو بھی جان لیتا ہے اور اُسی کی لیاقت کے موافق گفتگو کرتا ہے اگر ہم انسانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں اور جماعتوں کی مجلسوں کے حالات پر غور کریں تو ہم کو صاف معلوم ہوگا کہ ہر ایک مجلس میں نہ کسی عقلمند کی گفتگو کو غلبہ ہوتا ہے اور نہ کسی بہادر اور دلیر کی گفتگو کو بلکہ اُسی شخص کی گفتگو سب پر غالب رہتی ہے جس کو سمجھ ہے اور جو اہل مجلس کی لیاقتوں کو اور جو بات کہنی ہے اور جو نہ کہنی ہے اُس میں تمیز کر سکتا ہے جس شخص کو بڑی سے بڑی لیاقت حاصل ہو مگر سمجھ نہ ہو وہ ایک نہایت قوی اور زبردست پر اندھے آدمی کی مانند ہے جو بسبب اپنے اندھے پن کے اپنے زور و قوت سے کچھ کام نہیں لے سکتا ہے۔ گو ایسے شخص کو دنیا میں اور سب طرح کے کمال حاصل ہوں مگر سمجھ نہ ہو تو وہ دنیا میں کسی کام کا نہیں برخلاف اس کے اگر اُس کی سمجھ پوری ہو اور صرف اسی ایک صفت میں اُس کو کمال ہو اور باقی اوصاف متوسط درجہ کے رکھتا ہو تو وہ اپنی زندگی میں جو کچھ چاہے کر سکتا ہے٭

سمجھ جس طرح کہ انسان کے لیے ایک بہت بڑا کمال ہے اُسی طرح مکر اُس کے حق میں بہت بڑا وبال ہے۔ نیک دل کی انتہائی خوبی سمجھ ہے اور بد دل کی منتہا بدی مکر یا یوں کہو کہ وہ نیک دل کے لیے معراج ہے اور یہ بد دل کے لیے کمال۔ سمجھ نہایت عمدہ اور نیک مقصد پیدا کرتی ہے اور اُن کے حاصل ہونے کو نہایت عمدہ عمدہ اور تعریف کے قابل ذریعے قائم کرتی ہے مگر مکر میں صرف خود غرضی ہوتی ہے۔ سمجھ مثل ایک روشن آنکھ کے ہے جس میں انتہا وسعت ہے اور تمام دُنیا کو اور دور دور کی چیزوں کو آسمانوں کو اور آسمانوں کے ستاروں کو بخوبی دیکھ سکتی ہے۔ مکر مثل ایک کوتاہ نظر آنکھ کے ہے جو پاس پاس کی ناچیز چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور دور کی چیزیں گو وہ کیسی ہی عمدہ اور روشن ہوں اُسے نظر نہیں آتیں۔ سمجھ جس قدر ظاہر ہوتی جاتی ہے اُسی قدر انسان کا اختیار اور اعتبار بڑھتا جاتا ہے مگر مکر کاٹ کی ہنڈیا کی مانند ہے کہ جب ایک دفعہ کھل گیا تو پھر اُس کی

قوت اور عزت بالکل جاتی رہتی ہے۔ پھر انسان کسی کام کا نہیں رہتا جو کام کہ وہ ایسی حالت میں کر سکتا جبکہ لوگ اُسکو ایک سیدھا سادھا بھولا بھالا آدمی سمجھتے اب وہ کام بھی وہ نہیں کر سکتا سمجھ عقل کے لئے کمال ہے اور ہمارے کاموں کے لئے رہنما مگر ایک قوت ہے جو صرف حال ہی کے فائدوں کو دیکھتی ہے سمجھ نہایت عقلمند اور نیک آدمیوں میں پائی جاتی ہے مگر اکثر جانوروں میں اور اُن لوگوں میں جو جانوروں کی مانند یا اُن سے کچھ بہتر ہوتے ہیں پایا جاتا ہے سمجھ نفس الامر میں ایک نہایت خوبصورت دلکش چیز ہے۔ اور مکر گویا اُس کی بگاڑی ہوئی نقل ہے سمجھ والے آدمی کی طبیعت ہمیشہ زمانہ حال و استقبال دونوں پر لگی رہتی جو باتیں کہ زمانہ دراز کے بعد ہونیوالی ہیں اور جو اب ہو رہی ہیں دونوں کو دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ رنج و خوشی جو دوسری زندگی یعنی قیامت میں ہونیوالی ہے وہ بیشک ہوگی گو اُس کا زمانہ ابھی بہت دور ہے وہ اُس کے دور ہونے کے سبب اِس لئے اُس کو حقیر نہیں سمجھتا کہ دوسری زندگی یعنی قیامت کی تکلیف و راحت لحظہ لحظہ پاس آتی جاتی ہے اور اسی طرح سے رنج و خوشی دیویں گی جیسے کہ زمانہ حال میں رنج و خوشی ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ نہایت غور و فکر سے اُن خوشیوں کے ہاتھ آنے کے لئے کوشش کرتا ہے جو قدرت نے اُس کے لئے بنائی ہیں اور جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے خیال کو ہر کام کے انجام تک دوڑاتا ہے اور اُس کے حال و مآل کے نتیجوں پر غور کرتا ہے اور اس فانی دنیا کے تھوڑے سے نفع اور فائدہ کو اگر در حقیقت فائدہ اور نفع اُس کی سچی عاقبت کے خیال کے مخالف ہے چھوڑ دیتا ہے مختصر اُس کی تمام تدبیریں عقل و ہوش کی ہیں اُس کا رویہ ایسے شخص کی مانند ہوتا ہے جو اپنا فائدہ بھی سمجھتا ہے اور اُس کے حاصل کرنے کا رستہ بھی ٹھیک ٹھیک جانتا ہے سمجھ جس کو ہم نے اس مضمون میں بطور ایک نیکی اور کمال کے بیان کیا ہے وہ صرف دنیا ہی کے کاموں کے لئے مفید نہیں ہے بلکہ ہماری ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے بھی فائدہ مند ہے وہ صرف اس فانی انسان کے لئے رہنما نہیں ہے بلکہ اُس اصلی نا فانی انسان کے لئے بھی جو ہم میں بستا ہے رہنما ہے۔ بعض مصنف اسی کو عقل کہتے ہیں اور بعض سمجھ یعنی تمیز جس سے اچھی و بُری اور بھلائی و برائی میں امتیاز کیا جا ہے حقیقت میں یہی چیز سب سے بڑی ہے اُس کے فائدے بے انتہا ہیں اور پھر اس کا ہاتھ آنا نہایت آسان ہے۔

ایک مصنف کا قول ہے کہ سمجھ ہی ایسی رونق کی چیز ہے جس کو کبھی زوال نہیں جو اُس کو چاہتے ہیں آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں جو اُس کو ڈھونڈتے ہیں وہ آسانی سے پاتے ہیں اُس کی تلاش میں اُن کو بہت دور جانا

نہیں پڑتا کیونکہ وہ اُس کو اپنے دروازہ ہی پر پاتے ہیں اُس کا خیال رکھنا ہی اُس میں کمال حاصل کرنا ہے جو کوئی اُس پر خیال رکھتا ہے اُسی دم جستجو سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ خود ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتی ہے اور جو اُس کے لایق ہیں اُن کو رستہ ہی میں ملتی ہے اور کبھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑتی ❊

راقم
ای ٹو ہی سید احمد

تعلیم

میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے ایسی ہے جیسے سنگ مرمر کے پہاڑ کی مانند ہے کہ جب تک سنگ تراش اُس میں ہاتھ نہیں لگاتا اُس کا ڈھونڈلا اور کھردراپن دور نہیں کرتا اُس کو خراش تراش کر سڈول نہیں بناتا اُس کو پالش و جلا سے آراستہ نہیں کرتا اُس وقت تک اُس کے جوہر اُسی میں چھپے رہتے ہیں اور اُس کی خوشنما نسیں اور دلربا رنگتیں اور خوبصورت خوبصورت بیل بوٹے ظاہر نہیں ہوتے یہی حال انسان کی روح کا ہے انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اُس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اُس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اُس میں چھپی ہوئی ہیں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں ❊

ارسطو نے تعلیم کے اثر کو مجسم مورتوں کے بنانے کی تشبیہ میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ مورت ایک پتھر کے ڈھوکے میں چھپی ہوئی ہوتی ہے مگر مورت بنانے کا ہنر صرف فضول چیزوں کو اُس میں سے کھود دیتا ہے مورت تو پتھر ہی میں ہوتی ہے مگر آلہ صرف اُس کو نمود کر دیتا ہے جو نسبت کہ صورت گھڑنے والے کو اُس پتھر کے ڈھوکے سے ہے وہی نسبت تعلیم کو انسان کی روح سے ہے۔ بڑے بڑے حکیم اور عالم۔ ولی و ابدال۔ نیک و عقلمند بہادر و نامور۔ ایک گنوار آدمی کی سی صورت میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں مگر اُن کی یہ تمام خوبیاں عمدہ تعلیم کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں جب میں جاہل اور وحشی قوموں کے حالات پڑھتا ہوں تو اُن نیکیوں سے جو اُن میں ہیں مگر ناشائستہ اور اُس دلیری اور جرأت سے جو اُن میں ہے مگر خوفناک اور اُس استقلال سے جو اُن میں ہے مگر بے ڈھنگا اور اُس دانائی اور عقلمندی سے جو اُن میں ہے مگر جانوروں کے سے مکر و فریب کی ملی ہوئی اور اُس صبر و قناعت سے جو اُن میں ہے مگر … اور گویا ناامیدیاں ہی اُن کی امیدیں ہیں نہایت خوش ہوتا ہوں سچ ہے کہ انسان کے دل کے جوش مختلف طرح پر کام کرتے ہیں اور جس قدر کہ بہتر عقل کی ہدایت اُن کو ہوتی ہے اور جس قدر کہ عقل اُن جوشوں کو درست

کرتی ہے اسی قدر مختلف طور پر اُن سے کام لیتے ہیں۔ امریکہ کے حبشی غلاموں کا جب ہم یہ حال سنتے کہ اپنے آقا کے ظلم سے پر یا ایک کام سے چھٹکر دوسرے کام میں لگانے پر جنگلوں کے درختوں میں لٹک کے اپنی جان دیدیتے ہیں یا ایک ہندو عورت اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جل کر ستی ہو جاتی ہے تو کون شخص ہے جو اُن کی وفاداری اور محبت کی تعریف نہ کریگا گو کہ کیسے ہی ناشائستہ اور نامہذب طور سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی جاہل اور وحشی قوموں کے دلوں میں بھی نہایت عمدہ عمدہ باتیں پائی جاتی ہیں گو وہ وحشی پنے ہی کی حالت میں کیوں نہ ہوں لیکن اگر اُن کی مناسب طور سے اور عمدہ تعلیم سے درستی کی جاوے تو وہی وحشیانہ نیکیاں کس قدر ترقی پا سکتی ہیں اور کیسے کیسے عمدہ کام اور مہذب شائستہ نیکیاں اُن سے پیدا ہو سکتی ہیں +

راقم
ای ڈی سی سید احمد

وحشیانہ نیکی

انسان وحشیانہ طور پر ایک نیک کام کرتا ہے اور جو کہ وہ اصل میں نیک ہوتا ہے لوگوں کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اُس وحشیانہ پنے کی برائی جس وحشیانہ پن سے وہ کام ہوا آنکھوں سے چھپ جاتی ہے مگر عمدہ تعلیم میں یہ اثر ہے کہ اُن وحشیانہ حرکتوں کو چھوڑا دیتی ہے اور صرف نیکی نیکی رہ جاتی ہے +

نقل ہے کہ ایک شخص کے پاس دو حبشی لڑکے تھے جوان نوعمر اور اپنی قسم کے لوگوں میں نہایت حسین اور خوبصورت اور آپس میں اُن دونوں کے جانی دوستی اور دلی محبت تھی اوسی شخص کے پاس ایک حبشن نوعمر لڑکی بھی تھی جو اُس قوم میں نہایت ہی خوبصورت سمجھی جاتی تھی۔ اتفاقاً وہ دو نوجوان لڑکے اُس پر عاشق ہوئے اور دونوں نے اُس کو شادی کا پیغام دیا جو کہ وہ دونوں نہایت خوبصورت بھی تھے۔ اور دونوں کا مزاج بھی اچھا تھا اور ہم عمر بھی تھے۔ وہ لڑکی دونوں میں سے جس کے ساتھ شادی ہو راضی تھی۔ مگر اُس نے یہ کہا کہ تم دونو دوست آپس میں اس بات کا تصفیہ کر لو کہ دونوں میں سے کس کے ساتھ شادی ہو۔ دونوں لڑکے دل و جان سے اُس پر عاشق تھے عشق اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک تو اُس سے شادی کرلے اور دوسرا محروم رہے اور دوستی بھی اُن میں ایسی سچی تھی کہ ایک کو دوسرے کا رنج اور بغیر آپس کی صلاح اور بغیر آپس کی خوشی کے دونوں میں سے کسی کو شادی کرلینا پسند نہ تھا۔ آخر کار عشق اور دوستی میں جھگڑا ہوا۔ و

چاہتا تھا کہ میں غالب آؤں اور وہ چاہتی تھی کہ میں فتح پاؤں مگر کوئی جیت نہ سکا دونوں برابر رہے تب دونوں لڑکے اپنی معشوق کو ایک دن جنگل میں لے گئے۔ اور دونوں نے مل کر چھری مار مار کر مار ڈالا۔ اور جب اُس کا خون بہنے لگا تو دونوں چاٹنے لگے دونوں نے مردہ لاش کو خوب گلے لگایا اور دلی محبت سے اُس دلفریب گالوں کا بے گناہ بوسہ لیا۔ اور پھر اُس کی لاش کے گرد بیٹھ کر رونے اور پیٹنے لگے خوب ماتم کیا خوب چھاتی پیٹی اور پھر دونوں نے اپنے تئیں بھی مار ڈالا۔

اس عجیب واقعہ سے انسان کے دل کے جوشوں کی جو تعلیم و تربیت سے شائستہ نہیں ہیں عجیب و غریب حالتیں معلوم ہوتی ہیں جو واقعہ کہ میں نے ابھی بیان کیا وہ حیرت اور گناہ سے بالکل بھرا ہوا ہے۔ تو بھی ایسے نیک خیال اور دلی ایمانداری سے سرزد ہوا ہے کہ اگر اُس کی عمدہ طور سے تعلیم و تربیت ہوتی تو اُس سے نہایت عمدہ عمدہ نتیجے حاصل ہوتے۔

انسان کا ایسے ملک میں پیدا ہونا یا وہاں جا کر رہنا اور تربیت پانا جہاں تعلیم و تربیت کا چرچا ہو اور علم و شائستگی پھیلی ہوئی ہو نہایت خوش قسمتی کی بات ہے۔ گو اُن ملکوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اُن حبشی لڑکوں سے کچھ بہتر نہیں ہوتے مگر ایسے بھی ضرور ہوتے ہیں جن کو تعلیم تربیت کے سبب بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں اور مختلف درجہ کا اس میں کمال رکھتے ہیں۔

شائستہ ملک کی مثال مورت بنانے والے سنگ تراش کے کارخانے کی سی ہے کہ جب آدمی وہاں جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ابھی تو کوئی پتھر اُسی طرح ڈھوئے کا ڈھوکا ہی رکھا ہوا ہے اور کسی میں صرف ابھی ٹانگیں ہی بنی ہیں اور کسی میں ہاتھ پاؤں منہ کٹ چکا مگر ابھی انگھڑ ہے اور کسی میں انسان کے تمام اعضا درستی سے بن چکے ہیں مگر صاف ہونے اور جلا ہونے ابھی باقی ہیں اور کوئی مورت نہایت خوبصورت اور دلربا بن کر طیار ہو چکی ہے۔ اُس وقت انسان کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پتھر کا ڈھوکا کہاں تک ترقی پا سکتا ہے اور ہر ایک انگھڑ صورت سوائے شاذ و نادر کے آذر سے بت تراش کے ہاتھ سے نہایت خوبصورت یا قریب قریب خوبصورت کے ہو سکتی ہے۔

نامہذب ملک کی مثال سنسان پہاڑوں کی سی ہے جہاں بجز پتھر کے ڈھوکوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی جس سے انسان کو یہ خیال ہو کہ وہ کہاں تک ترقی کر سکتا ہے اور اُس میں کیا چیز نہیں ہے جو وہ ایک انگھڑ پتھر کی مانند ہے۔ جو نیکیاں کہ اُس میں ہیں اُن سے بھی وہ ناواقف ہے کیونکہ وہ نیکیاں مثل پتھر کے ڈھوکے کے اُس کے جگر میں چھپی ہوئی ہیں اور بلا تعلیم و تربیت کے وہ ظاہر نہیں ہو سکیں۔

رالفت لی اسے۔ ڈھیر ہی پتھر و

اُمید

دُنیا باُمید قایم ہے

موجودہ حالت گو وہ کیسی ہی اچھی یا بُری ہو انسان کے دل کے شغل کو کافی نہیں ہوتی۔ موجودہ رنج و خوشی محبت و دوستی کی چیزیں اتنی نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل کی قوتوں کو ہمیشہ مشغول رکھیں اس لئے اُس بڑے کاریگر نے جس نے انسان کے پتلے کو اپنے ہاتھ سے اور اپنی ہی مانند بنایا اُس میں اور چند قوتیں دی ہیں جن کے سبب سے دل کے لئے کاموں کی کبھی کمی نہیں ہوتی اور ہمیشہ و ہر وقت دل کے مشغول رہنے کا سامان مُہیا اور موجود رہتا ہے۔ اُنھیں قوتوں کے ذریعہ سے گذری ہوئی باتیں پھر دل میں آتی ہیں اور آیندہ کی باتوں کا اُن کے ہونے سے پیشتر خیال ہوتا ہے۔

وہ عجیب قوت جس کو ہم یاد کہتے ہیں ہمیشہ پیچھے دیکھتی رہتی ہے جب کوئی موجودہ چیز ہم کو شغل کے لئے نہیں ملتی تو وہ قوت پچھلی باتوں کو بلا لاتی ہے اور اُنھی کے ذکر یا خیال سے ہمارے دل کو بہلائے رکھتی ہے۔ اُس کی مثال جگالی کرنے والے جانوروں کی ہے کہ وہ پہلے تو گھاس دانہ سب کھا لیتے ہیں اور جب ہو چکتا ہے تو ایک کونے میں بیٹھ کر پھر اُس کو پیٹ میں سے نکال کر چباتے جاتے ہیں۔

جس طرح کہ یاد پچھلی باتوں کو خالی وقت میں ہمارے دل کے مشغلہ کو بلا لاتی ہے اسی طرح ایک اور قوت ہے جو آیندہ ہونے والی باتوں کے خیال میں دل کو مشغول کر دیتی ہے اور جس کا نام امید و بیم و خوف و رجا ہے۔ انھیں دونوں قسم کے خیالوں سے ہم آیندہ زمانہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باتیں کہ دور زمانہ میں شاید ہونے والی ہیں اور ظلمات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں اُن کو ایسا سمجھتے ہیں کہ ابھی ہو رہی ہیں اُن کے ہونے سے پہلے اُن کی خوشی یا رنج اُٹھانے لگتے ہیں یہاں تک کہ اُس زمانہ کا بھی جب یہ زمین ہوگی نہ آسمان خیال کر لیتے ہیں پھر کون کہہ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف موجودہ وقت پر محدود ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ میں اس تحریر میں صرف اُسی کا کچھ بیان کروں جس کو اُمید کہتے ہیں ہماری خوشیاں اس قدر کم و چند روزہ ہیں کہ اگر وہ قوت ہم میں نہ ہوتی جس سے انسان اُن عمدہ اور دل خوش کن چیزوں کا اُن کے آنے سے پہلے مزے اُٹھاتا ہے جن کا کبھی ہو جانا ممکن ہے تو ہماری زندگی نہایت خراب اور بدمزہ ہوتی۔

ایک شاعر کا قول ہے کہ ہم کو تمام عمدہ چیزوں کے حاصل ہونے کی امید رکھنی چاہیے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی امید نہ ہو سکے اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا ہم کو دے نہ سکے۔ فارسی زبان میں مشہور مقولہ ہے کہ ستنا راعینی نیست ایک ظریف نے کہا کہ دنیا میں مجھے کسی چیز کا رنج نہیں ہے کیونکہ امید مجھے ہمیشہ خوش رکھتی ہے۔ دوستوں نے پوچھا کہ کیا تم کو مرنے کا بھی رنج نہیں ہے اس نے کہا کہ کیا عجب ہے کہ میں کبھی نہ مروں کیونکہ خدا اس پر بھی قادر ہے کہ ایک ایسا شخص پیدا کرے جس کو موت نہ ہو اور مجھ کو امید ہے کہ شاید وہ شخص میں ہی ہوں۔ یہ قول تو ایک ظرافت کا تھا مگر سچ یہ ہے کہ زندگی کی امید ہی موت کا رنج ہم سے مٹاتی ہے اگر ہم کو زندگی کی امید نہ ہوتی تو ہم سے زیادہ بدتر حالت کسی کی نہ ہوتی۔ زندگی ایک بے جان چیز کی مانند ہے جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی امید اس میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ امید ہی کے سبب سے انسان میں سنجیدگی اور بردباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی ہے۔ گویا امید انسان کی روح کی جان ہے ہمیشہ روح کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو آسان کر دیتی ہے محنت پر رغبت دلاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر آمادہ رکھتی ہے۔ امید سے ایک اور بھی فائدہ ہے جو کچھ کم نہیں ہے کہ ہم موجودہ خوشیوں کی کچھ بہت قدر نہیں کرتے اور اسی میں محو نہیں ہو جاتے سکندر نے جب اپنا تمام مال اسباب اپنے دوستوں کو بانٹ دیا تو اس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے لیے کیا رکھا اس نے کہا کہ امید۔ اس کی عالی طبیعت ان چیزوں کی کچھ قدر نہیں کرتی تھی جو اس کے پاس تھیں بلکہ ہمیشہ اس کا خیال کسی بہتر چیز کی طرف رہتا تھا۔ اگلے زمانہ کے لوگ بغیر امید کے زندگی کو نہایت ہی برا سمجھتے تھے نقل ہے کہ خدا نے انسان کے پاس ایک صندوقچہ بھجوایا جب اس کو کھولا تو اس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور مصیبتیں اور بیماریاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں امید بھی اسی صندوقچہ میں تھی وہ نہ نکلی بلکہ ڈھکنے میں چمٹ رہی اور صندوقچہ ہی میں بند رہ گئی تاکہ مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دے پس جس زندگی میں امید ہے اس سے بڑھ کر کوئی خوش زندگی نہیں ہے خصوصاً جبکہ امید ایک عمدہ چیز کی اور اچھی بنا پر ہو اور ایسی چیز کی ہو جو امید کرنے والے کو حقیقت میں خوش کر سکتی ہو اس بات کی حقیقت وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خوشحال آدمی کے لیے بھی زمانہ موجودہ میں کافی خوشی نہیں ہے۔

میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مذہبی زندگی میں عمدہ عمدہ چیزوں کی بہت سی امیدیں ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں کی

ہوتی ہیں جو ہم کو پورا پورا خوش کر سکتی ہیں دینی چیزوں کی امیدیں دنیوی چیزوں کی امیدوں سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں عقل کے علاوہ مذہبی اعتقاد کی بھی قوت ہوتی ہے اس قسم کی امیدوں کا خیال ہی ہم کو پورا پورا خوش رکھتا ہے بلاشبہ امید کے اثر سے انسان کی زندگی نہایت شیریں ہو جاتی ہے اگر وہ موجودہ حالت سے خوش نہیں رہتا تو اُس پر صبر تو ضرور آجاتا ہے۔ مگر مذہبی امیدیں اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہیں تکلیف کی حالت میں دل کو سنبھال لیتی ہیں بلکہ اُس کو اس خیال سے خوش رکھتی ہیں کہ شاید یہی تکلیف اُس امید کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو مذہبی امید گویا مردہ کو زندہ کر دیتی ہے اور اُس کے دل کو غایت درجہ کی خوشی بخشتی ہے انسان اپنی تکلیفوں میں خوش رہتا ہے اور وہ اُس بڑی چیز کے لپک لینے کو اُچھلتی ہے جو ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتی ہے اور آخر اس اُمید کی خوشی میں اس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے کہ قیامت کے دن اُس سے مل جاوے گی ❊

حضرت داؤد علیہ السلام نے نہایت مصیبت اور تکلیف کے وقت میں خدا کی مناجات میں اس مضمون کا گیت گایا تھا ❊

میں ہمیشہ خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہوں وہ میری داہنی طرف ہے اسی لئے میں گھبراتا نہیں میرا گوشت بھی اسی امید میں رہے گا کہ تو میری روح کو جہنم میں نہ ڈالے۔ تو اپنی چیز کو خراب ہوتے ہوئے نہ دیکھے گا۔ تو ہی مجھ کو زندگی کے طریق دکھلاوے گا۔ تیری ہی حضور میں خوشی کا کمال ہے۔ تیری ہی داہنی طرف ہمیشہ کی خوشی ہے آمین ❊

راقم اے سکڑی سید احمد

ریا

دنیا میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دنیا دار اور رند مشرب آدمی جس قدر کہ در اصل وہ بد ہیں اُس سے زیادہ اپنے تئیں بد بتاتے ہیں دینداری کی بناوٹ کرنے والے جس قدر کہ ہوتے ہیں اُس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو جتلاتے ہیں وہ تو دینداری کی ذرا ذرا سی باتوں سے بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماشہ ہنسی اور لچ پنے کی باتوں کی جن کو در اصل اُنھوں نے کیا بھی نہیں گپیں اڑاتے ہیں اور یہ حضرت بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری دینداری کے پردہ میں چھپاتے ہیں اور ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کے آدمی چنداں برے نہیں ہیں مگر ایک اور تیسری قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں

قسموں سے علیحدہ ہیں اور انھیں کا کچھ ذکر میں اس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اُن کی بناوٹ ایک اور ہی عجیب قسم کی ہے وہ اپنی بناوٹ سے دُنیا کے لوگوں ہی کو فریب نہیں دیتے۔ بلکہ اکثر خود آپ بھی دھوکہ میں پڑتے ہیں۔ وہ بناوٹ خود اُن سے اُنھیں کے دل کے حال کو چھپاتی ہے جس قدر کہ درحقیقت وہ نیک ہیں اُس سے زیادہ اُن کو نیک جتاتی ہے۔ پھر تو وہ لوگ یا اپنی بدیوں پر خیال ہی نہیں کرتے۔ یا ان بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں مقدس داؤد نے نہایت دلچسپ لفظوں میں اس بُرائی سے پناہ مانگی ہے۔ اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے۔ کون اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھ کو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر۔ جو لوگ علانیہ بدی کرتے ہیں اگر اُن کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کے لئے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو درحقیقت موت کی راہ چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں اور کتنے نصیحت کے محتاج ہیں پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو دل کے کونوں میں چھپی ہوتی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان سکتا معلوم ہو سکیں +

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہم کو کیا کہتے ہیں ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں یا تو ہمارے عیب اُن کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ اُس کو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے اُن کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم اُن کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے دشمن ہم کو خوب ٹٹولتا ہے اور کونے کونے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے چھوٹی بات کو بہت بڑا کر دیتا ہے مگر اکثر اُس کی کچھ نہ کچھ اصل ہوتی ہے + ع تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو اس لئے ہم کو اپنے دشمن کا زیادہ احسانمند ہونا چاہئے کہ وہ ہم کو ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے اگر ہم نے اُس کے طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہم کو وہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق اُستاد سے ملنا چاہئے تھا +

دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا ہے ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں۔ سچ ہے کہ

دشمن اندوست ناصح ترہست این جز نکوئی نگوید و آن جز بدی نجوید۔

پلوٹارک کا دشمنی کے فائدوں پر ایک مضمون ہے اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ۔ دشمن جو ہم کو بدنام کرتے ہیں اُس سے ہم کو ہماری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریر میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی معلوم نہیں ہوتے۔

علی ہذا القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو ہم کو اس بات پر غور کرنی چاہیئے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُس میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ سوچنا چاہیئے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عمدہ غرض سے اور نیک نیتی سے دُنیا کو فائدہ پہنچانے کے لئے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر ہم کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیکیاں جن کے سبب سے ہماری تعریف کرنے والے ہماری تعریف کرتے ہیں در اصل ہم میں کہاں تک ہیں ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا یہ حال ہے کہ کبھی تو ہم لوگوں کی رایوں کو جو ہماری نسبت ہیں پسند کر کر اپنے تئیں بہت بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی اُن کو ناپسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کہتا ہے اُس کے مقابلہ میں ان تمام رایوں کو نہیں مانتے۔

ہم کو ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے درحقیقت اُس کی نیکی مشتبہ ہے زیادہ اصرار کرنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و منزلت کرنی چاہیئے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک دل ہیں اور جس طرح ہم نیک دلی سے بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیک دلی سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں مگر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اُن اختلاف کرنے والوں نے صرف آزادی رائے اور اُس دلی نیکی سے جس کے سرچشمہ کی سوت قدرت نے ہر ایک انسان کے دل میں کھولی ہے اختلاف کیا ہے یا کسی بیرونی دباؤ سے یا پابندی رسم و رواج اور تعصب اور تقلید نے اُن کے دل کو پھیرا ہے کیونکہ اگر یہ پچھلی بات اختلاف رائے کا سبب ہے تو وہ نہایت بے قدر ہو جاتی ہے۔

جہاں ہم کو دھوکا کھانے کا احتمال ہے وہاں ہم کو نہایت ہوشیاری اور بہت خبرداری سے کام کرنا چاہیئے حد سے زیادہ گرمی اور تعصب اور کسی خاص فرقے کو یا کسی خاص راے کے لوگوں کو برا اور حقیر سمجھنا یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ہزاروں آفتیں پیدا ہوتی ہیں وہ فی نفسہ نہایت بری ہیں گو کہ وہ ہم سے کمزور دل آدمیوں کو

اچھی معلوم ہوتی ہوں۔ مگر اس پر بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دینداری اور نیکی کے لیے نہایت مشہور ہیں مگر نہایت لغو اور بیہودہ شیطانی اصولوں کو نیکی سمجھ کر اپنے دلوں میں اُس کی جڑ گاڑدی ہے۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نے کوئی آج تک ایسا عقلمند اور انصاف پسند شخص نہیں دیکھا جس میں پوری پوری یہ سب باتیں ہوں اور پھر بھی وہ گناہ سے پاک ہو۔

اسی طرح ہم کو اُن کاموں سے بھی ڈرنا چاہیے جو انسان کے کمزور دل کی قدرتی بناوٹ سے یا کسی خاص شوق سے یا کسی تعلیم کے اثر سے یا کسی اور سبب سے ہوتی ہیں جس میں ہمارا دنیوی فائدہ ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی سمجھ نہایت آسانی سے حق بات کی طرف سے پھر جاتی ہے اور اس کا دل غلطی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور یہی باتیں ہیں جن کے سبب سے تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ برائیاں اور لامعلوم عیب انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذبوں کی بھی غرض ہو اُس کے کرنے میں عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اُس پر شبہ کرنا چاہیے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی برائی چھپی ہوئی ہوگی۔

اے ڈی کانگ سید احمد

مخالفت

دشمنی اور عداوت حسد اور رنجش اور ناراضی کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے جو خود اسی شخص میں کمینہ عادتیں اور رذیل اخلاق پیدا کرتا ہے بعوض اس کے کہ وہ اپنے مخالف کو کچھ نقصان پہنچاوے خود اپنا آپ نقصان کرتا ہے اس انسانی جذبہ کو ہم مخالفت کہتے ہیں۔

دشمنی اور عداوت کا منشا اکثر اتلاف حقوق کے سبب سے ہوتا ہے۔ زر یا زن زمین یا خون اُس جذبہ کے جوش میں آنے کے باعث ہوئے ہیں۔

حسد کا منشا صرف وہ اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں جو محسود میں ہیں اور حاسد اُن کا خواہاں ہے مگر وہ اُس میں نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

رنجش اور ناراضی اکثر باہمی معاشرت میں خلل واقع ہونے سے ہوتی ہے۔

مگر ان سب کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے جو بغیر ان سببوں کے جوش میں آتا ہے اُس کا منشا نہ زر و زمین

زن کی دشمنی ہوتی ہی اور نہ مخالف کے اوصاف حمیدہ کی خواہش ہوتی ہی کیونکہ یہ شخص اپنے مخالف کے اوصاف حمیدہ کو اوصاف حمیدہ ہی نہیں تصور کرتا اور نہ باہمی معاشرت کا خلل اُس کا باعث ہوتا ہی اس لئے اکثر اُن دونوں میں ملاقات اور واقفیت بھی نہیں ہوتی بلکہ اس کا منشا صرف یہ ہوتا ہی کہ اس کی مخالف رائے عقل و سمجھ دوسرے فریق کی رائے اور سمجھ سے مخالف ہوتی ہی +

یہ جذبہ مخالفت قریباً کل انسانوں میں پایا جاتا ہی مگر مہذب ور تربیت یافتہ اور نیک دل آدمیوں میں اُس کا ظہور اور طرح پر ہوتا ہی نامہذب ور ناتربیت یافتہ بد ذات آدمیوں میں اُس کا ظہور دوسری طرح پر ہوتا ہی پہلا اُس مخالفت سے ہر قسم کے فائدے اوٹھاتا ہی اور دوسرا اُن فائدوں سے بھی محروم رہتا ہی اور دنیا میں خود اپنے تئیں بد طینت اور کذاب ور نامہذب ثابت کرتا ہی +

دنیا میں یہ بات قریباً ناممکن ہی کہ تمام لوگ ایک رائے پر گو وہ کیسی ہی صحیح اور سچ ہو متفق ہو جاویں - پس ضرور ہی کہ آپس میں اختلاف رائے ہو نیک آدمی اپنے مخالف کی رائے کو نہایت نیک دلی سے سوچتا ہی - اور ہمیشہ یہ ارادہ رکھتا ہی کہ اگر اُس میں کوئی اچھی بات ہو تو اُس کو چن لوں اور اگر سمجھ میں کوئی غلطی ہو تو اُس کو صحیح کر لوں اور جب ایسی کوئی بات اُس میں نہیں پاتا تو اپنے مخالف کی غلطیوں کی اصلاح کے درپے ہوتا ہی اور ان غلطیوں کو اس طرح پر بتاتا ہی جیسے ایک دلسوز دوست بتاتا ہی کہیں کہیں طبیعت کو تر و تازہ کرنے کے لئے نہایت دلچسپ ظرافت بھی کر بیٹھتا ہی اور کبھی کبھی کوئی لطیفہ بھی بول اُٹھتا ہی اور باوجود مخالفت کے ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہی +

کمینہ طبیعت اور نامہذب ناشائستہ آدمی یہ رستہ نہیں چلتا وہ بات کی حسن و قبح کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے مخالف کے عیوب ذاتی سے بحث کرنے لگتا ہی سخت کلامی درشت گوئی سب و شتم اپنا پیشہ کر لیتا ہی اپنے مخالف کے عیوب واقعی ہی کے بیان پر بس نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کے بہتان اُس پر لگاتا ہی اور جھوٹی جھوٹی باتیں اُس کی طرف منسوب کرتا ہی اور خود مورد لعنۃ اللہ علی الکاذبین بنتا ہی - اس راہ چلنے سے اور جھوٹ اتہام کرنے سے اور لعنت خدا کا مورد بننے سے اُس کا مطلب اپنے مخالف کو بدنام کرنا اور عام لوگوں میں جو اُس کے مخالف کے حال سے واقف نہیں ہیں ناراضی پیدا کرنا ہوتا ہی - مگر درحقیقت اُس کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا

اور بعوض اس کے کہ اُس کا مخالف بدنام ہو خود وہی زیادہ رسوا اور بدنام ہوتا ہے اس لیے کہ جب اُس مخالف کی برائی جو اُس نے براہ کذب و اتہام اُس کی نسبت منسوب کی ہے مشہور ہوتی ہے تو کوئی تو اُس کو سچ سمجھتا ہے اور بہت لوگ اُس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں اور جب اُس کی کچھ اصل نہیں پاتے تو بعوض اُس کے مخالف کے خود اُسی کذاب پر لعنت اور تھو تھو کرتے ہیں اور بقول شخصے کہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی قلعی کھل جاتی ہے اور وہ جھوٹا بدگو خود اُسی گڑھے میں گرتا ہے جو اُس نے اپنے مخالف کے لیے کھودا تھا پس انسان کو چاہیے کہ اپنے مخالف سے بھی مخالفت کرنے میں سچائی اور راستبازی نیکی اور نیک دلی کو کام میں لاوے کہ یہی طریقہ اپنے مخالف پر فتح پانے کا ہے ورنہ بعوض اپنے مخالف کے خود اپنے تئیں آپ رسوا کرتا ہے ٭

خوشامد

دل کی جس قدر بیماریاں ہیں اُس میں سب سے زیادہ مہلک خوشامد کا اچھا لگنا ہے جس وقت کہ انسان کے بدن میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو وبائی ہوا کے اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے تو اُسی وقت انسان مرض مہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جبکہ خوشامد کے اچھا لگنے کی بیماری انسان کو لگ جاتی ہے تو اُس کے دل میں ایک ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ زہریلی باتوں کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے جس طرح کہ خوش گلو گانے والے کا راگ اور خوش آیند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے۔ اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو ایسا پگھلا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چبھنے کی جگہ اُس میں ہو جاتی ہے ٭

اول اول یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ خوشامد کرتے ہیں اور اپنی ہر ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ ہی آپ اپنی خوشامد کر کر اپنے دل کو خوش کرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ اوروں کی خوشامد ہم میں اثر کرنے لگتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو خود ہم کو اپنی محبت پیدا ہوتی ہے پھر یہی محبت ہم سے باغی ہو جاتی ہے اور ہمارے بیرونی دشمنوں سے جا ملتی ہے اور جو محبت و مہربانی ہم خود اپنے ساتھ کرتے تھے وہ ہم خوشامدیوں کے ساتھ کرنے لگتے ہیں اور وہی ہماری محبت ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ اُن خوشامدیوں پر مہربانی کرنا نہایت حق و انصاف ہے جو ہماری باتوں کو ایسا اچھا سمجھتے ہیں اور اُن کی اس قدر قدر کرتے ہیں جبکہ ہمارا دل ایسا نرم ہو جاتا ہے اور اس قسم کے پھسلاوے اور فریب میں آ جاتا ہے تو ہماری عقل خوشامدیوں کے مکر و فریب سے اندھی ہو جاتی ہے اور وہ

مکروفریب ہماری بیمار طبیعت پر بالکل غالب آجاتا ہے۔

لیکن اگر ہر شخص کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ خوشامد کا شوق کیسے نالایق اور کمینہ سببوں سے پیدا ہوتا ہے تو یقینی خوشامد کی خواہش کرنے والا شخص بھی ایسا ہی نالائق اور کمینہ متصور ہونے لگے گا۔ جبکہ ہم کو کسی ایسے وصف کا شوق پیدا ہوتا ہے جو ہم میں نہیں ہے یا ہم ایسے بنا چاہتے ہیں جیسے کہ درحقیقت ہم نہیں ہیں تب ہم اپنے تئیں خوشامدیوں کے حوالہ کرتے ہیں جو اوروں کے اوصاف اور اوروں کی خوبیاں ہم میں لگانے لگتے ہیں۔ گو سبب اُس کمینہ شوق کے اس خوشامدی کی باتیں ہم کو اچھی لگتی ہوں مگر درحقیقت وہ ہم کو ایسی ہی بدزیب ہیں جیسے کہ دوسروں کے کپڑے جو ہمارے بدن پر کسی طرح ٹھیک نہیں۔ اس بات سے کہ ہم اپنی حقیقت کو چھوڑ کر دوسرے کے اوصاف اپنے میں سمجھنے لگیں یہ بات نہایت عمدہ ہے کہ ہم خود اپنی حقیقت کو درست کریں اور سچ سچ وہ اوصاف خود اپنے میں پیدا کریں اور بعوض جھوٹی نقل بننے کے خود ایک اچھی اصل ہو جاویں کیونکہ ہر قسم کی طبیعتیں جو انسان رکھتے ہیں اپنے اپنے موقع پر مفید ہو سکتی ہیں ایک تیز مزاج اور چست چالاک آدمی اپنے موقع پر ایسا ہی مفید ہوتا ہے جیسے کہ ایک دتی صورت کا چپ چاپ آدمی اپنے موقع پر۔

خودی جو انسان کو برباد کرنے والی چیز ہے جب چپ چاپ سوئی ہوئی ہوتی ہے تو خوشامد اُس کو جگاتی اور اُبھارتی ہے اور جس کی خوشامد کی جاتی ہے اُس میں چھچھورپن کی کافی لیاقت پیدا کر دیتی ہے۔ مگر یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح خوشامد ایک بدتر چیز ہے اسی طرح مناسب اور سچی تعریف کرنا نہایت عمدہ اور بہت ہی خوب چیز ہے جس طرح کہ لایق شاعر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کہ اُن اشعار سے اُن لوگوں کا نام باقی رہتا ہے جن کی وہ تعریف کرتے ہیں اور شاعری کی خوبی سے خود اُن شاعروں کا نام بھی دنیا میں باقی رہتا ہے۔ دونوں شخص خوش ہوتے ہیں ایک اپنی لیاقت کے سبب سے اور دوسرا اس لیاقت کو تمیز کرنے کے سبب سے مگر لیاقت شاعری کی یہ ہے کہ وہ نہایت بڑے استاد مصور کی مانند ہو کہ وہ اصل صورت اور رنگ اور خال خط کو بھی قائم رکھتا ہے اور پھر بھی تصویر ایسی بناتا ہے کہ خوشنما معلوم ہو۔

ایشیا کے شاعروں میں ایک بڑا نقص یہی ہے کہ وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے بلکہ جس کی تعریف کرتے ہیں اُس کے اوصاف ایسے جھوٹے اور ناممکن بیان کرتے ہیں جن کے سبب سے وہ تعریف

نہیں رہتی بلکہ فرضی خیالات ہو جاتے ہیں +

ناموری کی مثال نہایت عمدہ خوشبو کی ہے جب ہوشیاری اور سچائی سے ہماری جب ذا التعریف ہوتی ہے تو اس کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے عمدہ خوشبو کا مگر جب کسی کر زور دماغ میں زبردستی سے وہ خوشبو ٹھونس دی جاتی ہے تو ایک تیز بو کی مانند دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔ فیاض آدمی کو بدنامی اور نیکنامی کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور عالی ہمت طبیعت کو مناسب عزت اور تعریف سے ایسی ہی تقویت ہوتی ہے جیسی کہ غفلت اور حقارت سے پست ہمتی ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ عوام درجہ سے اوپر ہیں انھیں لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے جیسے کہ تھرما میٹر میں وہی حصہ موسم کا زیادہ اثر قبول کرتا ہے جو صاف اور سب سے اوپر ہوتا ہے +

راقم
ایس۔ ٹی سید احمد

گذرا ہوا زمانہ

برس کی اخیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے رات بھی ڈراونی اور اندھیری ہے گھٹا چھا رہی ہے بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے آندھی بڑے زور سے چلتی ہے دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اُتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھنکے ہوئے مُنہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہیں +

پچھلا زمانہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے اپنا لڑکپن اُسکو یاد آتا ہے جبکہ اُس کو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی روپیہ اشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔ سارا گھر ماں باپ بھائی بہن اُس کو پیار کرتے تھے پڑھنے کے لیے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لیے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُس کو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اُٹھتا تھا۔ ہائے وقت ہائے وقت ہائے گذرے ہوئے زمانے افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا +

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا اپنا سُرخ سفید چہرہ سڈول ڈیل بھرا بدن رسیلی آنکھیں موتی کی

لڑی سے دانت اُمنگ میں بھرا ہوا دل جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اُسے یاد آئی تھی۔ اُس آنکھوں میں اندھیرا چھپائے ہوئے زمانہ میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خداپرستی کی باتیں بتاتے تھے اور یہ کہتا تھا کہ آہ ابھی بہت وقت ہے۔ اور بڑھاپے آنے کا کبھی خیال بھی کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور خداپرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیے تیار رہتا آہ وقت گذر گیا آہ وقت گذر گیا اب پچھتائے کیا ہوتا ہے افسوس میں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہہ کر برباد کیا کہ۔ ابھی وقت بہت ہے +

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا کھڑکی کھولی دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراونی ہے اندھیری گھٹا چھا رہی ہے بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے ہولناک آندھی چل رہی ہے درختوں کے پتے اڑتے ہیں اور ٹہنے ٹوٹتے ہیں تو تب وہ چلا کر بولا ہائے ہائے میں میری گذری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراونی ہے جیسی یہ رات۔ یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ آ بیٹھا +

اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ بھائی بہن دوست آشنا یاد آئے جنکی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں ماں گویا محبت سے اُس کو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے یہ کہتے ہوئی کہ ہائے بیٹا وقت گذر گیا باپ کا نورانی چہرہ اُس کے سامنے ہے اور اُس میں سے یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا ہم تمہارے ہی بھلے ہی کے لئے نہ کہتے تھے بھائی بہن دانتوں میں اُنگلی دبائے خاموش ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے دوست آشنا سب خاموش کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں +

ایسی حالت میں اُس کو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اُس نے نہایت بے پروائی اور بے مروتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ بھائی بہن دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں ماں کو رنجیدہ رکھنا باپ کو ناراض کرنا بھائی بہن سے بے مروت رہنا دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا اور اس پر اُن گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا اُس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا کہ۔ ہائے وقت نکل گیا ہائے وقت نکل گیا اب کیونکر اس کا بدلا ہو +

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا اور ٹکراتا ٹٹولتا کھڑکی تک پہنچا اُس کو کھولا اور دیکھا کہ ہوا اچھی ٹھہری ہے

اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے پر رات ویسی ہی اندھیری ہے اُس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا
اِتنے میں اُس کو اپنا ادھیڑ پنا یاد آیا جس میں نہ وہ جوانی رہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جوبن نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے ولولوں کا جوش۔ اُس نے اپنے اُس نیکی کے زمانہ کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا وہ اپنا روزہ رکھنا نمازیں پڑھنی حج کرنا زکوٰۃ دینا بھوکوں کو کھلانا مسجدیں اور کنوئیں بنوانا یاد کر کر اپنے دل کو تسلّی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی اپنے پیروں کو جن سے بیعت کی تھی اپنی مدد کو پکارتا تھا مگر دل کی بیقراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کے ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں مسجدیں ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں کنوئیں اندھے پڑے ہیں نہ پیر اور نہ فقیر کوئی اُس کی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے۔ اُس کا دل پھر گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سوجھی اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اُٹھا۔ ہائے وقت ہائے وقت میں نے تجھ کو کیوں کھو دیا ۔

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا اُس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے آندھی تھم گئی ہے گھٹا کھل گئی ہے تارے نکل آئے ہیں اُن کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہو گیا ہے وہ دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُس کو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اُس میں ایک خوبصورت دلھن نظر آئی اُس نے ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا شروع کیا جوں جوں وہ اُسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ اُس کے بہت پاس آ گئی وہ اُس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجہ سے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو وہ بولی میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں اُس نے پوچھا کہ تمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے وہ بولی ہاں ہے۔ انسان کی بھلائی اور اُس کی بہتری میں سعی کرنے سے اُس کی میں مسخّر ہوتی ہوں دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے انسان ہی ایسی چیز ہے جو آخیر تک رہے گا پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل آخیر تک چلی آتی ہے نماز روزہ حج زکوٰۃ اسی تک ختم ہو جاتا ہے جس کی موت اُن سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے مادی چیزیں بھی چند

روز بیں فنا ہوجاتی ہیں مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے میں تمام انسانوں کی روح ہوں جو مجھکو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں تو دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دلھن غائب ہوگئی اور بڈھا پھر اپنی جگہ آ بیٹھا +

اب پھر اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی بچپن سے اس عمر تک کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا اُس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے نیک کام جو کئے تھے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی نظر سے کئے تھے خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا +

اپنا حال سوچ کر وہ اُس دل فریب دلھن کے ملنے سے مایوس ہوا اخیر زمانہ دیکھ کر آئندہ کرنے کی بھی کچھ امید نہ پائی تب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بے قرار ہو کر چلا اُٹھا۔ ہائے وقت ہائے وقت کیا پھر تجھے میں بلا سکتا ہوں ہائے میں دس ہزار دینار دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک آہ سرد بھری اور بیہوش ہوگیا +

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ اُس کی کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی اُس کی پیاری ماں اُس کے پاس آ کھڑی ہوئی اُس کو گلے لگا کر اُس کی چمی لی اُس کا باپ اُس کو دکھائی دیا چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اُس کے گرد آ کھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں برس کے برس دن تو ناحق کیوں تو بیقرار ہے کس لئے تیری ہچکی بندھ گئی ہے اُٹھ منہ ہاتھ دھو کپڑے پہن نوروز کی خوشی منا تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا اُس نے سن کر اُس کو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اُس پشیمان بڈھے نے کیا بلکہ ایسا کر جیسا تیری دلھن نے تجھ سے کہا +

یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکار اُٹھا کہ۔ او یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے میں کبھی اُس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اُس دلھن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا او خدا او خدا تو میری مدد کر آمین

بس ای میرے پیارے نوجوان ہموطنوں اور اے میری قوم کے بچوں اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش
کرو تاکہ اخیر وقت میں اُس بڈھے کی طرح نہ پچتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہی اب خدا سے یہ دعا ہی کہ کوئی نوجوان
اُٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے آمین +

راقم
سید احمد

بحث و تکرار

جب کُتّے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر
دیکھنا شروع کرتے ہیں پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز اُن کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہی پھر تھوڑا سا جبڑا کھلتا ہی
اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہی پھر باچھیں چر کر کانوں سے جا لگتی ہیں
اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہی ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں مُنہ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں
اور عنیف آواز کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں اُس کا ہاتھ اُس کے گلے
میں اور اُس کی ٹانگ اُس کی کمر میں اُس کا کان اُس کے منہ میں اور اس کا ٹینٹوا اُس کے جبڑے میں اُس نے
اُس کو کاٹا اور اُس نے اُس کو پچھاڑ کر بھنبوڑا جو کمزور ہوا دُم دبا کر بھاگ نکلا +

نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح پر تکرار ہوتی ہی پہلے صاحب سلامت کر کے آپس میں
مل بیٹھتے ہیں پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہی ایک کوئی بات کہتا ہی دوسرا بولتا ہی واہ یوں نہیں یوں ہی
وہ کہتا ہی واہ تم کیا جانو وہ بولتا ہی تم کیا جانو دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہی تیوری چڑھ جاتی ہی رخ بدل جاتا ہی
آنکھیں ڈراونی ہو جاتی ہیں باچھیں چر جاتی ہیں دانت نکل پڑتے ہیں تھوک اُڑنے لگتا ہی باچھوں تک کف
بھر آتے ہیں سانس جلدی چلتا ہی رگیں تن جاتی ہیں آنکھ ناک بھوں ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے
ہیں عنیف عنیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں آستین چڑھا ہاتھ پھیلا اُس کی گردن اُس کے ہاتھ میں اور اُس کی
ڈاڑھی اُس کے ہاتھ میں لپا ڈُگی ہونے لگتی ہی کسی نے بیچ بچاؤ کر کر چھوڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر
چلا گیا اور ایک اُدھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور نے پٹ کر کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے
اپنی راہ لی +

جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اُسی قدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے کہیں غرفش ہو کر رہ جاتی ہے کہیں تو تکار تک نوبت آجاتی ہے کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گذر جاتی ہے مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے*

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اُس کے پرکھنے کے لئے بحث و مباحثہ ہی کسوٹی ہے اور اگر سچ پوچھو تو مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شائستگی محبت اور دوستی کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے*

پس اے میرے عزیز ہموطنوں جب تم کسی کی برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ہاتھ سے مت دو اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو چہرہ لہجہ آواز وضع لفظ اس طرح رکھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے تردید کی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ استعمال کرو مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں جب دو تین دفعہ بات کا الٹ پھیر ہوا اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ یہ کہہ کر کہ میں اس بات کو پھر سوچونگا۔ یا اس پر پھر خیال کرونگا جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اس دو تین دفعہ کی الٹ پھیر سے تمہارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمہارا مطلب باتوں کی اس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا شبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونو کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز (جیسے کہ دوستی) ہاتھ سے جاتی رہتی ہے*

جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونو کو ناراض کر دیتی جب یہ دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد ممکن ہو اُس کو ختم کر دو اور

آپس میں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کریں میں چاہتا ہوں کہ میرے ہم وطن اس بات پر غور کریں کہ اُن کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے۔

راقم
سی۔ ایف۔ سید احمد

امید کی خوشی

اے آسمان پر بکھرے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تاروں تمھاری خوشنما چمک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھوندلی چوٹیوں۔ اے پہاڑ کے عالیشان درختو۔ اے اونچے نیچے ٹیلوں کے دلکش بیل بوٹوں تم بہ نسبت ہمارے پاس کے درختوں اور سرسبز کھیتوں کے اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو۔ اس لیے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تم کو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمھارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی ہم کو زیادہ خوش کرنے والی ہے وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جس کو سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں کیا وہ ہم کو آئندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ہرگز نہیں۔ اُس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دوڑ دھوپ کرے تو نیچر تک اُس کی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے۔

او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی۔ امید۔ یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہم کو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے آڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہمکو نہایت ہی پاس نظر آتی ہیں۔ تیری ہی سے ہمارے زندگی کی مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں تیری ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے لیے نام آوری کے لیے بہادری کے لیے فیاضی فیاضی کے لیے محبت محبت کے لیے نیکی نیکی کے لیے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری فرماں بردار ہیں۔

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے جنگل میں پھنسا اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیر لیا تو صرف تو ہی اُس کے ساتھ رہی تو ہی نے اُس نا امید کو نا امید ہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس موت میں پھنسے دل کو

مرنے نہیں دیا تو ہی نے اُس کو اُس ذلت سے نکالا اور پھر اُس کو اُسی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُس کو سجدہ کیا تھا +

اُس نیک نبی کو جس نے سیکڑوں برس اپنی قوم کے ہاتھ سے مصیبت اٹھائی اور مار پیٹ سہی تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا - وہ پہلا ناخدا جب کہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی - تیرے ہی نام سے جودی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ہے - زیتون کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی جو کچھ برکت ہے تیرے ہی بدولت ہے +

اے آسمانوں کی روشنی اور اے ناامید دلوں کی تسلی امید تیرے ہی شاداب و سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے - تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے - تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے وہاں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحان جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں اُس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں اور دور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آموجود ہوتی ہیں +

دیکھ ناداں بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے اُس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے - ہاتھ کام میں اور دل بچہ میں ہے اور زبان سے اُس کو لوری دیتی ہے سورہ میرے بچے سورہ - اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ - اے میرے دل کی کونپل سورہ - بڑھ اور پھول پھل تجھ پر خزاں نہ آنے پاوے - تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ چبھے کوئی کٹھن گھڑی تجھ پر نہ آوے - کوئی مصیبت جو تیری ماں نے بھگتی تو نہ دیکھے - سورہ میرے بچے سورہ - میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ - تیرا طالع چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی تیری شہرت تیری لیاقت تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا آخر کار ہمارے دل کو تسلی دیں گی تیری ہنسی ہمارے اندھیرے گھر کا اُجالا ہوگی تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے

غم کو دور کریں گی۔ تیری آواز ہمارے لیئے خوش آیند راگنیاں ہونگی۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے ہماری امیدوں کے پودے سورہ۔ لو لو جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کروگے۔ تم ہماری بیجان لاش پاس کھڑے ہوگے تم پوچھوگے اور ہم کچھ نہ بولیں گے تم روؤگے اور ہم کچھ رحم نہ کریں گے۔ اے میرے پیارے رونے والے تم ہمارے ڈھیر پر آکر ہماری روح کو خوش کروگے۔ آہ ہم نہ ہونگے اور تم ہماری یادگار میں آنسو بہاؤگے۔ اپنی ماں کا محبت بھرا چہرا اپنے باپ کی نورانی صورت یاد کروگے۔ آہ ہم کو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہوگے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ سورہ میرے بالے سورہ ✠

یہ امید کی خوشیاں ماں کو اس وقت تھیں جبکہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کرسکتا تھا مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں اباں کہنا سیکھا اُس کی پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتش محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا پھر مکتب سے اُس کو سرکار بڑا رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزدہ دل سے سُنانے لگا اور جبکہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھ کر منہ ہاتھ دھوکر اپنے ماں باپ کے سامنے صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل بے گناہ زبان بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو امید کی خوشیاں اور کسقدر زیادہ ہوگئیں اُس کے ماں باپ اُس معصوم سینہ سے سچی ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں اور ہماری پیاری امید تو ہی ہے تو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے ✠

دیکھو وہ اندھا بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا رو رہا ہے اس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے ریوڑ میں سے غائب ہوگیا ہے وہ اُس کو ڈھونڈھتا ہے پر وہ نہیں ملتا مایوس ہوکر امید نہیں ٹوٹی۔ لہو بھرا دانتوں چھٹا کرتا دیکھتا ہے پر ملنے سے نا امید نہیں فاقوں سے خشک ہے غم سے زار نزار ہے روتے روتے آنکھیں سفید ہوگئی ہیں کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک امید ہے جس نے اُس کو وصل کی امید میں زندہ اور اس خیال میں خوش رکھا ہے ✠

دیکھو وہ بیگناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے اُس سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے بڈھے باپ کا غم اس کی روح کو

صدمہ پہنچاتا ہے عزیز بھائی کی جدائی اُس کے دل کو غمگین رکھتی ہے قید خانہ کی مصیبت اُس کی تنہائی اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بے گناہی کا خیال اُس کو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے مگر اسے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید تجھی میں اُس کی خوشی ہے +

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے ہزاروں خطرے در پیش ہیں مگر سب میں تقویت تجھی سے ہے۔ لڑائی کے میدان میں جبکہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کے میدان ایک سُن سان کا عالم ہوتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرأت ہوتی ہے۔ اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہنچتی ہے اور وہ آنکھ اُٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے۔ اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُس کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کیسے کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کیسی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سُنتا ہے۔ اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اسے بہادروں کی قوت بازو اور اسے بہادری کی ماں تیرے ہی سبب سے فتح مندی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سنتا ہے +

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے یگانوں بیگانوں سے ملتا ہے ہر ایک کی بول چال میں اپنا مطلب ڈھونڈتا ہے مشکل کے وقت ایک ٹھ ہی مایوسی سے مدد مانگتا جنکی بھلائی چاہتا ہے اُنھیں کو دشمن پاتا ہے شہری وحشی بتاتے ہیں دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھاتے ہیں بھائی بند عزیز اقارب سب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چُپ ہو رہتے ہیں +

وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں　　بھائی سید تو کچھ دوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر ہاں ہاں کر کر محنت اور دلسوزی سے دور رہ کر۔ بہت سی ہمدردی

کرتے ہیں پر کوٹھی کٹھلے سے الگ کر- دل ہر وقت بیقرار ہے کسی کو اپنا سا نہیں پاتا کسی پر دل نہیں ٹھیرتا مگر اے بیقرار دلوں کی راحت اور اے شکستہ خاطروں کی تقویت- تو ہی ہر دم ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے دل کی تسلی ہے تو ہی ہماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ہے تیری ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچیں گے تیرے ہی سبب گوہر مراد کو پاویں گے اور ہمارے دل کی عزیز اور ہمارے پیارے مہدی کی پیاری- اُمید- تو ہمیشہ ہمارے دل کی تسلی دے +

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید جبکہ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لب بام ہوتا ہے ہاتھ پاؤں میں گرمی نہیں رہتی رنگ فق ہو جاتا ہے منہ پر مردنی چھاتی ہے ہوا ہوا میں پانی پانی میں مٹی مٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سہارے وہ کٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے +

اُس وقت اس سرد چہرے پر اور آہستہ آہستہ ملتے ہوئے ہونٹوں اور بے خیال بند ہوتی ہوئی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ہے تیری صدا کان میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی اُمید ہوتی ہے +

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیے موسم بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے اُس لازوال آنے والی خوشی کی امید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے گو کہ موت ہر دم جتاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک چیز ہے +

اور ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہم کو ہمیشہ رہنا ہے جہاں سورج کی کرن اور زمانہ کی لہر بھی نہیں پہنچی تیری راہ تین چیزوں سے طے ہوتی ہے ایمان کے توشہ اور امید کے ہادی اور موت کی سواری سے مگر ان سب میں جس کو سب سے زیادہ قوت ہے وہ ایمان کی خوب صورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام- اُمید- ہے +

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ امید نہیں ہوتی- مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے- قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا آخر

خاتمہ ہو اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہو وہ اپنے اُس بے تکلیف آنے والے زمانہ کی امیدیں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانہ کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہی +

بقدر رہ سکوں راحت بود بنگر تفاوت را　　دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

راقم
سید احمد

انسان وحیوان

لوگوں نے جاندار مخلوق کی دو قسمیں کی ہیں انسان اور حیوان۔ مگر سوچنا چاہیے کہ ان دونوں میں کیا فرق ہی جس کے سبب دو قسمیں قرار دی ہیں کیا چیز ایک میں ہی اور دوسرے میں نہیں فطرت نے ہر ایک جاندار کو کسی نہ کسی چیز کا محتاج بنایا ہی اور اس احتیاج کے رفع کرنے کی تدبیر یا تمیز یا عقل اُس کو عطا کی ہی۔ انسان کو خدا نے ننگا پیدا کیا اُس کو لباس بنانے سردی گرمی سے بچنے۔ لباس کے لئے عمدہ عمدہ نفیس سادے اور گلدار سنہری روپہلی کپڑے بننے کی تدبیر بتائی۔ حیوانوں کا لباس نہایت خوبصورت و نفیس رنگ برنگ سنہرا اور روپہلا گلدار و پر بہار اُنکے ساتھ پیدا کیا۔ قدرت نے گرمی جاڑے کی پوشاک کی تبدیل کا خود ذمہ لیا۔ اُن میں وہ حاجت نہ تھی جو اُس ننگے مخلوق میں تھی اس لیے اُن کو وہ تدبیر نہیں بتائی جو اُس ننگے مخلوق کو سکھائی گو ایک کو ایک تدبیر آئی اور دوسرے کو نہ آئی مگر نتیجہ میں دونوں برابر ہیں۔ بلکہ پچھلا پہلے سے بہتر ہی +

زندگی کے لئے دونوں غذا کے محتاج ہیں ایک کے لئے خود فطرت نے خوان الوان نعمت چن رکھا ہی دوسرا اپنی عرق ریزی سے مہیا کرتا ہی۔ اُس کو اُس عرق ریزی کی حاجت نہ تھی اس لیے اُس کو اُس کی کوئی تدبیر نہ بتائی اور اُس کو عرق ریزی کی حاجت تھی اس کو اُس کی سب تدبیریں سکھلائیں۔ مگر نتیجہ میں دونوں برابر ہیں۔ بلکہ یہ اُس سے افضل ہی +

کہتے ہیں کہ پہلا ذی عقل ہے۔ اگر عقل کے معنی وہ لو جو ہر روز برتنے میں آتے ہیں یعنی وہ شی جس سے حاجت روا ہوتی ہی تو وہ تو دوسرے میں بھی پاتے ہیں۔ تمام حاجتیں جو فطرت نے اُس دوسری مخلوق میں رکھی ہیں اس کے ساتھ وہ شی بھی رکھی ہی جس سے اُن ضرورتوں کو رفع کر سکتا ہی۔ اور اس طرح رفع کرتا ہی کہ پہلا یعنی انسان

اُس طرح رفع نہیں کرسکتا ✢

اُس شے کی کمی و بیشی کا دعویٰ کہ انسان میں زیادہ یا کامل ہے اور حیوان میں کم یا ناقص ایک بے معنی دعوےٰ ہے۔ کامل یا ناقص کم یا زیادہ نسبتی معقولات ہیں جن میں کمی و بیشی کا اطلاق نسبت کے مساوی ہونے پر محض لغو ہے۔ دس کو سو کے مقابل وہی نسبت ہے جو ایک کو دس کے مقابل پھر یہ کہنا کہ دس زیادہ ہیں اور ایک کم بے معنی بات ہے ✢

کہتے ہیں کہ انسان مدرک کلیات و جزئیات ہے۔ اگر ہے تو اُس کو اس کی بھی حاجت ہے اور حیوان کو نہیں اس صورت میں بھی دونوں نتیجہ میں برابر ہوئے بلکہ حیوان اچھا رہا ✢

دیندار کہتے ہیں کہ انسان خاص عبادت کے لئے بنایا گیا۔ اگر عبادت کے یہ معنی ہیں کہ مخلوق وہ کرے جس کے لئے بنایا گیا ہے تو تو شجر و حجر۔ آب و خاک۔ آتش و ہوا۔ چرند و پرند سے زیادہ انسان عابد نہیں ہوسکتا قومی ہمدردی بھی حیوانوں میں پائی جاتی ہے۔ بس قومی ہمدردی بھی انسان کی خاصیت نہیں ہے ✢

ہاں ایک بات انسان میں ہے جو حیوان میں نہیں کہ وہ قومی ہمدردی کے ساتھ اُس قومی ضرورت کا تدارک بھی کرسکتا ہے۔ مگر حیوان نہیں کرسکتا۔ پس جو انسان کہ قومی ہمدردی نہیں کرتے وہ تو حیوانیت سے بھی خارج ہیں اور جو ہمدردی کی صرف زبانی باتیں بناتے ہیں اور عملی طور پر اُس کو کام میں نہیں لاتے وہ اُن جانوروں کی مانند ہیں جو کائیں کائیں کرکے جمع تو ہو جاتے ہیں مگر کچھ کرتے نہیں ✢

اس زمانہ میں ہماری قوم کا یہی حال ہے کہ بعضے تو قومی ہمدردی کے نام سے بھی آشنا نہیں اور بعضے باتیں بہت لمبی چوڑی بناتے ہیں مگر کرتے کچھ نہیں۔ خدا کرے کہ ہماری قوم انسان بنے اور سمجھے کہ اُن کی قوم کس حالت میں مبتلا ہے اور کس کس چیز کی علی الخصوص تعلیم کی اُس کو حاجت ہے۔ پس مقتضائے انسانیت یہی ہے کہ ہم سب مل کر اُس میں مدد دیں اور جن چیزوں کی قوم کو ضرورت ہے اُن کو مہیا کریں ✢

راقم
سید احمد

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

چاندنی رات گرمیوں کے دن پلنگ پہ سفید چادر بچھی ہوئی تھی جیسے ہی کھانا وانا کھا پی پلنگ پر گیا تو ایک شخص لہرا لہرا کے یہ گاتا ہوا نکلا +

یاد داری کہ وقت زادن تو — ہمہ خنداں بدند تو گریاں
آنچناں زی کہ بعد مردن تو — ہمہ گریاں بوند تو خنداں

اُس وقت یہ اشعار مجھے ایسے بھلے معلوم ہوئے کہ میں بھی کچھ گنگنانے لگا آپ جانئے بے فکری کے ایام جوانی کی نیندیں فوراً آنکھ لگ گئی - کیا دیکھتا ہوں کہ ایک باغ پرفضا دریا کے کنارہ پر واقع ہے پانی کے فوارے چھوٹ رہے ہیں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے اور اسی باغ میں ایک کنارہ پر ایک ٹوٹا پھوٹا کنواں اور ایک بڑی پرانی مسجد اور ایک قیانوسی سرا کو دکھائی دی میں اور بھی حیران ہوا کہ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے قریب جا کر جو دیکھتا ہوں تو ہر ایک چیز پر یہ دو دو شعر لکھے ہوئے ہیں +

چاہ

اب کہاں ہیں مجھے تیار کرانے والے — حال میرا ذرہ انکو تو دکھائے کوئی
چند روزہ ہے یہ نیکی نہیں کچھ اسکو قیام — چاہ یوسف ہے کہاں مجھ کو بتائے کوئی

مسجد

رتبہ میں مسجد اقصیٰ کے مقابل میں تھی — بیٹھتے تھے یہاں آ آکے نمازی اکثر
یک بیک ہو گئی افلاک کی گردش کیسی — کوئی رہتا ہی نہیں اب تو بجز چمگادڑ

سرائے

کوئی دن تھے کہ اس سرا میں عزیز — جمگھٹے رہتے تھے حسینوں کے
یاد ہیں اب سوائے حسرت و یاس — کچھ نشاں بھی نہیں مکینوں کے

ان اشعار کو پڑھ کر میں بے اختیار رونے لگا جب آنسو تھمے دل کو کہا لاؤ ذرا مسجد کو ذرا اندر سے بھی دیکھتے چلیں کیا دیکھتا ہوں کہ در و دیوار سے حسرت ٹپک رہی ہے مصلیٰ الگ چت پڑا ہوا ہائے ہائے کر رہا ہے منبر فراق واعظ میں صد دل شکستہ ہے - بدھنیاں ایک طرف ٹوٹی پھوٹی پڑی ہیں تسبیح اپنی طرف ہمہ تن دانہ اشک ہو کر چلا رہی ہے +

وظیفہ پڑھ پڑھ کے کہنے والے کہاں گئے ہائے کوئی بولے ‏ ‏ ‏ ‏ ہزار جاں سے وہ جینے والے کہاں گئے ہائے کوئی بولے

اتنے میں دو چار مسلمان دکھائی دئے میں نے سلام علیک کے بعد اُن سے پوچھا کہ حضرت یہ کون مقام ہے اور یہ کیا کیفیت ہے اُنھوں نے کہا +

یہ ایک بڑا شہر غدار تھا یہاں کے لوگ بڑے بہادر تھے سب مسجدیں اور کنوئیں اُن کی یادگار ہیں یہ لوگ وعظ و نصائح سننے آیا کرتے تھے اب ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کہیں پتہ بھی نہیں چلتا ہزاروں من مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں نہ اپنی کہتے ہیں نہ کسی کی سنتے ہیں لے آؤ تمھیں گورغریباں دکھلائیں۔ میں نے کہا بہت خوب تھوڑی دور چل کر ایک قبرستان شہر کے سردار کی دکھائی دی اُن لوگوں نے جا کر آواز بلند یہ شعر پڑھا +

کہو یاران عدم کیا گذری ‏ ‏ ‏ ‏ کچھ لب گور سے فرمائیے گا

اب گور سے آواز آئی۔ افسوس ہمیشہ رہنے والی نیکی یعنی رفاہ عام اور قومی بھلائی ہم سے نہ ہو سکی تا کہ رہتی دنیا تک پشت در پشت ہمارا نام چلتا مسجدیں کنوئیں سب اپنے دم تک تھے +

بعد فنا کسی نے نہ پوچھا کہ کیا ہوا ‏ ‏ ‏ ‏ یہ کون شخص آج جہاں سے گذر گیا

+ مگر اب کیا ہو سکتا ہے +

جو کچھ کرنا تھا کر چکے ہم ‏ ‏ ‏ ‏ جو کچھ ہونا تھا ہو لیا سب

اتنے میں میری آنکھ کھل گئی +

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

کتاب الرحلۃ

انگریزوں کی معاشرت کا حال

اس کتاب کا مصنف ابو العباس شیخ احمد آفندی ہے اُس نے یورپ میں سفر کر کے اس کتاب کو عربی زبان میں بطور سفرنامہ کے لکھا ہے اور اس میں جزیرہ مالٹا کا حال اور یورپ کے علوم و فنون کی کیفیت بیان کی ہے اِس میں سے جناب مولوی مہدی علی صاحب محسن الملک محسن الدولہ نواب منیر نواز جنگ بہادر نے

بعض مقامات کا ترجمہ اردو میں کیا۔ اُس کا انتخاب ذیل میں لکھتے ہیں

انگریزوں کی آراستگی مکانات

لندن کے رہنے والے اپنے مکانات کو نہایت خوبی سے آراستہ کرتے ہیں یعنی اول تو ضروری چیزیں جو انسان کو چاہیئیں وہ سب انکے مکان میں ہوتی ہیں دوسری اس ترتیب اور قرینے سے سجائی اور لگائی جاتی ہیں کہ جس سے زیادہ اچھا ہونا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ ساری دنیا میں انگریزوں سے بڑھ کر اس کی لیاقت کسی میں نہیں ہے اور یہ ایک عادت ہے جو ان کے خمیر میں ملی ہوئی ہے۔ دوسرا آدمی اس کا برتاؤ کر نہیں سکتا نہ اس طرح پر استعمال کر سکتا ہے اور چونکہ وہ اس کے عادی ہو رہے ہیں اس لیے بے ایسی ترتیب اور سجاوٹ کے وہ خوش نہیں رہ سکتے۔ اگر وہ لوگ مسلمانوں کے شہروں میں جاویں تو ایک دن بھی آرام اور خوشی سے نہ رہیں

انگریزوں کی جسمانی طاقت اور عمر

خاص انگلستان اور ویلز میں تین برس کے اندر ۲۲۲ آدمی ایسے مرے کہ جن کی عمر سو برس سے زیادہ تھی اور جن کے حواس بخوبی صحیح اور جن کی طاقت اچھی طرح باقی تھی بلکہ ایک آدمی ایک سو تیرہ برس کی عمر کا ہو کر مرا اور کبھی اپنی زندگی میں ایک دن کو بھی بیمار نہ ہوا تھا۔ اور ستر برس کی عمر تک تو اکثر آدمی انگلستان کے ایسے جوان رہتے ہیں کہ بڑھاپا اُن کی صورت پر معلوم نہیں ہوتا اور سبب اس کا مولف نے یہ بیان کیا ہے کہ بڑے سبب بڑھاپے کے غم اور تکلیف اور خوف ہیں خصوصاً بے اطمینانی جو حاکموں اور عاملوں کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ ہم مسلمانوں کی سلطنت میں ہے۔ انگلستان میں اگر کسی کے پاس کروڑ روپیہ ہو تو اسے نہ ملکہ کا خوف ہے نہ کسی حاکم کا بلکہ ملکہ اور حاکموں کو اُن کی دولت پر اور فخر ہوگا کیونکہ وہ اپنی رعیت کی دولت کو اپنی دولت اور اپنے ملک کی عزت جانتے ہیں سوا اس کے سامان خوشی کے اور جلسے عیش و طرب کے انگلستان میں اس قدر ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ آدمی دلی خوشی حاصل کر سکتا ہے خلاف ہمارے ملکوں کے کہ کوئی ایسا سامان نہیں ہے اسی واسطے اکثر آدمی روکھے ترش اور کشیدہ خاطر ہوتے ہیں ؎

سردی اور برف

سردی اور برف کے بیان میں ایسے خوش طبعی سے لکھا ہی کہ اگر یہاں کے رہنے والے مسلمان ہوتے تو جنّت کی صفات حسن کراُس کی تمنا نہیں کرتے کیونکہ جب کوئی انسان برف اور سردی میں مبتلا ہو تو وہ کب اس مقام کی آرزو کریگا۔ جہاں پانی بہتا ہو اور گھنے سایہ دار درخت ہوں اور ٹھنڈی ہوا چلتی ہو یہاں وہ حسب خوش ہوتے اگر جنّت کی تعریف یوں ہوتی کہ اس میں خوب آگ روشن ہی اچھے اچھے آتشدان بنے ہوئے ہیں بڑے بڑے ڈھیر جلانے کی لکڑیوں کے لگے ہوئے ہیں نہ کبھی وہاں کی آگ بجھتی ہو نہ آتشدان سرد ہوتے ہوں بس تاپو جہاں تک تاپا جا سکے اور گرم ہو جہاں تک گرم ہو جائے +

عورتوں کا بیان

حسن و جمال میں بے نظیر ہیں اگر کوئی ان عورتوں کو دیکھے جو خدمت گاری کرتی ہیں تو یہی خیال کرے کہ کوئی امیر آدمی ہیں اور اُن کی سادگی کی یہ تعریف ہی کہ نہ وہ مہندی لگاتی ہیں نہ مسّی سرمے سے اپنے دانتوں اور آنکھوں کو سیاہ کرتی ہیں نہ رنگ برنگ کے نیلے پیلے کپڑے پہنتی ہیں بلکہ جیسا خدا نے بنا دیا ہے ویسی ہی صورت رکھتی ہیں سارا تکلّف ان کا بالوں کے گوندھنے اور کپڑوں کی تراش اور وضع میں ہے جو ہزار زیور اور جواہر سے زیادہ خوشنما ہوتا ہی۔ قناعت اور اپنے مردوں کی فرمانبرداری اور خانگی انتظام قابل تعریف ہی خصوصاً اُن کی اس خوش اخلاقی کی کہ اگر کوئی ادنیٰ تحفہ بھی اُن کو دیا جاتا ہی تو بہت خوشی سے قبول کرتی ہیں اور دینے والے کا زبان سے شکر ادا کرتی ہیں +

انگلستان کی عوام عورتوں کی جہالت اور اُن کی فال و نجوم اور رمل و سحر وغیرہ پر اعتقاد رکھنے کی ڈرسی کی برائی مولف نے بیان کی ہی اور ایسے جاہلانہ خیالات میں ایک ہزار ہا عوام عورتوں کو پھنسا ہوا بیان کرتا ہی۔ قصبات اور دیہات کی عورتیں اکثر پاکدامن اور صاحب عصمت ہوتی ہیں اور وہ بہ نسبت شہر والیوں کے زیادہ خوش رہتی ہیں مگر کیا دیہات اور کیا شہر دونوں جگہ عورتوں میں عصمت و عفت کا بڑا خیال ہے اور وہ بہ نسبت فرانس کے عورتوں کے زیادہ باوفا اور صاحب عصمت اور حاضر و غائب یکساں رہتی ہیں +

شریف عورتوں کی خوبیوں اور اُن کے انتظام خانہ داری کی صفت یہاں تک بیان کی ہی کہ وہ لکھتا ہی کہ حق یہ ہی کہ جس نے کبھی انگلستان کی عورت سے شادی کر لی اُس نے سارا عیش پا لیا اور سب رنجوں سے چھوٹ گیا یہ ضرور نہیں ہی کہ وہ زیادہ مالدار اور صاحب دولت ہی ہو تب خوش رہے بلکہ تھوڑی سی آمدنی میں عورتیں اپنی لیاقت سے ایسا انتظام کرتی ہیں کہ گھر بھی پاکیزہ اور صاف ستھرا رہتا ہی اور ساری ضروری چیزیں بھی تیار کر لی جاتی ہیں کفایت شعاری سے خرچ بھی کیا جاتا ہی آمدنی پر بھی ہمیشہ نگاہ رہتی ہی اور اپنی عزت و غیرت کا تو خیال کسی وقت نہیں جاتا یہ سب عورتوں کی خوش انتظامی کا نتیجہ ہی۔

انگریزوں کا اخلاق و عادات

مولف نے وہاں کے لوگوں کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہی پہلے طبقہ میں ڈیوک اور لارڈ اور خاندانی امیروں کو داخل کیا ہی دوسرے طبقہ میں اُن رئیسوں کو شمار کیا ہی جو موروثی جائداد رکھتے ہیں نہ صرف اپنی ذاتی تجارت سے بلکہ خاندانی عزت سے ممتاز ہیں تیسرے طبقہ میں اُن لوگوں کو داخل کیا ہی جو بہ حیثیت سرکاری یا مذہبی کاموں کے اعلیٰ رتبہ رکھتے ہیں چوتھے میں معزز و ممتاز تاجروں اور نوکری پیشوں وغیرہ کو شمار کیا ہی۔ پانچویں میں باقی عام تجارت کرنے والوں اور اہل حرفہ اور ملوں وغیرہ کو لکھا ہی۔

وہ لکھتا ہی کہ پہلے طبقہ کی عادتیں کسی طبقہ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں اور عوام کے طبقہ سے اس قدر کلی مباینت ہی کہ خیال میں نہیں آسکتا کہ یہ دونوں طبقے ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک کے ہیں لیکن قومی محبت اور ملکی فخر کا جوش سب کے دلوں میں یکساں ہی۔

مؤلف نے طبقہ آخر کی بے مروتی اور خود غرضی کی نہایت شکایت کی ہی مگر طبقہ اعلےٰ کے اخلاق و عادات اور عالی دماغی اور بلند نظری اور تواضع کی اس درجہ ثنا و صفت کی ہی کہ انسانوں کے طبقہ سے بھی اُن کو بڑھا دیا ہی۔

عام اخلاق اور عادات اور ملنے جلنے کا طریق مؤلف یہ بیان کرتا ہی کہ جب کوئی کسی سے بات چیت کرتا ہی تو نہایت نرمی سے کرتا ہی کچھ خشونت اس کی آواز میں نہیں پائی جاتی اور عورتوں کی آواز میں تو خاص ایک قسم کی نرمی ہوتی ہی اگر غیظ و غضب میں بھی کسی سے خطاب کریں تب بھی سوا اس کے کہ سر ہلایا یا ہاتھ

اور کچھ نہیں کہتیں خطوں میں بہت اختصار القاب اور آداب میں کرتی ہیں تھوڑے ہی سے فرق سے اور مساوات اور محبت اور یک جہتی کے درجے ظاہر کرتی ہیں مثلاً عام القاب سر (صاحب) ہی اور جس سے کم شناسائی ہو اور لائق عزت کے ہو تو اُسے ڈیر سر لکھتی ہیں جس سے محبت ہو اُسے مائی ڈیر سر لکھتے ہیں جس سے نہایت ہی یک جہتی ہو اُسے ڈیر سر لکھتے ہیں برخلاف ہم لوگوں کے کہ کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو وہ القاب آداب لکھتے ہیں کہ جن کا پڑھنا مشکل ہوتا ہی اسی طرح ملنے کے وقت کچھ زیادہ آؤ بھگت نہیں کرتے اگر کسی سے ملاقات ہو گئی تو معمولی باتیں کر کے اور اپنا مطلب کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں برخلاف ہم لوگوں کے اگر پہلی ملاقات بھی نہ ہو تو بھی ایسی خوشی سے ملتے ہیں کہ گویا دونوں میں نہایت درجہ کی دوستی ہی۔ ملاقات کے وقت یہ امر خلاف آداب و اخلاق کے سمجھا جاتا ہی کہ کوئی بے ضرورت کسی کا نام اور نسب اور وطن اور مقصد کا سوال کرے اور یہ سب عجیب عادتیں انگریزوں نے صرف تعلیم اور تربیت کے ذریعہ سے حاصل کی ہیں*

یہ لوگ حاسد بھی نہیں ہوتے اور کسی کی امارت یا علم یا عزت پر حسد نہیں کرتے بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ کوئی شخص اُن کی قوم کا عالم یا امیر یا معزز ہو برخلاف ہمارے شہروں کے کہ ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو حسد کی بیماری سے خالی ہو یہ بھی اِن کی عمدہ صفت ہی کہ کسی کی عزت اور علم کو نہیں چھپاتے بلکہ اس کی ترقی دینے کی فکر کرتے ہیں اور ہر طرح سے اس کی مدد کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی عزت اور علم اور حق کو بڑھا دے اور اور لوگوں کی پیروی کرنے کی رغبت ہو برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اگر کسی شخص نے تھوڑی سی عزت حاصل کی یا کسی علم و فن میں کمال پیدا کیا تو سب جل جاتے ہیں کوئی اُسے دغاباز کوئی گدھا کوئی خودغرض کہتا ہے یہ بھی اُن کی عادت ہی کہ ایک دوسرے سے وحشیانہ برتاؤ نہیں کرتا یہاں تک کہ کوئی نوکر اپنے آقا پر طعنہ نہیں کرتا نہ اُس کی بُرائیاں پیچھے بیان کرتا ہی گو وہ کیسا ہی اُس سے ناراض ہو برخلاف ہم لوگوں کے شہروں کے کہ کسی نوکر کو کوئی ایسا نہ پا دیگا جو اپنے ہی مالک کا شاکی نہ ہو اور اس کی بُرائیاں نہ کہتا پھرے - وہاں نوکر دل بلکہ خدمت گاروں سے بھی تہذیب کی گفتگو کرتے ہیں اور سر (میاں) یہ کہہ کر بولتے ہیں یہاں تک اگر پانی مانگیں گے تو کہیں گے (سر) میں امید کرتا ہوں آپ سے پانی ملنے کی اگر آپ کو تکلیف نہ ہو اور وہ بھی نہایت ادب

سر جھکا کر تعمیل کرتا ہے اور خفگی اور گالی گلوچ کا تو کیا ذکر ہے مگر نہ کبھی آقا خدمتگار سے ہنسی کرتا ہے نہ بے ضرورت اس سے بات کرتا ہے نہ اُسے منہ لگاتا ہے برخلاف ہمارے امیروں کے کہ کبھی تو اس سے خفا ہونگے کہ گالیاں دینگے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کو اپنا یار بنا وینگے +

ان لوگوں میں عادت غمازی اور غیبت کی بھی نہیں نہ باہم بیہودہ بک بک کرنے کی عادت رکھتے ہیں برخلاف ہم لوگوں کے شہروں کے کہ جہاں چار آدمی بیٹھے ہوں تو ایسی قیل و قال کریں گے گویا معلوم ہوگا کہ جنگ بول رہے ہیں پاک طینتی بھی ان لوگوں کا خمیر ہے اور یہی سبب ہے کہ ایک دوسرے پر کچھ شک و شبہ نہیں کرتے چنانچہ ملکہ نے اپنی بیٹی یعنی شاہزادی کے ہاتھ کا بنا ہوا رومال کسی فوجی افسر کو جب کہ وہ لڑائی میں مصروف تھا بھیجا کسی نے سوا نیکی کے بُرا خیال نہ کیا۔ اگر ہمارے ملک میں کوئی امیرزادی کسی کو ایسا تحفہ بھیجتی تو طرح طرح کے خیال لوگوں کو پیدا ہوتے اور بہت دن اسی کے چرچے رہتے +

عمدہ عادت ان لوگوں کی ایک یہ ہے کہ اپنے اوقات کے نہایت پابند ہوتے ہیں ہر کام کے لئے ان کا ایک وقت ہے اور ہر ایک وقت کے لئے ایک خاص کام یہاں تک پابندی رکھتے ہیں کہ اگر کوئی کسی سے بے وقت ملنے جاوے تو وہ نہایت نرمی سے کہہ دیتا ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیے مجھے اس وقت اور ضرورت ہے اور سننے والا واپس چلا جاتا ہے اور کچھ بُرا بھی نہیں مانتا برخلاف ہم لوگوں کے کہ نہ کسی کام کا کوئی وقت ہے نہ کوئی وقت کسی بات کے لئے مخصوص ہے بیہودہ فضول ملاقاتوں میں تمام عمر گذر جاتی ہے اور ملاقاتی جنازہ تک بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ بے خوفی بھی جو ایک نتیجہ عمدہ انتظام کا ہے ان لوگوں میں پائی جاتی ہے چھوٹے چھوٹے لڑکے رات دن گلی کوچوں میں پھرتے رہتے ہیں پولس کا ان کو ڈر ہے نہ فوج کا نہ کسی جرنیل کا نہ کسی مجسٹریٹ کا بلکہ بادشاہ تک کی ہیبت اُن پر نہیں ہوتی۔ لڑکیاں جب دس برس تک کی عمر کو نہیں پہنچتیں آدھی رات کے بعد پولیس اور کوتوالی میں چلی جاتی ہیں اور اس طرح پر سوال و جواب کرتی ہیں گویا کہ اپنے کسی عزیز کے پاس گئی تھیں +

اس بے خوفی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں لوگوں کے قوائے جسمانی شگفتہ رہتے ہیں اور عقل بڑھتی ہے

اور ضعیفی اور بڑھاپا دیر کرکے آتا ہے کیونکہ وہ بچپن سے خوف اور وحشت کے عادی نہیں ہوتے اور چھوٹے بچے کے دل میں عجب اور خوف کا سمانا ایسا ہی جیسا کہ ایک نرم اور نازک پودے پر باد صرصر کا تند جھونکا ہم لوگوں کے بچوں کی مائیں اُن کے دلوں میں بھوت پلید دیو جن کا ایسا خوف ڈالدیتی ہیں کہ جو جوانی زمانہ میں بھی اِن کے دل سے نہیں نکلتا ٭

انگریزوں کی عادتوں میں یہ بھی ہے کہ بہت مختصر اور ادب کے ساتھ اپنے مخاطب سے کلام کرتے ہیں مثلاً اگر کسی چھوٹے کو اپنے بڑے سے کچھ کہنا ہو تو یوں کہتا ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھہ پر میری فلاں حاجت کے بر لانے سے احسان کریں گے۔ اور میں آپ کا شکر گذار ہونگا اور اس مختصر با انسانیت کی تقریر سے اُن کو وہ فضول اور لمبی چوڑی خوشامد کرنے کی حاجت نہیں ہوتی جس کا رواج ہم لوگوں میں ہے کہ جب کسی سے خطاب کریں گے تو کہیں گے یا بدر الکمال یا بحر النوال وغیرہ وغیرہ جس تقریر کا خاتمہ چند ساعت تک بھی نہیں ہوتا۔ پھر وہ بڑا جس سے چھوٹے نے اپنی حاجت عرض کی ہے بجواب اس کے یوں کہتا ہے کہ میں آپ کے کام کرنے میں کوشش کرونگا اور آپ کو جلد خبر دونگا اور اس سے اُن کو اس کہنے کی حاجت نہیں رہتی جو ہم کہتے ہیں کہ بسر و چشم میں آپ کا کام کر دونگا آپ کا نفع تو عین میرا نفع ہے اور آپ کا کام خود میرا ہی کام ہے آپ اطمینان رکھئے ضرور یہ کام کر دیا جائیگا حالانکہ انگریزوں میں سے جو کوئی کوشش کرنے کا بھی اقرار کرتا ہے وہ اس حالت میں جب کہ وہ کر سکے ورنہ وہ صاف کہہ دیتا ہے کہ آپ مجھے معاف کیجئے میں معذور ہوں آپ کا کام مجھہ سے نہیں ہو سکتا اور اگر وعدہ کیا تو اس سے زیادہ کوشش کرتا ہے جو اس سے کہا ہے اور پھر فوراً اس کے ہست و نیست کا جواب دیتا ہے برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اس چیز کا وعدہ کر دیتے ہیں کہ جس کو وہ خود جانتے ہیں کہ ان کے اختیار سے خارج ہے اور پھر کبھی خیال نہیں کرتے کہ اس کے پورے کرنے میں کوشش کریں یا اس بیچارہ کو صاف جواب دیں تا کہ وہ اپنی فکر کرے اس شخص کا کام تمام ہو جاتا ہے مگر ان کا وعدہ تمام نہیں ہوتا یہاں تک کہ ہم لوگوں کے امرا کی یہ عادت ہے کہ اُن سے اگر کوئی نوکری کا طالب ہو تو جواب دینا نہیں جانتے فوراً یہ کہتے ہیں کہ یا حبذا آپ سے بڑھ کر لائق دوسرا شخص کون ہے بلا شبہہ مجھے بھی آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا آدمی نہ ملے گا لیکن آپ چند روز صبر کیجئے مجھے ایک ضرورت ہے وہ رفع ہو جائے

تب میں آپ کو نوکر رکھونگا پس اس وعدہ کی آس میں باندھے رہتا ہے اور جب کبھی وہ متقاضی ہو تو کوئی حیلہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ اخیر کو وہ محروم اپنی قسمت کو روتا ہوا پھر جاتا ہے مگر انگریز کبھی ایسی باتوں کے پاس نہیں پھٹکتے اور اسی لیئے اُن کی بے اعتباری نہیں ہوتی +

انگریزوں کی دیانت کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھی جاوے تو وہ اپنی چیز سے زیادہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور یہ دیانت صرف مال و اسباب ہی میں نہیں ہے بلکہ ہر چیز میں اس کا اثر پایا جاتا ہے مثلاً کوئی کسی کا خط نہیں کھولتا اور اگر کسی کی معرفت خط آوے تو وہ مکتوب الیہ تک پہنچانے میں کوشش کرتا ہے یا ڈاک گھر واپس کر دیتا ہے +

یہ بھی ان کی عمدہ عادت ہے اگر کسی کے ملنے کو کوئی جاوے تو ہرگز اس کی کسی چیز کو یا کتاب یا خط یا کاغذ پر ہاتھ نہیں بڑھاتا نہ اُسے دیکھتا ہے +

انگریز اپنی اولاد کو کشادہ پیشانی سے پالتے ہیں اور اُن کو خوش رکھتے ہیں اور اُن کی جذبات کی شگفتگی کے کھیل کھلاتے ہیں اور آخر کو اُن کو عمدہ تعلیم دیتے ہیں چھوٹے بچے اُن کے پھول کی طرح خوب صورت ہوتے ہیں اپنی خوشنما پوشاک میں وہ بہت ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں +

انگریز اپنے ملک سے بہت محبت رکھتے ہیں اور وہ بڑے وفادار ہوتے ہیں اپنی عزت اور خودداری کا پاس کرتے ہیں جو لوگ ان کو مغرور کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں ان کی خودداری اور وقعت اور عزت جس کا خیال ہر بات میں وہ رکھتے ہیں لوگوں کو غرور معلوم ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ غرور کچھ نہیں رکھتے بلکہ جس کسی کو ان سے محبت اور دوستی کرنا ہو چاہیئے کہ وہ بھی اپنی آپ عزت کرے اور ان کے ساتھ خودداری سے پیش آوے اور ان پر یقین کرا دیوے کہ وہ اُن سے کسی ذاتی غرض کے سبب سے نہیں ملتا اور اپنی عادتوں کی نسبت ان کو مطمئن کرا دیوے کہ وہ ایک جنٹلمین (بھلا مانس) کی سی خصلتیں رکھتا ہے تب اُس کو ان سے دوستی اور محبت کا خیال کرنا چاہیئے +

فضول باتوں کے پوچھنے سے اُن کو ایسی نفرت ہوتی ہے کہ کبھی کوئی دوست کسی دوست کا مذہب اور اعتقاد نہیں پوچھتا برخلاف ہم لوگوں کے کہ پہلا سوال مذہب اور اعتقاد ہی سے ہوتا ہے پھر پیشہ آمدنی

خرچ کی۔ پھر خانگی حالات دریافت کیے جاتے ہیں اور دل کے بھید پوچھے جاتے ہیں پھر علم و فضل کی کیفیت پوچھی جاتی ہے اور پھر یہاں تک سوال کو طول ہوتا ہے کہ یہ پوچھنے لگتے ہیں کہ آپ کے بدھر دن اندھے کھلتے ہیں یا نہیں غرض کہ جو سوال ہوتا ہے دوستی کے خلاف اور انسانیت کے مخالف ہوتا ہے +

انگریزوں کی دیانت اور صفائی قلب کا بیان مولف یہ کرتا ہے کہ جب وہ کسی سے دوستی کرتے ہیں اور اس کے چال چلن کو اچھا جانتے ہیں تو وہ یہاں تک بے تکلف ہو جاتے ہیں کہ اپنی بی بی بیٹے بیٹیوں کو بھی اپنی سمجھتے ہیں اور بے روک ٹوک اس کے ساتھ اُن کو آنے جانے دیتے ہیں اُن کو اپنے دوست پر یہاں تک بھروسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی دوست اُن کا کسی شخص کو ملاقات کی چٹھی لکھ دیتا ہے تو وہ اس پر بھی ویسا ہی بھروسا کرتے ہیں جیسا کہ اپنے دوست پر ہزار کوئی اُس کی طرف سے کوئی شکایت کرے وہ کبھی نہیں سنتے کیونکہ اُن کو بھروسا ہوتا ہے کہ اُن کے دوست نے اُس کی سفارش نہ کی ہوگی جب تک کہ اس نے اطمینان اس کا نہ کر لیا ہوگا ایسے شخص کی اس قدر وہ خاطر کرتے ہیں کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا مگر یہ خاطر اور رغبت اُسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ شخص خود غرضی یا بدچلنی ظاہر نہ کرے اور چونکہ وہ خود صاف باطن ہوتے ہیں اُس سے اپنے ملنے والوں کو بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں یہ نیک نیتی اور دل کی صفائی نہ صرف مردوں میں ہوتی ہے بلکہ اشراف عورتوں میں بھی اس کا پورا پورا اثر پایا جاتا ہے وہ اپنے ملنے والے کو ہر بات میں جو وہ کہے سچا جانتے ہیں اور اگر کوئی ہمدردی سے عورتوں کی بھلائی کی بات کہے تو اُس پر جی جان سے فدا ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی ہم میں سے اُن شریف عورتوں سے یہ کہے کہ سبحان اللہ انگلستان کی عورتیں کیسی تربیت یافتہ اور نیک خصلت والیاں ہیں اور افسوس ہے کہ ہماری عورتیں جاہل بے پڑھی لکھی ہوتی ہیں نہ اُن کو خدا کے حقوق کی خبر ہے نہ بندوں کے حقوق کی ہم لوگوں کی صحبت عورتوں کے ساتھ ایسی ہے جیسی دو دشمنوں کی ہوتی ہے اور نہایت دل بستگی اور کشیدگی سے ہم لوگوں کی گذر عورتوں کے ساتھ ہوتی ہے کاش تم ہماری عورتوں پر رحم کرو اور اُن کی تعلیم و تربیت اور تہذیب اخلاق کے لیے مدرسہ بنوا دو اور مثل اس کے جو اور باتیں عورتوں کی بھلائی سے متعلق ہوں کی جاویں تو وہ اشراف زادیاں

اس کہنے والے کو یہ سمجھیں کہ یہ کوئی پیغمبر ہے جو خدا کی طرف سے آیا ہے اور واسطے دور کرنے جہالت اپنی قوم کے عورتوں کے مبعوث ہوا ہے۔ پس اس جہالت سے وہ اُس کی اتنی خاطر داری کریں گی کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور ان کو فوراً یقین ہو جائے گا کہ ضرور یہ اپنے وطن میں لوٹ کر عورتوں کی تعلیم و تربیت کی فکر کرے گا مگر ان نیک بختوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ یہ حضرت مشرقی اپنے دل میں ایسی وقت کہتے جاتے ہیں کہ تم بڑی بیوقوف عورتیں ہو کہ میرے فریب میں آ گئی ہو آخر عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں افسوس کہ ہزاروں کتابیں تمہارے کتب خانوں میں ہیں اور صدہا قصے مکر و فریب کی اُن میں لکھی ہوئی ہیں اور تم نے دیکھی بھی ہونگی مگر پھر بھی تم میرے دموں میں آ گئیں اور تم نے یہ نہ جانا کہ میں یہ باتیں صرف تمہارے خوش کرنے کو کرتا ہوں مگر بہرحال وہ شرافزادیاں اُن کے اس کہنے پر اُس قدر عزت کریں گی کہ کوئی چار کا پیالہ اپنے ہاتھ سے بڑھا دے گی کوئی رات کے کھانے کی دعوت کرے گی؛

تہذیب اخلاق کی تصنیفات اور مصنف

سب پر روشن ہے کہ انسان کو علم کی ایسی ضرورت ہے کہ جیسے روشنی کی حاجت ہے۔ اگر روشنی نہ ہو تو آنکھیں اندھی ہیں۔ اگر علم نہ ہو تو دل بے بصیرت ہے؛

اسباب اشاعت علم ایسے ہوتے جاتے ہیں کہ علم بھی پانی کی طرح سہل الوصول ہو گا اور ہوا کی طرح آزاد ہو گا اور معزول نہ ہو گا۔ یہ امر مسلمات سے ہے کہ صاف روشنی کا یہ وصف ہے کہ کوئی اُس کا رنگ نہ ہو۔ آب خالص وہی ہے جس میں مزا نہ ہو۔ ہوا خالص وہ ہے جس میں بو باعث نہ ہو۔ پس اگر علم کا ماخذ تعصب ہے تو وہ ایک ایسا روشنی رنگیت ہے جس کی رنگینی کسی شئی کو اپنی اصلی حالت میں دیکھنے نہیں دیتی۔ اگر اُس کا منبع رسم و رواج ہے تو وہ پانی ہے جو بدروں میں بہتا ہے نہ پاک کرنے کے کام کا نہ پینے کے کام کا۔ اگر اُس کا منفذ خانقاہ اور مدرسوں کی تنگ چار دیواریاں اور پست حجرے ہیں تو وہ ہوا ہے جس میں اُن کے چیکٹ بھرے چراغوں کی چراند بھری ہوئی ہے۔ علم سچا اور حق وہ ہے جو ان آلائشوں سے پاک صاف ہو۔ کیا خوش نصیب وہ انسان ہے جس کو یہ علم بے لوث خدا نے دیا ہے اُسی عالم کا یہ حق ہے کہ وہ تہذیب اخلاق

کے بازار میں دکان ادب کھولے اور متاع حسن سیرت کو متحلّے بالفضائل و متخلّے بالرذائل دکھائے - صلاح
نسل آدم کے نامہ کو خط سے آراستہ کرے اور صلاح اہل عالم کے خامہ کو قط سے پیراستہ کرے - میں خیال کرتا
ہوں کہ جو عالم ایسا ہوگا ضرور اس میں پانچ خوبیاں ہونگی - اول وہ کتابوں کے مطالعہ سے جانتا ہے کہ اشیا کو
کس طرح ہونا چاہیے پھر وہ طبائع بشری کو مشاہدہ کرکے دیکھتا ہے کہ یہ اشیا کس طرح ہیں - وہ سب سے پہلے
اپنے تئیں سمجھتا ہے کہ میں کیا ہوں اور پھر غیروں کے سمجھنے کا قصد کرتا ہے - جو شخص پہلے اپنے تئیں نہیں سمجھتا
اور غیروں کے سمجھنے کا قصد کرتا ہے وہ فی الحقیقت اپنے علم کی بنیاد ریت پر جماتا ہے - وہ ایک خیالی انسان
نہیں گھڑتا کہ وہ ایسا ہونا چاہیے - بلکہ جیسا کہ نفس الامر میں انسان کا نیچر ہے اُسی پر توجہ کرتا ہے نہ وہ اُس کی
خیالی نیکیوں اور بدیوں سے بحث کرتا ہے نہ اُن کے واسطے موہومی سزا اور جزا تجویز کرتا ہے - بلکہ جس بدخوئی سے
انسان کو آزار پہنچتا ہے اور جس نیک خوئی سے اُس کو آرام اور چین ملتا ہے اُنہیں کے اسباب اور آثار بیان کرتا
ہے اُس کے علم کا موضوع انسانیت اور انسان کی استعداد اور قابلیت ہوتی ہے - وہ یہ سمجھتا ہے کہ انسان ہمیشہ
ایک ہی سا ہے - جیسا وہ پہلے تھا ویسا ہی اب ہے اور آیندہ رہیگا - جیسا پہلے جسم اُس کا سردی سے اکڑتا تھا اور گرمی
سے تپتا تھا اور دل اُس کا احسان ماننے میں سرد تھا اور انتقام لینے میں گرم تھا ویسا ہی اب بھی ہے - وہ اُن
قواؤں کو کہ نیک اور بد اطوار کے پیدا کرنے میں محرک ہوتے ہیں تفصیل سے بیان کرتا ہے - اور بتلاتا ہے کہ ان قوتوں
میں کیونکر کمی اور بیشی ہوتی ہے - واقعات روزگار اور تاریخی تمثیلات سے اُن کی توضیح کرتا ہے - مگر اُس کے ساتھ
یہ جانتا ہے کہ گو تمثیلات سے زیادہ کوئی آلہ توضیح مطالب کے لیے نہیں ہے مگر اُس کا حال یہ ہے کہ ہر شخص اُس کو استعمال کرکے
اپنا مطلب نکال سکتا ہے اور حسب مراد اُن کو ڈھال لیتا ہے - اُن کا حال ایک باغ کا سا ہوتا ہے کہ دن کو گدھے
اس میں سبزہ کھانے کی تلاش کرتے ہیں - رات کو اُلّو چوہے مارنے کی فکر کرتے ہیں پرند چھپکلیوں کے نگلنے کے
لیے اُڑتے ہیں یہ سب اپنا پیٹ بھرتے ہیں اسی طرح ایک تاریخی واقعہ کی تمثیل سے مختلف آدمی مختلف نتیجے
حسب مراد اپنی نکال لیتے ہیں

وہ اپنے کلام کو مستند کرنے میں اور عاقلوں اور فاضلوں اور حکیموں کے اقوال کا محتاج نہیں ہوتا - وہ یہ نہیں
پسند کرتا کہ میں کوئی مسئلہ حکمت لکھوں تو اُس کی سند کے لیے افلاطون اور ارسطو کی حکمت کی شہادت و سند تلاش کروں

اُس کی ساری نظر قول پر ہوتی ہے نہ قائل پر وہ یہ جانتا ہے کہ دُنیا میں بڑے بڑے حکیم اور مجتہد اور امام فن گذرے ہیں جنہوں نے نہایت حماقت آمیز غلط مسئلے لکھے ہیں بڑے آدمی جب غلطیاں کرتے ہیں تو اُن کی غلطیاں بھی بڑی ہوتی ہیں بعض انسان کم فہم ایسے ہوئے ہیں کہ انھوں نے وہ مسئلے لکھے ہیں کہ صحیح اور عقل اور دانش کے مطابق ہیں۔ اسلیے بات کو دیکھنا چاہیے کہ اُس کی حقیقت اور اصل کیا ہے۔ بات کہنے والے کی طرف نہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کون ہے۔ کوئی مسئلہ حکمت اس سبب سے صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ افلاطون کے کسی غلط مسئلہ کے مطابق ہو۔ وہ علم کو اپنے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اول یہ کہ کونسی باتیں جانی جا سکتی ہیں اور انسان کا ذہن اُن تک رسائی رکھتا ہے دوم وہ کونسی باتیں ہیں جو کسی طرح نہیں جانی جا سکتیں اور اُن کے اندازہ اندیشہ اور فکر انسانی کو اب تک جگہہ نہیں ملی۔ پس جس بات کو جانتا ہے اُس کو کہتا ہے اور جس بات کو نہیں جانتا ہے اختیار سکوت اختیار کرتا ہے۔ پہلے کہنے سے وہ ہر ایک بات کو سوچتا ہے۔ بات کہہ کر پھر نہیں سوچتا اُس کو حماقت جانتا ہے کہ بات پہلے کہے اور سوچے پیچھے۔ انسان کے فکر اور اندیشہ کے اندازہ کو خوب سمجھتا ہے کہ وہ کس پایہ بلند تک دسترس رکھتا ہے اور پھر اُس سے آگے ہونے کو خطرناک سمجھتا ہے۔ جاہل احمقوں کا قاعدہ ہے کہ وہ وہاں بھی جانے کو تیار ہو جاتے ہیں جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں کوئی مشکل سے مشکل بات اُن سے کہیے وہ اُسی وقت فیصل کر دیں گے۔ اُن کے نزدیک علم کوئی حضرت تنگنا بار ایسی نہیں رکھتا ہے کہ وہاں پیک اندیشہ سنگسار ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ خیالات اور قیاسات کے بلیون میں آسمان پر بیہودہ اور بے فائدہ نہیں اُڑتا وہ اسی مضمون میں قلم سے لکھتا ہے اور اسی راہ میں قدم دھرتا ہے جس میں کچھ خطرہ نہ ہو۔

جس طرح دنیا میں ایک وہ ملک ہیں جو سب کو معلوم ہیں دوسرے وہ ملک ہیں جو کسی کو نہیں معلوم پس جو جوانمرد شجاع ان معلوم ملکوں کو فتح کرتا ہے اور اُن کا انتظام اچھا کرتا ہے وہ اپنی فتح کا استحقاق اس میں رکھتا ہے اور جو والا ہمت اور عالی ہمت نامعلوم ملکوں کی تفتیش اور تحقیق کر کے دریافت کرتا ہے وہ اُن میں اپنی انکشاف کا استحقاق رکھتا ہے۔ اسی طرح تصنیفات کی کشور میں دو طرح کے ملک ہیں اور اُن میں کشور کشایان علم کے دو استحقاق ہیں ایک استحقاق فتح اور دوسرا استحقاق انکشاف۔ اُن کی فتح تو یہ ہے کہ جو پہلے سچے خیالات ہوں اُن کو وہ اپنی جودت طبع اور ذکاوت سے مختصر کر کے زیادہ روشن کر دیں اور اُن میں ایک تجلی

ایسی کھادیں کہ سب ششدر اور حیران رہ جائیں۔ اُن میں جہاں کوئی بگاڑ اور خرابی ہو اُس کو بنا سنوار دیں۔ جہاں اُن میں تاریکی ہو وہاں روشن کردیں جہاں اُن میں غلاظت ایسی ہو کہ اُس سے گھِن آتی ہو اُسے دور کردیں یا اُسے مٹی کے تلے ایسا دبا دیں کہ تعفن سے ناک کو اُنگلی سے دبانا نہ پڑے۔ حق انکشاف اُن کا یہ ہے کہ ایک سچی نئی بات پیدا کردیں۔ سچی باتیں بے انتہا ہوسکتی ہیں۔ نئی باتیں بے شمار ہوسکتی ہیں لیکن ایسی بات کہ سچا پن اور نیا پن دونوں اُس میں شامل ہوں شاذ و نادر ہوتی ہے۔ حقیقت میں سچی نئی بات کے دریافت کرنے کے لئے علم ادب میں بہت ہی کم وسعت رہی ہے جس میں ذہن اور طبیعت کے مضمون کی تلاش میں سرگرم ہو جن مضامین کو انسان ہزاروں برسوں سے سوچ رہے ہوں اُن میں نئی سچی بات کا پیدا کرنا ہے اعجاز بشری یا مرتبہ پیغمبری ہے۔ بعض اوقات ایک بات بالکل سچی اور نئی معلوم ہوتی ہے مگر بعد از تحقیقات یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ سچی نہیں ہے بلکہ بالکل جھوٹی ہے۔ جب آگ اور پانی ملکر اسٹیم (بخار) پیدا کریں تو خواہ کیسی ہی زبردست سے زبردست قوت اُن کے مقابلہ میں لائی جاوے وہ سب کو مغلوب کرلیں گی۔ اسی طرح جب کسی بات میں سچا پن اور نیا پن دونوں آپس میں مل جائیں تو خود بخود قوت پیدا ہوجاتی ہے کہ اُن کے سامنے تعصب۔ جہالت۔ غلط فہمی۔ خباثت۔ مخاصمت کی طاقت کیسی ہی قوی لاؤ وہ ضعیف ہوجاوے گی اور اُن پر وہی غالب آوے گی +

پس سب مصنفوں میں اُسی کا مرتبہ بلند ہے جو نئی سچی بات ایجاد کرتا ہے۔ اُس کے بعد اس مصنف کا مرتبہ ہے کہ پہلی باتوں کے خرقہ کہنہ و دریدہ کو اُتار کر ایک نیا لباس پہناتا ہے۔ باقی اور تصنیفات تو اس قابل ہوتی ہیں کہ آتش بازوں کی دکان میں پھلجھڑیاں بنیں اور لڑکوں کے ہاتھ میں پھول جھڑنے کی بہار دکھائیں پنساریوں اور عطاروں کی دکانوں میں پڑیاں بن کر عنبر اور مشک کی خوشبو سنگھائیں۔ حلوائیوں کی دکانوں میں پیٹھے اندر سے مربے دار چیزیں بندھوائیں اُن کے لئے ایک اور صلاح دیتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اس لئے کہ کاغذ پرستی بھی بہتوں کا ایمان و شیوہ ہے۔ خصوصاً جب اُس کا سفید مُنہ سیاہی سے کالا ہوجاتا ہے تو وہ کچھ چومنے اور سر پر رکھنے کے قابل ہوجاتا ہے اور خاک میں پامالی سے بچانے کے لئے مشکوں میں بند ہوکر بہتے آب لایا جاتا ہے۔ مطبعوں کی کثرت تعداد اور قلت استعداد ایسی تصنیفات کے انبار کے انبار لگا رہی ہے

اُس کا حال اُس خزانہ کا سا ہے کہ جس میں بہی کھاتوں کے ڈھیر ہوں اور تھیلیوں میں پھوٹی کوڑیاں نہ ہوں
اول درجے کے مصنف اپنی تصنیفات میں وصف اضافی پیدا کرنا نہیں چاہتے ؂

ابا نبود وصف اضافی ہنر ذات　　　این فتوئے ہمت بود ارباب ہمم را

اُس کو یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ اپنی کتاب کی شان و شکوہ دکھانے کے لئے کسی صاحب شکوہ کے نام سے معنون کرکے اُس کو اپنا مربی بنائے۔ وہ یہ خوب جانتا ہے کہ کتابوں کی صداقت معانی اور متانت دلائل اُن کے بڑے مربی ہوتے ہیں۔ خراب کتاب مربی کی تلاش کرتی ہے۔ وہ عالی منش اپنی تصنیفات سے خود ایسی دولت نہیں کمانی چاہتا جیسے وہ اُس سے اوروں کے دامن میں دولت پر کرنی چاہتا ہے۔ ایک اچھی کتاب جائداد عمدہ سے کم دولت رسانی کے لئے نہیں ہوتی۔ سعدی کی گلستاں کو دیکھو کہ کتنے آدمی اس کے سبب سے دولت سے نہال ہو گئے۔ کوئی ایسا ہی کمبخت مطبع فارسی کا ہوگا کہ اُس نے اُس سے کچھ نہ کچھ استفادہ زر نہ کیا ہو۔ اُس کا حال اُسی بدسرشت اور خبیث باطن کا سا ہے جو اُس کو خارستان سمجھ کر گلچین نہ ہوا ہو اور اپنی آنکھوں کا کانٹا جانتا ہو۔ غرض ایسا مصنف تصنیف سے دولت نہیں پیدا کرتا بلکہ اپنی گرہ سے اُس میں دولت صرف کر دیتا ہے۔ اپنے پُر درد قصدیوں ہی بانٹ دیتا ہے اور دن کو تضیع اوقات سے بچانے کے لئے وہ اپنا وقت خرچ کرنے میں صرفہ نہیں کرتا۔ پڑھنے والوں کی جانے بلا کہ اُس کو اس تصنیف میں کیا کیا محنتیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ وہ اوروں کی زندگی بڑھانے کے لئے معانی جلیل کو الفاظ قلیل میں بیان کرتا ہے کہ پڑھنے والے تھوڑے وقت میں بہت سے سرمایہ عقل سے مستفید ہوں۔ زندگی انسانی تو اُسی وقت سے عبارت ہے کہ وہ عقلی کاموں میں صرف ہو۔ پس جب اس طرح تھوڑے وقت میں بہت سے کام ہوگئے تو زندگانی بڑھی یا نہیں ؂

وہ عوام کی زبان درازی کا خوف نہیں کرتا کو وہ وہ جانتا ہے کہ اُس کا اپیل کہیں نہیں ہو سکتا۔ اُن کی طبیعت بہلانے کے لئے الفاظ مبہم اور فقرات ذو احتمالین کا استعمال نہیں کرتا وہ ایسی عبارت کی تلاش نہیں کرتا کہ ما فی الضمیر کو اُس میں تعبیر دیگر بیان کرے وہ جانتا ہے کہ خلا میں پر اور اشرفی ایک ہی رفتار سے گرتے ہیں ویسے ہی بے مغزوں کے دماغ پر بامعنی اور بے معنی مضامین ایک ہی اثر کرتے ہیں۔ قاعدہ ہے تہذیب اخلاق کے مضامین میں کوئی سچی نئی بات کہی جاتی ہے یا پرانی باتوں کا خرقہ کہنہ اتار کر تازہ لباس

پہنایا جاتا ہے تو اُس پر بہت سے آدمی آشفتہ خاطر ہوتے ہیں وجہ اُس کی یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی پارسا یا رند کے روبرو مسائل فلسفیہ و ریاضیہ و حکمیہ و طبعیہ بیان کیے جائیں تو وہ اُس کو حُسن کر احسان مانتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر عنایت ہوئی کہ اتنی نئی باتیں مجھے آپ نے بتلائیں لیکن تہذیب اخلاق کے مسائل جدیدہ سے وہ درہم برہم ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اُن میں تو میرا میرے دل کا میرے خاندان کا میری قوم کا میرے دوستوں کا میرے مذہب کا ذکر ہوتا ہے اور اُن کو میں بہ نسبت غیر کے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں جو میرے دل کا حال ہے وہ میں ہی خوب سمجھتا ہوں دوسرا کیا جانے جس قوم اور مذہب میں پیدا ہوا ہوں اور جن لوگوں میں رہتا ہوں اُس کا کوئی حال اور کسی کو ایسا نہیں معلوم ہو سکتا جو مجھے نہ معلوم ہو۔ غرض اس میں وہ ترجیح اپنے اوپر دوسرے کو نہیں دیتا۔ اگر ایسا ہو تو اُس کی غلط فہمی ہے۔ اُس کو اپنا ہی دل اُس کو دھوکا و فریب دیتا ہے جیسی چیزیں فاصلہ دراز پر صاف نظر نہیں آتیں ایسے ہی آنکھوں کے بہت پاس ہونے سے وہ صاف نہیں دکھائی دیتیں اُس کو اپنا حال بہت پاس ہونے کے سبب سے اچھی طرح منکشف نہیں ہوتا۔ اور اوروں کا حال دور ہونے کے سبب سے نہیں سوجھ پڑتا۔

قدرتی زلزلے جو زمین میں آتے ہیں وہ تو ظاہر میں سوائے غارت اور تباہ کرنے کے کوئی اپنا اثر نہیں دکھاتے لیکن اخلاق بشری میں جو زلزلے آتے ہیں اُن سے قوموں کے اخلاق کی ہمیشہ اصلاح اور تہذیب ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے بغیر کسی قوم کی عادات درست نہیں ہوتیں اور یہ زلزلے ایسے ہی تصنیفات کے مصنفوں سے آتے ہیں جیسے کہ ہم نے اوپر بیان کیے ہیں۔ لوگوں کی اصلاح اخلاق اور درستی عادات اور اصلاح اطوار نہایت دشوار معلوم ہوتی ہے جب حالت یہ ہو کہ جن کے دماغ میں عقل ہو اُن کے دل نیکی سے خالی ہوں اور جن کے دل میں نیکی ہو اُن کے دماغ عقل سے تہی ہوں جو اوروں کو جنت کی راہ بتلاتے ہوں وہ خود جہنم کی طرف جاتے ہوں اور اُسی پر اوروں کو بُلاتے ہوں۔ جو اپنے تئیں با حیا اور با ایمان کہتے ہوں وہی سخت بے حیا اور بے ایمان ہوں جو اپنے تئیں آزاد بتلاتے ہوں وہی سب سے زیادہ مقید ہوں۔ جو اوروں کو آزادی خیال کی ترغیب دیتے ہوں اور اپنے تئیں آزاد خیال بتلاتے ہوں حقیقت میں وہ خیال کرنے ہی سے آزاد ہوں جو زبان سے اوروں کو دنیا کے اسباب کو ہیچ پوچ بتلاتے ہوں وہ

دل میں یہ مطلب رکھتے ہوں کہ اور اسباب کو ترک کریں تو ہم کو ہاتھ لگے تارک دنیا اس لئے بنتے ہیں کہ مالک دنیا
ہوں۔ جو صاحب عقبیٰ اپنے تئیں کہتے ہوں وہ طالب عقبیٰ نہ ہوں جیسے کہ ہلکا یا بھاری عیب کسی قوم
میں پیدا ہوجائے اُس کا دور کرنا مشکل ہے جیسے چیز ہلکی ہو یا بھاری رتی بھر کا پر ہو یا سو من کا پتھر ہو دونوں کا
دور پھینکنا برابر مشکل ہے۔ اسی طرح قوم کا ادنیٰ یا اعلیٰ عیبوں کا دور کرنا مشکل ہے۔ مصنف کو تہذیب معانی کے
ساتھ عبارت آرائی کی طرف خیال ہوتا ہے عبارت لباس معانی ہوتی ہے جس قدر یہ لباس عمدہ اور
اچھا ہوگا اُسی قدر وہ اوروں کو مرغوب و مطبوع ہوگا۔ مگر وہ اپنے ظاہری لباس پر ایسا فریفتہ نہیں
ہوجاتا کہ معانی کی آرایش پر الفاظ کی زیبایش کو ترجیح دے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اشراف آدمی خواہ کیسے ہی
پھٹے پُرانے کپڑوں میں ہو اشراف ہی ہے اسی طرح معانی جلیل خواہ کیسی ذلیل عبارت میں ہوں وہ
عبارت کی لطافت کے خالی ہونے سے اپنی شرافت کے مرتبے سے نہیں گریں گی۔ جو عبارتیں کہ رنگین الفاظ
سے پُر اور خیالی معانی سے خالی ہوتے ہیں اُن کا حال ایسے درختوں کا سا ہوتا ہے کہ جن میں پتے اور شاخیں
بہت ہوں اور پھل تھوڑے ہوں گو بعض صاحب عقل ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ انھیں درختوں کو جن میں پتوں پر پتے اور شاخوں پر شاخیں
ہوں اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اُن کے نیچے ٹھنڈے ٹھنڈے سایہ میں نیند بھر کے سوئیں اور خواب ہائے
شیریں دیکھیں گو کبھی اس خواب غفلت میں آنکھ نہ کھل جائے اور قدر شناسی عالم بالا سے بند ہوجائے تو بلا سے۔
غرض وہ درک معانی کے نسخہ کا ایک حرف نہیں پڑھتے اور ایک فلم الفاظ ہی کے نشہ میں مست اور مخمور رہتے
ہیں مجاز کی پابندی حقیقت پر نہیں جانے دیتی۔ ایسا حقیقی مصنف اپنی تصنیفات میں مخاطب انھیں عالی
فہموں کو ٹھیراتا ہے جن کی طبائع سوچنے والی ہوتی ہیں شاید اس پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ دنیا میں
سوچنے والی طبیعتیں تو تھوڑی ہوتی ہیں کس لیے کہ وہ ایک جم غفیر کو چھوڑ کر چند آدمیوں کی طرف مخاطب
ہوتا ہے۔ اُس کا جواب یہ ہے کہ بہت تھوڑے آدمی دنیا میں ایسے ہونگے کہ وہ یہ اپنے تئیں نہیں سمجھتے کہ ہم
بڑے سوچنے اور سمجھنے والے نہیں ہیں پس گو اُس کی نیت میں مخاطبت چند ہی برگزیدہ اشخاص کی ہوتی
ہے مگر سب اُس میں مخاطب ہوجاتے ہیں وہ اس میں یہ فائدہ سمجھتا ہے کہ میں ایک چھوٹے سے بکس سے
ٹکٹ لیکر بڑے تماشے گاہ کی سیر کرتا ہوں اور دو آنکل کا ٹکٹ لیکر ریل میں منزل مقصود میں مسافت بعید پر پہنچتا ہوں۔

وہ یہ نہیں دریافت کرتا ہے کہ میری تصنیفات کی نسبت لوگوں کی کیا رائے ہے۔ اسی لیے قاعدہ ہے کہ جو شخص اپنے حال کی تفتیش کے درپے ہوتا ہے کہ کیا لوگ اُسے کہتے ہیں وہ خوش نہیں رہتا۔ یہ نو آموز اور نو عمر مصنفوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ جب وہ کوئی کتاب تصنیف کرتے ہیں تو اخباروں کی طرف تاک لگائے بیٹھے رہتے ہیں کہ اُن میں کیا ریویو لکھا گیا۔ اگر کوئی مضمون لکھتے ہیں تو مجلس میں چاروں طرف کان لگاتے ہیں کہ کہیں بھی اُس میں اُن کی مضمون نگاری کا تذکرہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی تعریف سُن کر مسرور اور کبھی ہجو سُن کر مغموم ہوتے ہیں۔ جو مصنف ہوتے ہیں وہ اپنے چند لائق سچے دوستوں کی مدح سے اور نالائقوں کی مذمت سے خوش ہوتے ہیں۔ صائب نے کہا ہے۔

شعر

صائب دو چیز مے شکند قدر شعر را — تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

وہ تحسین ناشناس کی جگہ ہجو ناشناس سے اپنے سخن کی قدر جانتے ہیں اگر کوئی مضمون لکھیں اور اُس کی بہت سے حق ناشناس مذمت کریں اور خوب قہقہے اُڑائیں تو اُس سے اُن کو بڑی خوشی ہوتی ہے اور وہ یہ جانتے ہیں کہ ضرور ہمارا مضمون اچھا ہے۔ احمقوں کے ہنسنے کی برابر کوئی حماقت دنیا میں نہیں۔ جب وہ مضحکہ اُس کے مضمون کا کرتے ہیں اور کاغذوں کو اُس کی ہجو میں سیاہ کرتے ہیں تو وہ دل سے خوش ہوتے ہیں غرض جیسے وہ اپنے لائق دوستوں کی تحسین سے مسرور ہوتے ہیں ایسے ہی نالائق دشمنوں کی نفرین سے شاد شاد ہوتے ہیں اُن کے اوپر جو اعتراضات ہوتے ہیں اُن کے جواب کی طرف ملتفت نہیں ہوتے۔ اکثر اعتراض تو اُنکے نفس مطلب سے نہیں ہوتے معترض اپنی طرف سے اُنکی عبارت کے معنی گھڑ کر اعتراض کرتا ہے اور وہ معنی اُس کے اصلی ہوتے نہیں اس لیے حقیقت میں اُس پر اعتراض ہوتا نہیں پھر اُسکی بلا کو غرض پڑی ہے کہ وہ اُسکا جواب دے۔ اگر بسبب اتفاق کوئی بجا اعتراض ہوا تو پھر وہ اُس بات سے ایسا آیندہ احتراز کرتے ہیں اور پیرایہ بدل لیتے ہیں کہ وہ اعتراض اُن پر قائم نہیں رہتا۔ سوا اس کے اُسکا کام تو تہذیب اخلاق سے ہوتا ہے اگر ایک اعتراض بجا کا جواب دیں تو پھر اُسکے دس جواب لا یعنی اور بیس اعتراض بیجا سنیں اگر ایک گالی کا کسی پاجی کو کوئی اشراف جواب دے تو پھر وہ پاجی بیس گالیاں سنائیگا۔ اسلیے جو بد ہیں وہ بدتر ہو جاتے ہیں جو پہلے اپنے مضامین بد سرشت کی تحریر میں کاغذ کی سفید روئی کے برباد کرنے میں سیاہی کے دریا

بہاتے تھے تو پھر سمندر بہانے لگینگے۔ تجربہ اسکا شاہد ہے کہ مضامین ذیل کے لکھنے کی عادت جنکی ہوجاتی ہے جب اُنکی اصلاح کی طرف توجہ کیجاوے تو وہ اور زیادہ ارذل مضمون لکھنے لگتے ہیں نادان کا تعرض دانا کے ساتھ اُس اندھے کی مانند ہوتا ہے کہ جسکے پیر تلے موتیوں کا ڈبہ آ گیا اور وہ اپنی لکڑی کی نوک سے اس پر درصدف کو پارہ خذف سمجھ کر پرے پھینکدے۔ اگر قوت بصر ہوتی تو جو چیز سر پر رکھنے کی تھی وہ پیروں کی ٹھوکروں میں روندی جاتی۔ سچ یہ ہے کہ تصنیف کی راہ بھی کیسی صعب اور دشوار گذار ہے کیسے کیسے سخت سیلاب اور بلند گریوے اُسکے اندر آتے ہیں پہلی ہی منزل اُسکی کیسی کڑی ہے کہ مصنف ایسا کوئی مضمون لکھے کہ وہ قابل اشاعت ہو۔ اگر اس منزل سے آگے قدم بڑھا تو دوسری منزل میں یہ آفت آتی ہے کہ اُس کی اشاعت کیونکر ہو۔ جب اس منزل سے آگے پیر نکلے تو تیسری منزل ایسی رونما ہوتی ہے کہ یہ مشکل منزل طے نہیں ہونے دیتی کہ پڑھنے والوں کے گوش ہوش اور چشم عقل کہاں سے لائے کہ وہ اُسکی تصنیفات کو دیکھیں اور سوچیں۔ من صنف فقد استہدف نے تو مصنفوں کو ہدف ملامت بنایا تھا۔ مگر آجکل تصنیف خود شکار بن رہی ہے۔ کتاب فروش بادشاہ ہیں عوام الناس تماشائی ہیں بدبیں اور عیب بیں شکاری کُتّے ہیں تصنیف شکار ہے۔ ایک دانشمند نے اس مضمون کو ایک تصویر میں خوب ادا کیا ہے۔ چھاپہ خانہ کے اندر ایک شخص سادہ وضع اور لباس چلا آتا ہے اور اُسکے پیچھے چاروں طرف سے مختلف رنگ اور قد و قامت کے کتے عجیب طرح کے چہرے بنائے ہیں کسی کا جبڑا کھلا ہوا ہے دانت دکھلائی دیتے ہیں کسی کی باچھیں کانوں تک لگی ہوئی ہیں ناک سمٹ کر ماتھے سے جا لگی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف آوازوں سے بھونک رہے ہیں اُس سادہ وضع کی پیشانی پر مصنف لکھا ہے۔ اور ان کتوں کی دموں پر عیب چیں اور بدبیں لکھا ہے۔ یہ ایک شبیہ بہت خوب ہے کتوں کا قاعدہ ہے کہ جب کسی اجنبی شخص کو دیکھتے ہیں تو زیادہ بھونکتے ہیں اسیطرح یہ عیب اور بدبیں جب مضامین تازہ دیکھتے ہیں تو زیادہ بھوں بھوں کرتے ہیں مگر کیا گاؤں کے کتوں کی بھوں بھوں سے مسافر اپنی راہ چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ مصنف اپنی تصنیف کی راہ اُنکے بھونکنے سے چھوڑ دیں جن مصنفوں نے اپنا سب کام چھوڑ کر تصنیف کرنا ہی اختیار کر لیا ہے۔ اور شب و روز اُسی میں لگے رہتے ہیں اُن کے ذہن میں جب کوئی بات ہوتی ہے اُسکو بغیر کہے اُنکا دل نہیں مانتا۔ وہ اُس یونانی حکیم کے کہنے پر عمل نہیں کرتے کہ

جسنے یہ کہا تھا کہ واقعات اصلی میں بیان نہیں کر سکتا اور غیر واقعی میں بیان کرنا نہیں چاہتا اگر اسپر عمل ہوتا ع زباں بریدہ بکنجے نشستہ صم بکم ۔ ہوتا ہے۔ پھر ایک شاعر انگلستان کہتا ہے کہ سب جگہ نہ بولنا اچھا نہیں ہوتا جن امور میں ہم دانا ہیں وہاں نہ بولنا ہم کو نادان بناتا ہے۔ اور جن امور میں نادان ہیں وہاں بولنا ہم کو دانا بناتا ہے۔ اس آخر فقرہ کے اوپر بھی عمل نہیں کرتے بلکہ سعدی کے اس قطعہ پر عمل ہے۔

اگرچہ پیش خردمند خامشی ادب است ۔ بوقت مصلحت آں بہ کہ در سخن کوشی
دو چیز طیرۂ عقل است دم فرو بستن ۔ بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

وہ کیونکر چپ رہیں زبان سعدی در کام نہیں چاہیئے۔ اینپر یہ صادق آتا ہے کہ ہمہ گویند و سخن گفتن سعدی دگر است جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے وہی اہل انصاف نے تصنیفات اور مصنف کی استعداد اور قابلیت کا مقیاس ٹھیرایا ہے۔ ارباب حقائق کی خدمت میں عرض ہے کہ اسی میزان میں تہذیب اخلاق کے مضامین سنجیدہ کا اندازہ کیا کریں فقط

راقم
محمد ذکاء اللہ

دربار اکبری

جشن نوروزی

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد

نوروز ایک عالم افروز دن ہے کہ ایشیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ اسے عید مانتے ہیں اور بالفرض کوئی بھی نہ مانے تو بھی موسم بہار ایک قدرتی جوش ہے کہ اپنے وقت پر خود بخود ہر دل میں ذوق شوق پیدا کرتا ہے۔ یہ امر کچھ انسان یا حیوان پر منحصر نہیں بلکہ اُس کا اثر ہر شے میں جان ڈال دیتا ہے۔ انتہا ہے کہ مٹی میں سرسبزی اور سبزی میں گلکاری کرتا ہے۔ بس اسی کا نام عید ہے۔ ترک چنگیزی کہ کچھ مذہب نہ رکھتے تھے اور جاہل محض تھے باوجود اسکے ادنیٰ ضعفا سے لیکر امرا و بادشاہ تک اس دن گھروں کو سجاتے تھے خوان نعمت لگاتے تھے۔ مال لوٹتے لٹاتے تھے اسے سال بھر کے لئے مبارک شگون سمجھتے تھے ایرانی سب سے پہلے بھی مانتے تھے۔ زرتشت نے آکر اُس پر مذہبی سکہ لگایا کیونکہ اُسکے خیالات کے بموجب آفتاب سب سے روشن دلیل خداشناسی

اور حق جوئی کی ہے مشہد وہی اس خیال میں اُن سے متفق ہیں خصوصاً اس سبب سے کہ اُن کے بعض مہاراجگان جلیل القدر کے جلوس اور اکثر بڑی بڑی کامیابیاں اسی دن ہوئی ہیں *

اکبر کو انھیں فرقوں سے تعلق تھا۔ اسلئے وہ بھی نوروز کے دن جشن شاہانہ کے سامان میں فصل بہار کی شان دکھاتا تھا اور بہار سلطنت کا نوروز مناتا تھا۔ اور چونکہ وہ ہندوستان میں تھا۔ اور ہندوؤں میں اُسے رہنا سہنا اور گذارہ کرنا تھا۔ اسلئے اُنکی ریت رسوم کی بھی بہت باتیں داخل کر لی تھیں تمھیں یاد آئے کہ اس بے علم بادشاہ کو علمائے زر پرست نے ذہن نشین کر دیا تھا کہ سنہ ہزار میں ملک و ملت بدل جائیگا اور اُس کے صاحب فرمان آپ ہی ہونگے۔ وہ اس خوشی میں ایسا بیقرار ہوا کہ جو باتیں سنہ الف پر کرنی تھیں پہلے ہی کر گذرا۔ یہاں تک کہ سنہ ۹۹ھ میں ہی سنہ الف کا سکہ لگایا۔ اور جشن نوروزی کی شان و شکوہ میں بھی عمدہ عمدہ ترقیاں اور فائدہ مند اصلاحوں کے جاہ و جلال کو جلوہ دیا۔ جشن کے قواعد و آئین نے سال بسال کی ترقیوں سے پرورش پائی مگر آزاد سب کو ایک جگہ سجاتا ہے کہ دیکھیے کیا تماشا ہے *

دیوان عام و خاص کے گرد ۱۲۰ ایوان عالیشان تھے جس کی عمارت کو خوشنما اور بیش بہا پتھروں نے رنگین و سنگین کیا تھا۔ ایک ایک ایوان ایک ایک امیر با تدبیر کو عنایت ہوا۔ کہ عالی حوصلہ اسے آراستہ کر کے اپنی قابلیت اور علو ہمت کا نمونہ دکھائے۔ ایک طرف دولتخانہ خاص تھا۔ وہ خدمتگاران خاص کے سپرد ہوا۔ کہ آئین بندی کریں۔ سجا سجایا محل الگ جلوہ گاہ خاص تھا سجایا گیا۔ اور تمام مکانات کے در و دیوار کو پرتگالی بانات۔ رومی و کاشانی مخمل بنارسی زربفت و کمخواب۔ سیلے۔ دوپٹے تاش تمامی کو لپیٹے۔ پیکیا ہمیشہ کی صنعت تھی۔ کشمیر کی شالیں اُڑھائیں۔ ایران و ترکستان کے قالین پانداز میں بچھائے۔ ملک فرنگ اور چین و ماچین کے رنگا رنگ کے نادر تصویریں عجیب و غریب آئینے سجائے۔ شیشہ اور بلور کے کنول۔ ہر رنگ۔ قندیلیں جھاڑ فانوس قمقمے لٹکائے۔ شامیانے تانے۔ آسمانی خیمے بلند کیئے۔ مکانات کے صحنوں میں بہار نے آکر گلکاری کی۔ اور کشمیر کے گلزاروں کو تراش کر فتحپور اور آگرے میں رکھ دیا۔ اسے مبالغہ نہ سمجھنا۔ جو اُس وقت ہوا اُس سے بہت کم ہے جو کہ آج آزاد دکھاتا ہے۔ جب عالم ہی اور تھا۔ وہ اصل حال تھا۔ آج خواب و خیال ہے۔ وہ وہ سامان جمع تھے کہ عقل دیکھتی تھی اور حیران تھی *

اگلے وقتوں کے امرا کو بھی ہر قسم کی عجیب و غریب اور عزیز الوجود چیزوں کا شوق ہوتا تھا۔ اور جسقدر یہ سامان زیادہ ہوتا تھا۔ اِس سے اُن کے سلیقے اور ہمت و حوصلہ کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ اوصاف عموماً امیری کے لازمے تھے۔ مگر قاعدہ ہے کہ ہر شخص کو بمقتضائے طبیعت خاص خاص قسم کی چیزوں کا یا مختلف صنائع و بدائع میں سے ایک دو کا دلی شوق ہوتا ہے۔ بلکہ بعضوں کے عہدے اور منصب اشیائے خاص کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں چنانچہ **خانخاناں** اور **خان اعظم** کے ایوان ملک ملک کے صنائع و بدائع سے ایک کامل تماشگاہ بنی ہوئی تھی جسکے در و دیوار فصل بہار کی چادر کو ہاتھوں پر پھیلائے کھڑے تھے۔ اور ہر ستون ایک باغ کو بغل میں دبائے تھا۔ اکثر امرا نے اسلحہ حرب کے عمدہ نمونے دکھائے تھے کہ ہندوستان میں جمع کئے تھے۔ اور ملکوں سے منگائے تھے **شاہ فتح اللہ** نے اپنے ایوان میں علوم و فنون کا طلسم باندھ کر ہر بات میں نکتہ اور نکتہ میں باریکی پیدا کی تھی۔ گھڑیاں اور گھنٹے چل رہے تھے علم ہیئت کے آلات۔ کُرے۔ ربع مجیب۔ اصطرلاب۔ نظام فلکی کے نقشے اور اُنکی مجسم صورتوں میں سیارے اور افلاک چکر مار رہے تھے۔ جر اثقال کی کلیں اپنا کام کر رہی تھیں علم کیمیا۔ اور علم نیرنجات کے شعبدے ساعت بساعت رنگ بدل رہے تھے ❊

دانایان فرنگ موجود تھے **بیلان** (بلون) کا خیمہ کھڑا تھا **ارغنون*** (ارگن) کا صندوق رنگا رنگ کی آوازیں سنا تا تھا مما لک روم و فرنگ کی عمدہ صنعتیں اور انوکھی دستکاریاں جادو کا کام اور اچنبھے کا تماشا تھیں۔ اُنھوں نے تھیٹر کا بھی سماں باندھا تھا۔ جسوقت بادشاہ آکر بیٹھے۔ موسیقی فرنگ نے مبارکباد کی نغمہ سرائی شروع کی۔ باجے بج رہے تھے۔ فرنگی ساعت بساعت رنگ برنگ کے

* ملا صاحب ۹۹۲ھ میں لکھتے ہیں ارغنوں باجا آیا۔ کہ عجائب مخلوقات سے ہے۔ حاجی حبیب اللہ فرنگستان سے لایا تھا۔ بادشاہ محظوظ ہوئے۔ اہل دربار کو بھی دکھایا۔ ایک بڑا سا صندوق تھا قد آدم۔ ایک فرنگی اندر بیٹھ کر تار بجاتا تھا۔ دو باہر بیٹھے تھے مور کی دم کے پر اسمیں لگے تھے انکی جڑوں پر انگلیاں مارتے تھے۔ کیا کیا آوازیں نکلتی تھیں کہ روح پر اثر ہوتا تھا۔ فرنگی دم بدم کبھی سرخ کبھی زرد بوقلموں ہو ہو کر نکلتے تھے۔ اور ساعت بساعت رنگ بدلتے تھے عجب عالم تھا۔ اہل مجلس حیران تھے کیفیت اسکی ٹھیک ٹھیک ادا نہیں ہو سکتی ❊

ہرن بدل کر آتے تھے۔ اور غائب ہو جاتے تھے پرستان کا عالم نظر آتا تھا +

ف اکبر بادشاہ فقط ملک کا بادشاہ نہ تھا ہر فن اور ہر کام کا بادشاہ تھا۔ ہمیشہ علوم و فنون کی پرورش اور ترقی کی فکر میں رہتا تھا۔ اُس کی قدر دانی نے دانایان فرنگ کو بندر گوا۔ سورت اور ہگلی سے بلا کر اِس طرح حضت کیا کہ یورپ کے ممالک مختلفہ سے لوگ اُٹھہ اُٹھہ کر دوڑے اور اُنہوں اور ملک ملک کے صنائع بدائع لاکر پیشکش کئے۔ اِس موقع ان سب کے نمونے سجائے گئے اور ہندوستان کے صنعت گروں نے بھی اپنی دستکاریاں دکھا کر شاباش اور آفرینا کے پھول سمیٹے +

نوروز سے لیکر ۱۸ دن تک ہر ایک امیر اپنے اپنے ایوان میں ضیافت کی حضور رونق افروز ہوئے اور بے تکلف اور دوستانہ ملاقات سے محبت و اتحاد کی بنیاد دلوں میں استوار کی۔ امرا نے اپنے رتبے کے موجب پیشکش گذرانے۔ ارباب طرب اور اہل نشاط کے طوائف کشمیری۔ ایرانی۔ تورانی ہندوستانی گویئے۔ ڈوم۔ ڈھاڑی۔ میراثی۔ کلاونت۔ گاین۔ ناٹک۔ سپردائی۔ ڈومنیاں۔ پاتر کنچنیاں ہزار در ہزار جمع ہوئیں۔ دیوان خاص اور دیوان عام سے لیکر بازاروں کے نقار خانوں تک جا بجا مقامات تقسیم ہو گئے تھے۔ جدھر دیکھو راجہ اندر کا اکھاڑا کھلا تھا +

جشن کی ریت رسوم کی بھی سیر دیکھ لو روز جشن سے ایک دن پہلے مبارک ساعت سبھ لگن میں ایک سہاگن بی بی اپنے ہاتھ سے دال دلتی۔ اسے گنگا جل میں بھگوتی۔ پیٹھی پیسکر رکھتی جشن کی ساعت قریب آئی۔ بادشاہ اشنان کو گئے۔ رنگین جوڑا ساعت اور ستاروں کے موافق خاص جامہ پہنا۔ کھڑکی دار پگڑی۔ راجپوتی انداز سے باندھی۔ مکٹ سر پر رکھا۔ کچھ اپنا خاندانی۔ کچھ ہندوانی گہنا پہنا۔ جوتشی اور نجومی اصطرلاب لگائے بیٹھے ہیں جشن کی ساعت آئی۔ برہمن نے ماتھے پر ٹیکا لگایا۔ جواہر نگار کنگن ہاتھ میں باندھا۔ کوئلے دہک رہے ہیں۔ خوشبوئیاں تیار ہیں۔ ادھر ہوَن ہونے لگا۔ چوکے میں کڑھائی چڑھی ہے۔ یہاں اُس میں بڑا پڑا۔ وہاں بادشاہ نے تخت پر قدم رکھا۔ نقارۂ دولت پر چوٹ پڑی۔ نوبت خانہ میں نوبت بجنے لگی۔ کہ گنبد

گردوں گونج اٹھا ؎

خوانوں اور کشتیوں پر زرنگار طورہ پوش پڑے۔ موتیوں کی جھالر لٹکتی۔ امرا لئے کھڑے ہیں سونے روپے کے بادام پستہ وغیرہ میوہ جات۔ روپے اشرفیاں۔ جواہر اس طرح نچھاور ہوتے جیسے اولے برستے ہیں دربار ایک مرقع قدرت الٰہی کا تھا۔ راجپوت کے راجہ۔ مہاراجہ اور بڑے بڑے ٹھاکر کہ فلک سے سر نہ جھکائیں ایرانی تورانی سردار کہ رستم و اسفندیار کو خاطر میں نہ لائیں خود زرہ بکتر چار آئینہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تصویر کا عالم کھڑے ہیں خاص شہزادوں کے سوا کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں اول شہزادوں نے پھر امرا نے درجہ بدرجہ نذریں دیں سلام گاہ پر گئے وہاں سے تخت گاہ تک تین جگہ آداب و کورنش بجا لائے جب چوتھا سجدہ کہ آداب زمین بوس کہلاتا تھا ادا کیا تو نقیب نے آواز دی کہ آداب بجا لاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت۔ جہاں بلی بادشاہ سلامت۔ ملک الشعرا نے سامنے آکر قصیدہ مبارکباد پڑھا خلعت انعام سے سربلند ہوا

مینا بازار* - زنانہ بازار

جب جشن کے آداب آئین میں شان و شکوہ اپنے خزانے کر لیتی۔ اور آرائش اور زیبائش کی بھی

---

*سال برس میں دو دفعہ تلادان ہوتا تھا (۱) نوروز سے پہلے ترازو کھڑی ہوتی بادشاہ ۱۲ چیزوں میں تلتا تھا۔ سونا۔ چاندی۔ ابریشم۔ خوشبوئیاں۔ لوہا۔ تانبا جست۔ توتیا گھی۔ دودھ۔ چاول ست نجا (سات اناج) (۲) جشن ولادت قمری حساب سے ۵ رجب کو ہوتا تھا۔ اسمیں چاندی قلعی۔ گھی ۱۲ میوے شیرینی۔ تلوں کا تیل۔ سبزی۔ سب جنسوں اور عام فقیروں غریبوں کو بٹ جاتا تھا اسی حساب سے شمسی تاریخ کو +

آئین اکبری صفحہ ۲۴۴

* ترکستان میں دستور ہے کہ ہفتہ میں دو دفعہ یا ایک دفعہ ہر شہر میں یا اکثر دہات میں بازار لگتے ہیں اس آبادی کے اور اکثر ۵ ۶ ۷ کوس کے آس پاس کے لوگ پچھلی رات سے گھروں سے نکلتے ہیں دن نکلتے مقام پر آکر جمع ہوتے ہیں عورتیں برقع سروں پر۔ نقابیں منہ پر۔ ابریشم سوت۔ ٹوپیاں۔ رومال پھلکاری اپنی دستکاری۔ یا ضرورت کی ماری جو کچھ ہو بیچنے کو لاتی ہیں۔ مرد ہر قسم کے پیشہ ور اپنی اپنی جنس سے بازار کو گرم کرتے ہیں مرغی اور انڈے سے لیکر گراں بہا گھوڑوں تک۔ اور گزی گاڑھے سے لیکر قیمتی قالین تک میوہ جات سے لیکر اقسام غلہ بھس اور گھاس تک۔ تیل گھی۔ مسگری نجاری۔ لہاری کا ہر ہیاں تک کہ مٹی کے باسن تک سب موجود ہوتے اور دوپہر میں بک جاتے

ساری دستکاری خرچ ہو چکتی۔ تو اُن ایوانوں میں جو درحقیقت ایجاد۔ اور عقل و شعور کے بازار تھے زنانہ ہو جاتا۔ وہاں محل کی بیگمات آتی تھیں کہ ذرا انکی آنکھیں کھلیں۔ اور سلیقہ کی آنکھوں میں گھڑاپے کا سُرمہ لگائیں۔ امرا و شرفا کی بی بیوں کو بھی اجازت تھی کہ جو چاہے آئے تماشا دیکھے۔ دکانوں پر تمام عورتیں بیٹھ جاتی تھیں سوداگری اور سودا زیادہ تر زنانہ رکھا جاتا تھا۔ خواجہ سرا۔ قلماقنیاں۔ اردا بیگنیاں اسلحۂ جنگ سجے۔ انتظام کے گھوڑے دوڑاتی پھرتی تھیں۔ عورتیں ہی پہروں پر ہوتی تھیں۔ مالیوں کی جگہ مالنیں چمن آرائی کرتی تھیں۔ اس کا نام **خوش روز** تھا۔ نیک نیت بادشاہ آپ بھی آتا تھا اور اپنی رعیت کی بہو بیٹیوں کو دیکھ کر ایسا خوش ہوتا تھا۔ کہ ماں باپ بھی اتنا ہی خوش ہوتے ہونگے جہاں مناسب جگہ دیکھتے تھے بیٹھ جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم۔ بہنیں بیٹیاں پاس بیٹھتی تھیں۔ امرا کی بی بیاں آ کر سلام کرتیں نذریں دیتیں بچوں کو سامنے حاضر کرتیں ان کی نسبتیں حضور ہی میں قرار پاتی تھیں اور حقیقت میں یہ بھی آئین سلطنت کا ایک جز تھا۔ کیونکہ یہی لوگ اجزائے سلطنت تھے شطرنج کے مہروں کی طرح باہم تعلق رکھتے تھے اور آپس میں ایک ایک کا زور ایک کو پہنچ رہا تھا۔ ان کی باہمی محبت و عداوت اتفاق و اختلاف اور ذاتی نفع و نقصان کے اثر بادشاہ کے کاروبار پر پہنچتے تھے۔

سواری کی سیر

سلطنت کی شکوہ اور دولت و حشمت کے انبوہ جشن سالگرہ اور جشن جلوس پر بہار دکھاتے تھے۔ بارگاہ جلال آراستہ تخت مرصع زرّیں و سیمیں چبوترے پر جلوہ گر۔ تاج اقبال میں ہما ہمایوں کے پر۔ چتر زرنگار سر پر۔ زربفت کا شامیانہ موتیوں کی جھالر سونے روپے کے استادوں پر تنا۔ ابریشمیں قالینوں کے فرش در و دیوار پر شالہائے کشمیری مخملہائے رومی۔ اطلسہائے چینی لہراتے۔ امرا دست بستہ

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۹۹۔ اور اکثر لین دین سبادلہ میں ہوتے ہیں۔ بادشاہ نیک آئین نے اسے اصلاح و تہذیب کے ساتھ رونق دی۔ آئین اکبری صفحہ ۳۴۲ میں لکھا ہے کہ ہر مہینے معمولی بازار کے تیسرے دن قلعہ میں زنانہ بازار لگتا تھا۔ غالباً یہ امر آئین میں داخل ہو گا عمل اسپر بھی کبھی کبھی ہوتا ہوگا ۱۲

دو طرفہ حاضر - چوبدار - خاص بردار اہتمام کرتے پھرتے ہیں ان کے زرق برق لباس - سونے روپے کے نیزوں اور عصاؤں پر باناتی و سقرلاتی غلاف - طلسمات کی پتلیاں تھیں خدمت کرتی پھرتی تھیں شادی مبارکبادی کی چہل پہل اور عیش و عشرت کی ریل پیل ہو رہی تھی ❊

بارگاہ کے دونوں طرف شہزادے اور امیروں کے خیمے باہر دونوں طرف سواروں اور پیادوں کی قطار - بادشاہ دو منزلی راوٹی (جھروکے) میں آ بیٹھتے - اس کا زردوزی خیمہ - سایۂ اقبال کا شامیانہ شہزادے - امرا سلاطین آتے - انھیں خلعت و انعام ملتے - منصب بڑھتے - روپے زر و اشرفیاں - سونے چاندی کے پھول اولوں کی طرح برستے - یکایک حکم ہوتا کہ ہاں نور برسے فراشوں اور خواصوں نے مٹھیاں بادلا اور مقیش کتر کر جھولیوں میں کھر لیا ہے - اور مسندلیوں کے چڑھ کر اڑا رہے ہیں نقار خانے میں نوبت جھڑ رہی ہے - ہندوستانی - عربی - ایرانی - تورانی فرنگی - باجے بجتے ہیں غرض گھما گھمی تھی اور ناز و نعمت کے لئے صلائے عام تھا ❊

اب دولھا کے سامنے سے عروس دولت کی برات گذرتی ہے - نشان کا ہاتھی آگے - اس کے بعد اور ہاتھیوں کی قطار - پھر ماہی مراتب اور اور نشانوں کے ہاتھی - جنگی ہاتھیوں پر فولادی پاکھریں - پیشانیوں پر ڈھالیں بعض کی مستکوں پر دیوزادی نقش و نگار - بعض کے چہروں پر گینڈوں - ارنے بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کلوں سمیت چڑھی ہوئیں - ہیبت ناک صورت - ڈراونی مورت سونڈوں میں گرز برچھیاں تلواریں لئے - سانڈنیوں کا سلسلہ جن کے سو سو کوس کے دم گردن بھی - سینے تنے جیسے لقا کبوتر - پھر گھوڑوں کی قطاریں عربی ایرانی - ترکی - ہندوستانی - آراستہ پیراستہ ساز و یراق میں غرق - چالاکی میں برق اچھلتے مچلتے - کھیلتے - کودتے شوخیاں کرتے چلے جاتے تھے - پھر شیر - پلنگ - چیتے - گینڈے بھیڑیے جنگل کے جانور سدھے سدھائے شائستہ - چیتوں کے چھکڑوں پر نقش و نگار - گل گلزار آنکھوں پر زردوزی غلاف - وہ اور ان کی بیل کشمیری شالیں - مخمل زربفت کی جھولیں اوڑھے بیلوں کے سروں پر کلگیاں - اور تاج - سینگ مصوروں کی قلمکاری سے قلمدان کشمیر - پاؤں میں جھانجھن گلے

میں گھنگرو چھم چھم کرتے چلے جاتے تھے شکاری کہ شیر سے منہ نہ پھرائیں۔ شکار کی بو پر پتال سے
پتا نکال لائیں۔

پھر خاصے کے ہاتھی آتے۔ ان کی زرق برق کا عالم اللہ اللہ آنکھوں کی چکاچوندی آتی تھی۔ یہ
خاص الخاص چاہتے تھے ان کی جھلابور جھولیں سوتی اور جواہر ٹنکے۔ زیوروں میں لدے
پھندے۔ قوی ہیکل سینوں پر سونے کی ہیکلیں لٹکتی سونے چاندی کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے
جھومتے جھامتے خوش مستیاں کرتے چلے جاتے تھے۔

سواروں کے دستے پیادوں کے قشون (پلٹنیں) سپاہ ترک کے ترکی دستاری لباس وہی جنگ
کے سلاح ہندوستانی فوجوں کا اپنا اپنا بانا۔ کیسریے دگلے۔ سورما راجپوت ہتھیاروں میں اوبھی
بنے۔ دکھنیوں کے دکھنی سامان۔ توپخانے آتشخانے انگی فرنگی رومی وردیاں سب اپنے اپنے باجے
بجاتے۔ رجپوت شہنائیوں میں کڑکے گاتے۔ اپنے نشان لہراتے چلے جاتے تھے۔ امراء
سردار اپنی اپنی سپاہ کو انتظام سے لئے جاتے تھے۔ جب سامنے پہنچتے سلامی بجا لاتے دمامہ پر
ڈنکا پڑتا سینوں میں دل ہل جاتے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ فوج اور لوازمات فوج اور ہر شے کی
موجودات ہو جائے۔ کوتاہی ہو تو پوری ہو جائے۔ قباحت ہو تو اصلاح میں آئے۔ ایجاد مناسب
اپنی جگہ پائے۔

اکبر کی شجاعت ذاتی اور بے حد دلاوری

یہ بات راجگان ہند کے اصول سلطنت میں داخل تھی۔ کہ راج کا فرمان روا اکثر خطرناک اور جان
جوکھوں کے کام کر کے خاص و عام کے دلوں میں ایک تاثیر پھیلائے جس سے وہ سمجھیں کہ بے شک تائید
غیبی اس کے ساتھ ہے اور اقبال اس طرح مددگار ہے کہ ہم میں سے یہ بات کسی کو نصیب نہیں اور
اسی واسطے اسکی عظمت خدا کی عظمت اور اس کی اطاعت اطاعت الٰہی کی پہلی سیڑھی ہے۔
اور یہی بات ہے کہ ہندو راجہ کو اوتار اور مسلمان ظل اللہ (سایۂ خدا) کہتے ہیں۔ اکبر اس بات کو
خوب سمجھ گیا تھا۔ تیموری۔ و چنگیزی لہو کی گرمی سے ہمت جرأت جذبہ وجوش۔ اور شوق

ملک گیری جو اُس کے لہو میں باقی تھا۔ وہ خیالات کو اور بھی گرماتا رہتا تھا۔ بلکہ یہ جوش یا بابر کی طبیعت میں تھا یا اس میں کہ جب دریا کے کنارے پر پہنچتا تھا۔ خواہ مخواہ گھوڑا پانی میں ڈال دیتا تھا۔ جب وہ اس طرح دریا اُترے تو نمک حلالوں میں کون ہے۔ کہ جاں نثاری کا دعویٰ رکھے اور اس سے آگے نہ ہو جائے۔ یلغاریں کر کے جہیں کرنی ہمت کے گھوڑے پر چڑھ کر آپ تلوار مارنی۔ قلعوں کے محاصرے کرنے۔ سرنگیں لگانی۔ ادنیٰ سپاہیوں کی طرح مورچے مورچے پر آپ پھرنا۔ اکبر ہی کا کام تھا۔ اکبر جب تک کابل تھا تو اونٹ سے بڑا کوئی جانور نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے اُسی پر چڑھتا تھا۔ دوڑاتا تھا لڑاتا تھا کبھی کتوں سے کبھی تیر و کمان سے شکار کھیلتا تھا۔ اور نشانے لگاتا تھا۔ باز باشے اُڑاتا تھا۔

جب ہمایوں ایران سے ہندوستان کو پھرا۔ اور کابل آ کر آرام سے بیٹھا۔ تو اکبر کی عمر پانچ برس سے کچھ زیادہ ہوگی یہ بھی چچا کی قید سے چھٹا۔ اور سیر و شکار جو شاہزادوں کے شغل ہیں ان میں دل خوش کرنے لگا۔ ایک دن کتے لیکر شکار کو گیا۔ کوہستان کا ملک ہے۔ ایک پہاڑ میں ہرن خرگوش وغیرہ شکار کے جانور بہت تھے۔ چاروں طرف نوکروں کو جا دیا۔ کہ رستہ روکے کھڑے رہو۔ کوئی جانور نکلنے نہ پائے اُسے لڑکا سمجھ کر نوکروں نے بے پروائی کی۔ ایک طرف سے جانور نکل گئے۔ اکبر بہت خفا ہوا۔ اُلٹا پھرا اور جن نوکروں نے غفلت کی تھی اُنھیں رسوائی کے ساتھ تمام اُردو میں تشہیر کیا (پھرایا) ہمایوں سن کر خوش ہوا۔ اور کہا شکر خدا کہ ابھی سے اس نونہال کی طبیعت میں سیاست شاہانہ اور ایجاد آئین کے اصول ہیں۔ جب ۹۶۲ھ میں ہمایوں نے اکبر کو صوبہ پنجاب کا انتظام سپرد کر کے دلی سے روانہ کیا تو سرہند کے مقام میں حصار فیروزہ کی فوج آکر شامل ہوئی ان میں استا **عزیز سیستانی** بھی تھا اُسے توپ اور بندوق کے کام میں کمال تھا۔ اور بادشاہ سے * **رومی خاں** کا خطاب حاصل کیا۔ وہ بھی اکبر کے سلام کو آیا۔ اپنی نشانہ بازی اور تفنگ اندازی کے کمال اس خوبی سے دکھائے کہ اکبر کو بھی شوق ہو گیا۔ شکار کا عشق تو پہلے ہی تھا۔ یہ

* اس عہد میں اکثر توپ انداز روم سے آتے تھے۔ اسی واسطے بادشاہوں کے دربار سے رومی خاں خطاب پایا کرتے تھے توپ تفنگ کے کاروبار حالانکہ یورپ سے اول دکن میں آئے۔ پھر ہندوستان میں پھیلے ۱۲

اس کا جزو اعظم سوا چند روز میں ایسا مشتاق ہو گیا کہ بڑے بڑے گل چلے استاد کان پکڑنے لگے +

چیتوں کا شوق جس طرح ہندوستان میں چیتوں سے شکار کھیلتے ہیں۔ ایران و ترکستان میں اس کا رواج نہیں۔ جب ہمایوں دوبارہ ہندوستان پر آیا۔ اکبر ساتھ تھا۔ ۱۲ برس کی عمر تھی۔ سرہند کے مقام پر **سکندر خاں** افغان انبوہ در انبوہ افغانوں کی فوج کو لئے پڑا تھا۔ جنگ عظیم ہوئی۔ اور ہزاروں کا کھیت پڑا۔ افغان بھاگ گئے۔ خزانے ہزار در ہزار اور اموال بے شمار فوج بادشاہی کے ہاتھ آئے **ولی بیگ۔ ذوالقدر بیرم خاں** کا بہنوئی **حسین قلیخاں خان جہاں** کا باپ۔ سکندر کے چیتہ خانہ میں سے ایک چیتہ لایا۔ اس کا نام **فتح باز** تھا۔ **دوندوا** اسکا چیتہ بان تھا۔ دوندو نے اپنے کرتب اور چیتے کے ہنر اس خوبی سے دکھائے کہ اکبر عاشق ہو گیا۔ اور اسی دن سے چیتوں کا شوق ہوا سینکڑوں جمع ہو گئے ایسے سدھے ہوئے تھے کہ اشارہ پر کام دیتے تھے کہ دیکھنے والے حیران رہتے تھے۔ کمخواب و مخمل کی جھولیں اوڑھے گلے میں سونے کی زنجیریں آنکھوں پر زردوزی چشمے چڑھے۔ بہلیوں میں سوار چلتے تھے۔ بیلوں کا سنگار بھی ان سے کچھ کم نہ تھا سنہری روپہلی سنگوٹیاں چڑھی۔ زردوزی تاج سر پہ۔ زریں و زرتار جھولیں جھم جھم کرتی۔ غرض کہ عجب بہار کا عالم تھا +

ایک دفعہ سفر پنجاب میں چلے جاتے تھے کہ ایک ہرن نمودار ہوا۔ حکم ہوا کہ اسپر چیتہ چھوڑو چھوڑا۔ ہرن بھاگا۔ ایک گڑھا بیچ میں آ گیا۔ ہرن نے چاروں تیلیاں جھاڑ کر جست کی اور فضا میں اڑ گیا۔ چیتا بھی ساتھ ہی اڑا۔ اور ہوا میں جا دبوچا۔ جیسے کبوتر اور شہباز۔ عجب طرح سے اوپر تلے گتھم گتھا ہوتے ہوئے گرے۔ سواری کا انبوہ تھا۔ سب کے دلوں میں سے واہ واہ کا ولولہ نکلا۔ عمدہ عمدہ چیتے آتے تھے۔ انمیں سے انتخاب ہوتے تھے۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خاصے میں داخل ہوتے تھے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ ان کی تعداد کبھی ہزار تک نہ پہنچی جب ایک دو کی کسر رہتی۔ کچھ نہ کچھ عارضہ ایسا ہوتا تھا کہ چند چیتے مر جاتے تھے سب حیران تھے اور اکبر بھی ہمیشہ متعجب رہتا تھا +

ہاتھی کا بڑا شوق تھا اور یہ شوق فقط شاہوں اور شہزادوں کا شوق نہ تھا۔ ہاتھیوں کے سبب سے

اکثر مہمیں قائم ہوگئیں جن میں لاکھوں کروڑوں روپئے صرف ہوئے۔ اور ہزاروں سر کٹ گئے۔ خود ہاتھی پر بہت خوب بیٹھتا تھا۔ سرشور مست۔ آدم کش ہاتھی کہ بڑے بڑے مہاوت اُن کے پاس جاتے ہوئے ڈریں۔ وہ لاگ جاتا۔ برابر گیا۔ کبھی دانت کبھی کان پکڑا۔ اور گردن پر نظر آیا۔ ہاتھی سے ہاتھی پر اُچھل جاتا تھا۔ اور اُس کی گردن پر بیٹھ کر بے تکلف ہنستا کھیلتا اڑاتا۔ بھگاتا۔ گدی جھول کچھ نہیں۔ فقط کلاوے میں پاؤں ہے۔ اور گردن پر جما ہوا ہے۔ کبھی درخت پر بیٹھ جاتا۔ جب ہاتھی برابر آیا جھٹ اُچھلا۔ اور گردن یا پشت پر۔ پھر وہ بہتیری جھرجھریاں لیتا ہے۔ سر دھنتا ہے۔ کان پھٹ پھٹاتا ہے۔ یہ کب ہلتے ہیں۔

ایک دن فوج کی موجودات لے رہا تھا۔ دو راجپوت نوکری کے لئے سامنے آئے۔ اکبر کی زبان سے نکلا۔ کچھ بہادری دکھاؤ گے۔ اُن میں سے ایک نے اپنی برچھی کی بوڑی اُتار کر پھینک دی۔ اور دوسرے کی برچھی کی بھال اُس پر چڑھائی۔ تلواریں سونت لیں۔ دونوں نے برچھی کی انیاں سینوں پر لیں اور گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں۔ بے خبر گھوڑے چمک کر آگے بڑھے۔ دونوں بہادر چھد کر بیچ میں آن ملے اس نے اُس کے تلوار کا ہاتھ مارا۔ اُس نے اس کے۔ دونوں کٹ کر وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اور دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ اکبر کو بھی جوش آیا۔ مگر کسی کو اپنے سامنے رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ حکم دیا کہ تلوار کا قبضہ دیوار میں خوب مضبوط گاڑ دو۔ پھل باہر نکلا رہے۔ پھر تلوار کی نوک پر سینہ رکھ کر چاہتا تھا کہ آگے کو حملہ کرے۔ مان سنگھ دوڑ کر لپٹ لیا۔ اکبر بڑے جھنجھلائے۔ اسے اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ کہ تو نے جوش خداداد کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ انگوٹھے کی گھائی میں زخم بھی آگیا تھا۔ مظفر سلطان نے زخمی ہاتھ مروڑ کر مان سنگھ کو چھڑایا۔ اس کشمکش میں زخم زیادہ ہوگیا تھا۔ مگر علاج سے جلد اچھا ہوگیا۔ اگرچہ بادشاہوں کو ہر ملک میں اور ہر وقت میں جان کا ڈر لگا رہتا ہے مگر ایشیائی ملکوں میں جہاں شخصی سلطنت کا سکہ چلتا ہے۔ وہاں زیادہ خطر ہوتا ہے خصوصاً اگلے وقتوں میں کہ سلطنت کا کوئی با اصول قانون تھا نہ لوگوں کے خیالات کا کوئی قاعدہ تھا۔ باوجود اسکے اکبر کسی بات کی پروا نہ کرتا تھا۔ اُسے ملک کے حال سے باخبر رہنے کا اور لوگوں کو

آرام و آسائش سے رکھنے کا بڑا خیال تھا۔ اور ہمیشہ اسی فکر میں لگا رہتا تھا۔

ابو الفضل سے خود ایک دن بیان کیا کہ ایک رات آگرہ کے باہر چھپڑیوں کا میلا تھا۔ میں بھیس بدل کر وہاں گیا کہ دیکھوں لوگ کس حال میں ہیں اور کیا کرتے ہیں ایک بازاری سا آدمی تھا۔ اُس نے مجھے پہچان کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ دیکھنا بادشاہ جاتا ہے۔ وہ برابر ہی تھا۔ میں نے بھی سُن لیا جھٹ آنکھ کو بھینگا کر کے مُنھ ٹیڑھا کر لیا۔ اور اسی طرح بے پروائی سے چلا گیا۔ اُن میں سے ایک نے بڑھ کر دیکھا۔ اور غور کر کے کہا۔ وہ نہیں بھلا اکبر بادشاہ کہاں۔ اُس کی وہ صورت کہاں۔ یہ تو کوئی ٹیڑھا سا ہے۔ اور بھینگا بھی ہے۔ میں آہستہ آہستہ اُس بھیڑ سے نکلا۔ اور اپنے تکلّف کو برطرف کر کے قلعہ کی راہ لی۔

اکبر نے اپنے غنیموں پر بڑی زور شور کی یلغاریں اور جان جوکھوں کے ساتھ دھاوے کئے۔ اور تھوڑی جمعیت سے ہزاروں کے لشکر گرد باد کر اُڑائے۔ لیکن ایک دھاوا اُس نے ایسے موقع پہ کیا جس کا ایک سلسلے میں لکھنا بھی ناموزوں نہیں ہے۔

۹۹۱ھ

موٹہ راجہ کی بیٹی راجہ جیمل سے بیاہی تھی۔ وہ جان نثار اکبر کا مزاج شناس تھا۔ مہم کسی کار ضروری کے لئے اُسے بنگالہ بھیجا تھا۔ حکم کا بندہ گھوڑے کی ڈاک پر بیٹھ کر دوڑا۔ تقدیر کی بات کہ جوسا کے گھاٹ پر تھکن نے بٹھایا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں لٹا کر بستر مرگ پہ سلا دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ سُن کر بہت افسوس ہوا۔ محل میں آئے تو معلوم ہوا کہ اُس کا بیٹا اور چند اور جاہل راجپوت اپنی جہالت کے زور سے **رانی** کو زبردستی ستی کرتے ہیں خدا ترس بادشاہ کو ترس آیا اور تڑپ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ سمجھا کہ ممکن ہے کسی اور امیر کو بھیج دوں۔ مگر اُس کے سینے میں اپنا دل اور دل میں درد کیونکر ڈال دوں۔ فوراً گھوڑے پر بیٹھا۔ اور ہوا کے پر لگا کر اُڑا۔ اکبر بادشاہ کا دفعۃً تختگاہ سے غائب ہو جانا آسان بات نہ تھی۔ شہر میں شور اور عالم میں شورش مچ گئی۔ جا بجا ہتیار بندی ہونے لگی۔ اس دوڑا دوڑ میں امرا اور اہل خدمت میں سے کون ساتھ پہنچ سکے۔ چند جاں نثار اور کئی خدمتگار رکاب میں رہے اور دفعۃً محل واردات پر جا کھڑے ہوئے۔ اکبر کو شہر کے قریب کسی جگہ ٹھیرا لیا۔

جگناتھ اور راجہ رائسال گھوڑے مار کر آگے بڑھ گئے تھے۔ اُنھوں نے جا کر خبر دی کہ مہابلی آگئے۔ ضدی جاہلوں کو روکا اور حضور میں لا کر حاضر کر دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اپنے کئے پر پشیمان ہیں اس لئے جان بخشی کی۔ لیکن حکم دیا کہ چند روز ادبخانہ زنداں میں رہیں پیالی کی جان کے ساتھ اُنکی بھی جان بچ گئی۔ اُسی دن وہاں سے پھرا۔ جب فتح پور میں پہنچا تو سب کے دم میں دم آیا +

مولوی نذیر احمد صاحب کے خط بیٹے کی جانب

۱۷ کا خط پہنچا۔ بندۂ خدا اتنی دیر مت کیا کرو۔ کیا کفایت شعاری اسی میں منحصر ہے کہ مجھ کو خط لکھنے میں کمی کی جائے۔ میں نے تم کو پہلے بھی لکھا ہے اور اب پھر لکھتا ہوں کہ امتحان کے بھروسے پر مت رہو کسی طرح جماعت میں ترقی کرو اور آگے کو نصیحت پکڑو۔ مدرسے میں کامیابی اور ناموری کے ساتھ پڑھنا یوں تو نہیں ہوگا۔ مدرسے کے علاوہ گھر پر کم سے کم تین یا چار گھنٹے روز دل لگا کر پڑھو گے تو خیر ورنہ کیوں خود حیران ہوتے اور کیوں ہم سب کو حیران کرتے ہو۔ دنیا کی کارروائی کی قدر تم کو لکھنا پڑھنا آ ہی گیا ہے پس میٹر پاس ہو کر قانون یاد کرو اور امتحان دو۔ مدرسے میں پڑھنا منظور ہے تو یاد رکھو انٹرنس پہلی منزل ہے بھلا کچھ نہ ہو تو بی۔ اے کے خطاب تک ہو تو بشیر درجہ فضیلت حاصل کرنے کے ہرگز یہ ڈھنگ نہیں جو تمھارے ہیں۔ ہر روز کے سبقوں کو بالالتزام مطالعہ اور پڑھنے کے بعد نظر تدقیق سے ان کو دیکھنا اور ذہن نشین کرنا اور ایک درجہ اعتدال کے ساتھ محنت کا برابر جاری رکھنا شرط ضروری ہے۔ تمھارا یہ حال ہے کہ پہلے ہی امتحان میں متردد کہ پاس ہوئے یا نہیں تو اگلے امتحان کہیں سخت ہیں کیونکر ان سے عہدہ برآ ہو سکو گے۔ غرض پڑھنا ہے تو پڑھنے کے طور پر پڑھو۔ کہیں چاندنی چوک جا نکلے کہیں عجائب خانہ کی سیر کی کچھ وقت قصے کہانیوں میں ضائع کیا۔ دو گھڑی لٹ گئی اور سو رہے۔ یوں تو پڑھنا نہیں آتا۔ پڑھنا جب آ سکتا ہے کہ تم ایک ایک منٹ کی قدر کرو اور جہاں تک تندرستی اجازت دے محنت کرتے رہو۔ تم اب تک مجھ سے صرف عربی میں پوچھتے تھے۔ آیندہ ریاضی بھی پوچھا کرو۔ زیادہ نہیں تو انٹرنس تک تم کو بتاؤں گا حساب جبر و مقابلہ کی خاص متوجہ ہو کر نکالو۔ تاریخ کے واقعات بطور سوال و جواب ثبت کر کے جاؤ تب امتحان دینے کا مزہ ہے۔ نری دعا سے کام نہیں چلتا۔ شوق نہیں ورنہ مولوی احمد حسن کے ہوتے

تم کو عربی کا حاصل کرنا کیا دشوار تھا۔ مدرسے کی چیزوں کا حیلہ اور اُن میں بھی نقصان۔ مولوی صاحب نے کئی مکان لئے لیکن سب چار مدادمیں دکان مجھ کو پسند ہے۔ باقی محل اور حویلیاں سب آج کل کی بھی ہی غضب ہے۔ کاظم علی والا مکان تیرہ سو کا ہے اور تین روپیہ کرایہ تو نوٹ کے حساب سے اس کا کرایہ للعہ ہونا چاہیئے مگر کوئی اہتمام نہیں کرسکتا۔ ہم نے مکان مفت نہیں پایا۔ کٹھڑی بھر روپیہ دیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم کو پورا نفع نہ ملے۔ مولوی صاحب کے مزاج میں حلم۔ بیوی صاحب کو خیال نہیں۔ تم کو لیاقت نہیں۔ مولوی دعا گو کو قابلیت اور فرصت دونوں نہیں۔ مکان لاوارث سا پڑا ہے۔ اگر کرایہ داروں کو یہ حال معلوم ہو تو وہ تین روپیے بھی نہ دیں۔ بڑی حویلی ہمیشہ خسارہ دیتی ہے۔ مگر اعمال بد کی طرح بار دوش ہے۔ خدا ایسے کرے اُس کا بوجھ سر سے ٹلے۔ جب تجربہ کر لیا کہ دہلی و بجنور دونوں میں کوئی انتظام کرنے والا نہیں تو عاجز آ کر توکل کا پہلو اختیار کیا۔ ورنہ کوئی کرنے والا ہوتا تو حلال طور پر ایک ڈپٹی کلکٹری کی تنخواہ کماتا اور اصل محفوظ۔ بس غنیمت ہے کہ بیچارے مولوی صاحب باوجود معذوری اتنا بھی کرتے ہیں ورنہ ہم سب تو جیسے منتظم اور ہوشیار ہیں ظاہر۔ فقط ۱۲ جنوری ۱۸۷۸ء

دوسرا خط

۱۹ فروری کو صبح ہوتے جو خواب تم نے دیکھا یعنی وہ رائے جو تم نے تاریخ و جغرافیہ و ریاضی بلکہ مدرسے کے تمام تعلیم کے بے سود ہونے کی نسبت بہم پہنچائی مجھ کو تمہارے خط کے ذریعے سے معلوم ہوئی۔ بجائے اس کے کہ مجھ کو ناخوشی ہو میں تو اس کو بہت پسند کرتا ہوں کہ تم اپنی بری بھلی رائے کو ہمیشہ نہایت آزادی کے ساتھ بے تامل ظاہر کیا کرو۔ رائے کی غلطی عیب نہیں ہے۔ افہام و تفہیم اور مباحثہ و مناظرہ سے رائے کی غلطی کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر دو دلی اور نفاق کا کچھ بھی علاج نہیں۔ جب تمہارا بطون منکشف نہ ہو تو کوئی کیا جان سکتا ہے کہ تم اپنے ذہن میں کیا سوچا کرتے ہو۔ میں سرکاری تعلیم کا ایسا طرفدار نہیں ہوں کہ متعصبانہ اُس کی حمایت کروں لیکن انگریزی کی بدترین تعلیم عربی کی بہترین تعلیم سے باستثناء مذہب یقیناً عمدہ اور نافع ہے۔ عربی میں زبان و منطق کے خیالی ڈھکوسلوں کے سوائے کچھ بھی نہیں اور یہ جو اسوقت معراج ترقی حاصل ہے جانتے ہو کیوں ہے۔ ان لوگوں میں صرف یہ ہنر ہے کہ واقعات نفس الامری

تمام یورپ کی ہمتیں محصور ہیں ہم لوگ خیالی مضمونوں کے پیچھے پڑے رہتے اور آخر تک سوا چکنی چپڑی باتیں
بنانے اور جھوٹے بے اصل منصوبے باندھنے کے کچھ نہیں سیکھتے۔ جھوٹے القاب جھوٹے اداب۔ جھوٹے
اشتیاق جھوٹی تشبیہات۔ جھوٹے استعارات ہمارا علم انشا ہے۔ شاعری جو کمال انشا ہے اُس میں معشوق
وہ فرض کئے گئے جن کے کمر نہیں مُنہ نہیں جن کی زلفیں سلسلہ نامتناہی سے زیادہ دراز ہیں جن کے
سر میں بہار ہیں اگر ایسے معشوق کہیں نظر پڑ جائیں تو لوگ اُن کو ہوا اور بھوت سمجھیں۔ انگریزی شاعری کو
دیکھو بالکل نیچر کے مطابق۔ مبالغہ اور جھوٹ کا نام نہیں جس چیز کے حالات سے کسی علم میں بحث کرتے ہیں
اُس کو اُس علم کا موضوع کہتے ہیں جیسے صرف و نحو کا موضوع کلمہ و کلام طب کا بدن انسان۔
حساب کا عدد۔ انگریزی علوم کیا ہیں کہ موجودات عالم میں سے ہر ہر چیز کسی علم کا موضوع ہے۔ علم آب
علم ہوا علم مقناطیس علم حرارت علم روشنی وغیرہ۔ افسوس کہ ہمارے ہاں کہیں ان علوم کا پتا نہیں۔
انگریز لوگ کہیں سمندر کے کنارے مچھلی کے انڈے گنتے پھرتے۔ کہیں پہاڑوں کے دروں میں بھٹکتے کہیں
ریگستانوں کی خاک پھانکتے۔ غرض موجودات عالم کی تفتیش و تلاش میں سرگرم ہیں اور اسی سے اس درجے
کو پہنچے۔ کوئی انگریزی چیز تو دیکھو کس خوبی اور صفائی اور عمدگی کے ساتھ ہے۔ یہ سب علم واقعات کے جلوے
ہیں۔ ریل تار برقی نتیجے ہیں غور اس حرارت میں غور کرنے کے۔ یہ مضمون تو اس قدر وسیع ہے کہ بجائے خود محتاج کتاب
ہے۔ ایک خط میں سما نہیں سکتا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ بی اے۔ اور ام اے۔ محتاج و مفلس نہیں ہیں لیکن
کیا ضرور ہے کہ تم ناکام مثالوں پر نظر کرو ے ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق + باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو
ہر ہنر اور ہر پیشے اور ہر فن میں کامیاب اور ناکام ہوتے آئے ہیں لیکن اس سے لوگوں نے کسب ہنر نہیں چھوڑ دیا
مثلاً وکیل ایک وہ ہیں جو پانچ ہزار ماہوار کماتے اور دوسرے پالکی کا کرایہ گرہ سے دیتے پھر بھی ہزار ہا لوگ
امتحان وکالت دیتے ہیں۔ جو طرز تم اختیار کرنا چاہتے ہو کہ عربی پڑھوں قانون یاد کروں انگریزی
مطالعہ کتب و اخبار سے بڑھا لوں کیا تم کو وحی ہوئی ہے کہ اس طرز میں ضرور کامیابی ہوگی پیشتر آئندہ
کا حال معلوم نہیں کہ کس کی تقدیر میں کیا ہے۔ لیکن تدبیر شرط ہے سو یہ مدرسے میں پڑھنا بھی ایک تدبیر ہے۔
اور یہ ایسی تدبیر ہے کہ تم اس میں منفرد نہیں۔ اگر یہ حمق ہے تو اس حمق میں ہندوستان اور یورپ ملا کر لاکھوں

بندگان خدا مبتلا ہیں۔ قانون کے صرف دو مصرف ہیں ایک وکالت سو مشہور ہے اور سچ ہے صیغۂ وکالت
میں مطلق گنجائش نہیں اور پھر گنجائش بھی ہو تو تمہاری لکنت نے تم کو ناقابل کر دیا ہے۔ رہ گئی تحصیلداری وہ مشروط
بہ وعدہ کلکٹری ہے یعنی کلکٹر ضلع وعدہ کرے کہ خود امتحان کی اجازت دے اور امتحان میں پاس ہو تو تحصیلداری
ملے۔ تو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ انگریزی عربی سب چھوڑ دو۔ اس کو اردو کافی ہے۔ کیونکہ کل قوانین اردو
میں ہیں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ اس لفٹنٹی میں بلکہ شاید ہر جگہ ایسے تحصیلدار اور ایسے
ڈپٹی کلکٹر بھی موجود ہیں جن کے مقابلے میں تم کو اس وقت من حیث اللیاقۃ ترجیح ہے۔ میں اپنے معاصرین
میں بہتوں کو جانتا ہوں جو ہر پہلو سے مجھ پر فائق ہیں۔ قانون کا امتحان دے کر تحصیلدار کیوں نہیں
ہو گئے۔ عربی پڑھ کر مولوی ڈپٹی کلکٹری کس لئے مقرر نہیں ہوئے۔ اگر تم نے علم کا یہی نتیجہ سمجھا کہ وہ
روپیہ کمانے کا ذریعہ ہے تو تم نے ہرگز علم کی قدر نہیں جانی۔ تجارت۔ زمینداری۔ دست کاری وغیرہ
بہت سے ہنر اور پیشے ہیں جن میں علم درکار نہیں۔ اور روپیہ خوب کمایا جا سکتا ہے۔ علم وہ چیز ہے جو آدمی
کو ہر حالت میں نفع دیتا ہے۔ عام اس سے کہ روپیہ کمانے کا ذریعہ ہو یا نہ ہو۔ تم کو روپیہ کمانے کی کیا
جلدی پڑ گئی ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں تمہاری ضرورتوں کو رفع کر دوں گا اور مجھ سے لینے میں
تم کو تامل کیوں ہونے لگا۔ جیتے جی نہ لوگے تو میرے مرے پیچھے لوگے۔ ورنہ ہندستانی بہتیرے میری سمجھ میں ۲۲-
۲۳ تک تو عمر تحصیل ہے۔ تم نے کہیں اپنے تئیں اس عمر میں بڈھا فرض کر لیا۔ لیاقت کو سمجھو گویا باران
رحمت ہے۔ پانی تمام زمین پر برستا مگر ہر قطعۂ زمین پر اس کے آثار مختلف ہوتے ہیں۔ باران کہ در لطافت طبعش
خلاف نیست + در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس + لوگ بی اے ہونے کو ہی آنکھوں کا صرف ذریعہ
مناصب جلیلہ پر پہنچا اور کوئی بھیک مانگتا ہے۔ پڑھیں فارسی بیچیں تیل + یہ دیکھو قدرت کے کھیل +
کون کہہ سکتا ہے کہ تم کو خدا نے کس غرض کے لئے بنایا ہے۔ اگر ہر ایک شخص ہم لیاقت ہوں ضرور نہیں کہ وہ
سب ہم حالت بھی ہوں۔ میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ کچھ ایسی تحریک در پیش ہے کہ مجموعہ نمبر پر پاس
کیا جائے۔ ہر سبجیکٹ میں نمبر کامل نہ ہو۔ نہ سہی۔ بے شک تاریخ جغرافیہ لڑکوں کو تکلیف دیتا ہے لیکن وہ
دو حرف ہی۔ اسے کچھ ایسے مقبول ہیں کہ ان کے لئے سب محنتوں کو برداشت کرتے ہیں اور ضرور تم بھی

بے عنوانی کرتے ہو ورنہ ایسی واویلا کی چیز نہیں عمدہ مطالب منتخب کر لیا کرو۔ ریاضی وغیرہ پہ کیا موقوف ہے جب تو عمل باقی نہیں رہتا تو سب چیزیں بھول جاتی ہیں مگر پھر بھی گوش رسیدہ اثرے دارد۔ ایک کیفیت ضرور حاصل ہو جاتی ہے جس کو مناسبت سے تعبیر کرتے ہیں یہ تو تسلیم ہے کہ عقل بنا جیسے انگریزوں میں ہے کسی قوم میں نہیں اور علوم کے اعتبار سے کچھ شک نہیں کہ کوئی مفید علم نہیں جو انھوں نے نہیں لیا۔ تاریخ جغرافیہ کا انگریزی تعلیم میں ہونا کافی دلیل اس کے مفید ہونے کی ہے۔ تم کو کچھ اندازہ ہے کہ دنیا میں کتنے پرچے اخبار کے جاری ہیں شاید لاکھوں اور کیا فرق ہے اخبار و تاریخ میں اخبار تاریخ حال ہے اور تاریخ تاریخ گذشتہ۔ عام آگہی تمھارے نزدیک کچھ قدر کی چیز ہے یا نہیں پس اولی فائدہ تاریخ کا عام آگہی ہے حضرت من کس خیال میں ہو۔ کوئی انگریزی آرٹکل نہیں جس میں واقعات تاریخی کا حوالہ نہیں تاریخ سے تحریر مضامین یعنی انشا میں بہت مدد ملتی ہے۔ تاریخ داں کو استناد و استشہاد کی بڑی قوت ہوتی ہے وہ ہر رائے کی دلیل میں واقعات گذشتہ کی سند دے سکتا ہے۔ اور جب کہ وہ شرط کامیابی امتحان ہے تو بجائے خود اسکا نفع عظیم ہے مطالعہ کتب اخبار سے بھلا آپ کیا انگریزی پڑھا لیجئے گا جبکہ اس کی بنیاد ضعیف ہے

انگریزی اس تدبیر سے پڑھتی تو میں کبھی کا پڑھا چکا ہوتا تسوید اور اصلاح کا لینا اور گرامر کا استحفاظ نہایت ضرور ہے عربی زبان اسد کیا پوچھنا ہے اگر جیسے کی چیزوں سے عاجز ہو تو باہر کیا خاک پڑھو گے تم اپنے ضعیف القویٰ شاید نہیں جتنے کہ ضعیف الہمت ہو۔ یہ بھی تمھارے نفس کا خدع ہے جب تم عربی پڑھائے جاتے تھے تو عربی سے بھاگتے تھے۔ اب انگریزی سر پڑی ہے تو اس سے جان چراتے ہو یعنی تمھاری بے دلی اور تمھارا تذبذب تم میں کچھ نہ رہنے گا۔ نوکری کرو گے اور کچھ روپیہ کما سکو گے مگر نام و نمود یا منصب جلیل کے امیدوار مت ہو اور یوں خدا اپنے گدھوں کو حلوا دے تو کسی کا کیا دینا ہے۔ مجھ کو اس سے تو خوشی ہے کہ تم نے اپنی رائے کو ظاہر کیا مگر اس کا سخت رنج ہے کہ کیوں خدا نے تمھارے ایسے خیالات کئے میں نے تمھاری بات کا برا نہیں مانا۔ تم بھی میری بات کا برا نہ مانو لیکن خدا کی قسم بے محنت دنیا میں کچھ نہیں ہوا۔ اور محنت سے جان چرانا بدنصیبی اور حرمان کی دلیل ہے جس کام میں لگے ہو لگے رہو۔ تا بدیگر چہ گیر

نیت کو ڈانواڈول مت کرو۔ خدا اسی میں برکت دیگا۔ جتنا ہو سکتا ہو کئے جاؤ۔ تم اس قدر بے دل کیوں ہوتے ہو، شعر: ہیچ مشکلے نیست کہ آساں نشود، مرد باید کہ ہراساں نشود۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نوکری مت کرو۔ میں اپنے اوپر تکلیف اُٹھا کر تم کو آسایش پہنچا سکتا ہوں۔ غرض جو کچھ تم فرماؤ کرنے کو موجود ہوں۔ مگر یہ کہ تم نہ پڑھو میں نہیں کہہ سکتا۔ اور تمھارا یہ کہنا کہ یوں پڑھوں ووں نہ پڑھوں۔ گویا یہی کہنا ہے کہ نہ پڑھوں۔ کیونکہ جنکو پڑھنا منظور نہیں ہوتا اُن کا یہی دستور دیکھا ہے کہ عربی چھوڑی انگریزی لی۔ انگریزی چھوڑی قانون شروع کیا۔ انجام یہ کہ نہ انگریزی ہوئی نہ عربی نہ قانون۔ لوگ تو عمریں صرف کرتے ہیں تم تو دو ہی برس میں گھبرا گئے۔ سبب یہی ہے کہ مدرسہ میں جو کچھ ہوتی ہے اور تم تھے اس کے خوگر کہ پڑھا اور کتاب تہ۔ پھر جو کتاب کھولی تو اُستاد کے سامنے بیٹھ کر۔ اگر تم نے اپنی رائے پر عمل کیا تو میں تم کو انشاءاللہ یہ بھی دکھا دونگا کہ اگلے برس نہیں تو تیسرے سال عربی۔ انگریزی۔ قانون سب نے ارد۔ بھلا جب ہندوستان کے نوجوانوں کی ہمتوں کا یہ حال ہو تو کیا وہ ولایت جا کر سول سروس کے لئے مقابلہ کرینگے۔ ابھی ریش و بروت آنے تک میں تمھارے لئے کوئی شغل سوا اس کے نہیں دیکھتا کہ پڑھے جاؤ۔ ابھی انٹرنس تو پاس کر لو۔ بی اے اور ام۔ اے کے تو بڑے درجے ہیں۔ تمھاری طرز عبارت سے تو ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ تم اپنی طرف سے تو مدرسہ چھوڑ چکے۔ صرف یہ چاہتے ہو کہ میں ترک پر تمھاری تحسین کر دوں اور کہوں کہ شاباش اچھا کیا۔ اگر میں دیکھتا کہ تم عربی پر فریفتہ ہو تو میں تم کو اپنے پاس رکھتا لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں تم پڑھنا تو چاہتے ہو لیکن آسانی کے ساتھ۔ مطالعہ نہ ہو یاد کرنا نہ پڑے بنا بنایا ہو سو میسر نشود یکبار۔ این خیال است و محال است و جنوں۔ بشیر اگر تم پڑھنا نہیں چاہتے یا پڑھنا اگر تمھاری قسمت میں نہیں تو مجھ کو تم سے لڑنا منظور نہیں۔ تم جانو تمھارا کام جانے۔ لیکن اے خدا مجھ کو اس مصیبت کے جھیلنے کو زندہ مت رکھیو کہ ایک ایسے آدمی کا بیٹا اور وہ بھی جاہل یا کٹھ ملا۔ اگر رخصت لیکر دہلی رہنا ہو تو انشاءاللہ میں دیکھو نگا کہ کونسی چیز تم کو دشوار ہے میری زبان میں خدا نے اتنی قوت دی ہے کہ سمجھا دینے اور ذہن نشین کر دینے کا دعوے رکھتا ہوں فقط

۲۴- فروری ۱۸۷۷ء

آغاز داستان

سرزمین ختن میں ایک شہر تھا مینو سواد بہشت نژاد خلق خدا با خاطر شاد اُسے فرحت آباد کہتے تھے والی ملک
وہاں کا والا مرتبت عالیمقام شہنشاہ فیروز بخت نام تھا لیکن بایں حکومت و ثروت کاشانۂ امید کا چراغ
گل تھا آخرش جناب باری میں تضرع و زاری اُسکی منظور ہوئی لاولدی کی بدنامی دور ہوئی ساٹھ برس
کی عمر میں لڑکا پیدا ہوا اس کا نام بادشاہ نے **جان عالم** رکھا بڑی خوشی کی ہر ایک محتاج کو دولتمند
بنایا شاہزادے کے نام کے گنج آباد ہوئے مسجدیں مدرسے مہمان سرا مسافر خانے تعمیر ہوئے اہل شہر دلشاد
ہوئے برہمنوں نے عرض کی مہاراج کا بول بالا مرتبہ دوبالا اعلیٰ رہے ہماری پوتھی کہتی ہے پر بھگوان کی
دیا سے شہزادے کا چندرماں بلی ہے جو گرہ ہے وہ بھلی ہے دیگ تیگ کا مالک ہے دھرم مورت یہ
بالک ہے چکرراج پر براجے پرتھی میں دھوم مچے ایسی شادی رچے مگر پندرھویں برس ستری بارھویں
آئے گی سنیچر پاؤں پڑے گا ایک بکھیڑا ہاتھ آئے گا تریا کی کھٹ پٹ سے وہ بچن سنائے گا کہ راج پاٹ چھٹا
دیس بدیس لے جائیگا - ڈگر میں شاہزادہ بھٹکے کوئی پاس نہ پھٹکے ساتھی چھٹیں اپنے ڈیل سے ڈانواں ڈول
پھر ایک منکھ ٹھاکر کا سیوک کرپا کرے راہ لگائے کلنگن لوبھی ہو کشٹ دکھائے وہاں سے جب چھٹے الٹی
ملے مہا سندر وہ چرن پر پران وارے پتا اُس کا گیانی گن کی تاکی دے اُس سے کسی ملیچھ مارے
دُکھ میں آڑی آئے بڑے کام بنائے جب اُس نگر پہنچے جسکی چت میں گھر چھوڑے تو لابھ بہت ہو درب
کھنی ہاتھ آئے دور سب کلیش ہو جائے پر ایک ہستی من کا کپٹی استری پر دھیت ہو گھٹائے کرے
بجھ پڑیں نناری لڑیں اور کچھ جل میں کبھی اہل چل پڑے پریتی لوگ چھٹ جائیں نگر نگر کھوج میں
پھر آئیں سب بچھڑے مل جائیں ماتا پتا کی ڈھک آئیں۔ استری تین ہوں کا پرمان رہے۔ ایک کی اینٹ ہو
بڑا راج کرے دیا دھرم کے کاج کرے گسیاں کی کرپا سے جان کی کھیر ہے بڑی دھرتی کی سیر ہے
یہ سُن کے بادشاہ گونہ ملول ہوا اُن سب کو بقدر حال مالا مال کیا خلعت و انعام دیا اور یہ لڑکا بارہ
برس کی سن میں شہرۂ آفاق ہوا جتنی فن سپہ گری کے ہیں اُنکا مشاق کامل جمیع علوم و ہنر فرد
طاق ہوا۔ چودھویں برس بصلاح و صوابدید ارکان سلطنت و ترقی خواہان دولت شادی کی تجویز ہوئی

ایک شہزادی پری پیکر خوبصورت نیک سیرت گل اندام ماہ طلعت نام سے شادی کر دی +

طوطا خریدنا جان عالم کا

ایک روز گزر جان عالم کا گدڑی میں ہوا۔ انبوہ کثیر جم غفیر نظر آیا شہزادہ ادھر متوجہ ہوا دیکھا ایک مرد نحیف ستر اسی برس کا سن نہایت ضعیف پنجرا ہاتھ میں لئے کھڑا ہے اُس میں ایک جانور مانند ساکنان جنان سبز پوش خانہ بدوش بامنقار گلنار لطیفے رنگین اور نکتے قابل تعریف و نمکین بیان کرتا ہے۔ شاہزادے کو دیکھتے ہی طوطا اپنے مالک سے بولا اے شخص کوکب بخت تیرا افلاس کے برج تیرہ سے نکلا الضیب چمکا طالع برسر یاوری اور زمانہ آمادہ مددگاری ہوا دیکھ ایسا شہزادہ عالی تبار متوجہ اس ہیچمدان پر ہوا ہے وہ بیکار شے کارگاہ بے ثبات میں ہیچ ہوں جسکا طالب نہیں کہیں سچ یہ کہ جانور ہوں اور بلی کا کھاجا نہیں مگر جو یہ نظر عنایت کرے ابھی تیرا ہاتھ پر زر ہو دامن گہر سے بھر ہے جان عالم نے یہ سخن ہوش ربا کلمہ حیرت افزا کو سُن طوطے عقل کے اُڑا پنجرا اُس طائر ہمہ داں جانور سحر بیان کا ہاتھ میں لے کے اُس سے قیمت پوچھی طوطے نے کہا بیت کب لگاتا ہے کوئی اس دل بے حال کا مول + سب کھٹا دیں مفلس کے غرض مال کا مول + مگر جو حضور کی مرضی۔ جان عالم نے لاکھ روپیہ خلعت کے سوا عنایت کر کے اور پنجرا ہاتھ میں لئے دولت سرا کو روانہ ہوا۔ گھر میں جا کر ماہ طلعت کو طوطا دکھایا یہ مصرع انشا کا پڑھا مصرعہ بازار ہم گئے تھے اک چوٹ مول لائے + طوطے نے شہزادے کو سخنان دلچسپ و قصص عجیب حکایات غریب سنا کر اپنے دام محبت میں اسیر کیا تھا یہ نوبت پہنچی کہ سوتے جاگتے دربار کے سوا جدا نہوتا جب دربار جاتا پنجرا بہ تاکید حفاظت ماہ طلعت کو سونپ جاتا اور دربار سے دیوانہ وار بشوق گفتار بیقرار جلد پھر آتا +

میر امّن کا حال

پہلے اپنا احوال یہ عاصی گنہگار میر امّن دلی والا بیان کرتا ہے۔ کہ میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں پشت بہ پشت جانفشانی بجا لاتے رہے اور وہ بھی پرورش کی نظر سے قدر دانی جتنی چاہیے فرماتے رہے۔ جاگیر اور منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کر کر مالا مال اور

نہال کر دیا۔ اور خانہ زاد موروثی اور منصب قدیمی زبان مبارک سے فرمایا چنانچہ یہ لقب بادشاہی دفتر میں داخل ہوا۔ جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے (عیاں راچہ بیاں) تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کر لیا۔ اور احمد شاہ دُرّانی نے گھر بار تاراج کیا ایسی ایسی تباہی کھا کر ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے۔ اور آنول نال وہیں گڑا ہے) جلاوطن ہوا اور ایسا جہاز (کہ جس کا ناخدا بادشاہ تھا) غارت ہوا۔ میں بیکسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے۔ کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا۔ کچھ بنی کچھ بگڑی آخر وہاں سے بھی پانوں اکھڑے۔ روزگار نے موافقت نہ کی عیال و اطفال کو چھوڑ کر تن تنہا کشتی پر سوار ہو اشرف البلاد کلکتے میں آب و دانہ کے زور سے آ پہنچا۔ چندے بیکاری گذری۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا۔ لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کی رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جوانمرد کا دامن ہاتھ لگا ہے۔ چاہئے کہ دن کچھ بھلے آویں ہیں نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پانوں پھیلا کر سو رہتا ہوں۔ اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدر دان کو کرتے ہیں۔ خدا قبول کرے۔

زبان اُردو کی حقیقت

حقیقت اُردو کی زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سُنی ہے۔ کہ دلی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجگی ہے انھیں کے راجا پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے۔ ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا سلطان محمود غزنوی آیا۔ پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوئے۔ اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آخر امیر تیمور نے (جن کے گھرانے میں اب تلک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے) ہندوستان کو لیا۔ ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا۔ اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا۔ پھر ہمایوں بادشاہ پٹھانوں کے ہاتھ سے حیران ہو کر ولایت گئے۔ آخر وہاں سے

آنکر پسماندوں کو گوشمالی دی۔ کوئی مفسد باقی نہ رہا کہ فتنہ و فساد برپا کرے +

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی اکٹھے ہونے سے آپسمیں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔ جب حضرت شاہجہاں صاحبقران نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا۔ اور تخت طاؤس میں جواہر جڑوایا۔ اور دل بادل سا خیمہ چوبوں پر استادہ کر طنابوں سے کھچوایا اور نواب علی مردان خاں نہر کو لیکر آیا تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا تب سے شاہجہان آباد مشہور ہوا (اگرچہ دلی جدی ہے وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے) اور وہاں کے بازار کو اردوے معلے خطاب دیا +

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تک پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی۔ ندان زبان اردو کی منجھتے منجھتے ایسی منجھی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی + لیکن قدردان منصف چاہیئے جو تجویز کرے۔ سو اب خدا نے بعد مدت کے جان گلگرسٹ صاحب سا دانا نکتہ رس پیدا کیا کہ جنھوں نے اپنے گیان اور لگت سے اور تلاش و محنت سے قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں۔ اس سبب سے ہندوستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ہوا۔ اور نئے سر سے اسکی رونق زیادہ ہوئی۔ نہیں تو اپنی دستار و گفتار و رفتار کو کوئی برا نہیں جانتا۔ اگر ایک گنوار سے پوچھئے تو شہر والے کو نام رکھتا ہے۔ اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ خیر۔ عاقلاں خود میدانند +

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا۔ شاہ عالم پورب کی طرف تھے۔ کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا۔ شہر بے سر ہو گیا۔ سچ ہے۔ بادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی۔ یکبارگی تباہی پڑی۔ رئیس وہاں کے میں کہیں اور تم کہیں ہو کر جہاں جس کے سینگ سمائے۔ وہاں نکل گئے + جس ملک میں پہنچے وہاں کے آدمیوں کی ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا۔ اور بہت ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلی میں گئے اور رہے۔ وہ بھی کہاں تک بول سکینگے۔ کہیں نہ کہیں چوک ہی جائیں گے۔

اور جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑا ہو کر رہا۔ اور دس پانچ پشتیں اُسی شہر میں گذریں اور اُس نے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے عرس چھڑیاں سیر تماشا اور کوچہ گردی اس شہر کی مدت تلک کی ہو گی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہو گا۔ اُسکا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔ یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا دیکھتا یہاں تلک پہنچا ہے +

سپاہ کی کیفیت

سپاہ اس دیار کی بیشتر وفادار جاں نثار نمک حلال خاوند کے کام پر جان سے درگذرے رفاقت چھوڑ مرتے بیٹھے نہ دے۔ بیشتر یہاں کے بھلوں جانبازوں کا قاعدہ یہ ہے جب تیر گولی وغیرہ سے نوبت گذر جاتی ہے اور مٹھ بھیڑ کی ساعت آتی ہے تب گھوڑے چھوڑ دیتے ہیں تلواریں سونت کر اُتارے ہو جاتے ہیں اسواسطے کہ اگر طرفین سے ایک دوسرے پر غالب آئے تو اُس وقت ایسا نہ ہو کہ کچھ اور ہمت پھر جائے۔ اور یہ جی میں سمائے کہ سوار تو ہیں ہی آؤ اب گھوڑے بھگا لیجئے۔ اور جانیں سلامت لیجائیے۔ کیونکہ جان عجب چیز ہے اور نہایت عزیز۔ مثل مشہور ہے جی سر کھیا پاہنا ملے نہ دوبار۔ اس سے پہلے ہی پاے گریز کو کاٹ ڈالتے تا کہیں ہاتھ سے نہ چھٹے۔ گو سر کٹے تو کٹے۔ ابیات۔

بہادر جو نامی ہیں وقت ستیز — بدن میں نہیں رکھتے پاے گریز
قدم اُن کے ہر گز نہ پیچھے پڑیں — سبھی کٹ مریں آخر ایسے لڑیں
پڑے اُن میں ہل چل وہ یہ ہیں اچل — نہ ہر گز ٹلیں گو زمیں جائے ٹل

اور بعضے زمیندار بھی یہاں کے جو کسی سبب حاکم سے پھر جاتے ہیں تو لڑائی کے وقت کتنے بھائی اپنے متعلقہ عورات پر تعین کرتے ہیں جسوقت اُنھوں نے دیکھا کہ حاکم غالب آگیا۔ اور انھوں نے زندگانی سے ہاتھ اُٹھایا۔ اُسوقت وہ مارے غیرت کے سنگدلی اختیار کر کے یک لخت عورتوں کو قتل کر ڈالتے ہیں پھر آپ بھی مارے جاتے ہیں اسی فعل کا نام جوہر ہے۔ پر یہ حرکت کچھ زمینداروں ہی سے خصوصیت نہیں رکھتی۔ بلکہ بعضے سپاہی غیرت مند بھی جسوقت دیکھتے ہیں کہ آبرو میں بٹا لگتا ہے تو بادشاہوں سے بگڑ بیٹھتے ہیں +

عورتوں کے اوصاف

عورات اس مُلک کی یعنی بعضی ہندنیاں جنکو اپنے خاوندوں سے ایسی تعشق کی حالت ہی کہ سوز فراق کی جلن سہہ نہیں سکتیں۔ اور انسے جُدا ایکدم ہی نہیں سکتیں ہے و بعد اُنکے مرنے کے لباس دلھنوں کا پہن بنا و سنگار کریں ٹھن ارگجا سوندھا لگا اُس کی لاش کے ساتھ اگر موجود ہو نہیں تو اُسکا کپڑا ہاتھ میں لے آگ میں جل جاتی ہیں اور اپنے سونے سے بدنکو راکھ بناتی ہیں تا دُنیا میں نام اُنکا روشن ہے اور عقبیٰ میں بہت سا سُکھ ملے +

رباعی

نسبت نہ ستی ہے دو پتنگے کے تئیں   اُس میں اور اس میں ہے علاقہ بھی کہیں
وہ آگ میں جل مرتی ہے مرد کے لئے   یہ گرد کبھی شمع کے پھرتا بھی نہیں

ار بعضیاں اُن میں گو نہیں جلتیں پر وفا و حیا کے باعث اچھا پہننا اچھا کھانا سوائے اس کے جو زیب زینت کی چیزیں ہیں بعد اپنے خصم کے ترک کرتی ہیں۔ رات دن تپسّیا میں کاٹتی ہیں اور دُکھ بھرتی ہیں۔ اگرچہ نوجوان کیوں نہوں بلکہ ایک رات کی بیاہی بھی اسی طریق پر چلتی ہے۔ اور تمام عمر آگ بغیر جلتی ہے۔ غرض دوسرا گھر کرنا اُن کے مذہب میں عاقبت کا گھر کھونا اور دُنیا میں سارے کُٹم کا ناؤں ڈبوتا ہی۔ اگرچہ مسلمانوں کے دین میں اس کا کچھ گناہ نہیں لیکن اکثر یہاں کے باشندوں کے خاندان میں بھی یہی رسم جاری ہی خصوصاً قصبات میں تو یہاں تلک ہی۔ اگر فقط منگنی ہوئی ہو اور اُسکا منگیتر مر جائے تو اُس کو رنڈسالہ پہناکر سسرال میں بھیج دیتے ہیں یا میکے ہی میں رکھتے ہیں حاصل یہ ہی کہ اپنی زندگانی عبادت و قرآن خوانی میں بطور بیواؤں کے بسر کرتی ہی جب تلک جیتی ہے دُکھڑا بھرتی ہی۔ ہر چند کہ اُسکا ولی عالم فاضل کیوں نہ ہو پر اس بات میں جاہل بن جاتا ہی۔ اور اور شرع کے طریقے سے ہاتھ اُٹھاتا ہی۔ **بیت**۔

وہ چھُٹ جاتی ہی دُکھ اِک آن بھر کر   یہ اپنی زندگی کاٹے ہے مر مر
وہ مر مٹتی ہے پار و ایک بار ہی   اِسے رہتی ہے دائم دم شماری
کہاں آناً فاناً تن جلانا   کہاں دن رات رہ رہ من جلانا

غرض عورت وہی ہے خوبصورت ۔ جو پہنے ہے سدا ملبوس عصمت
ہے عصمت نیک بختی کی نشانی ۔ نہو تو خاک ہے پھر زندگانی

خط بنام یوسف مرزا

یوسف مرزا کیونکر تجھکو لکھوں کہ تیرا باپ مر گیا۔ اگر لکھوں تو پھر آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کرو مگر صبر یہ ایک شیوہ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں کہ صبر کرو ہائے ایک کا کلیجا کٹ گیا ہے اور لوگ اُسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں دوا کا لگاؤ نہیں پہلے بیٹا مرا پھر باپ مرا مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بے سروپا کسکو کہتے ہیں تو میں کہوں گا یوسف مرزا کو تمھاری دادی لکھتی ہیں کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا یہ بات سچ ہے۔ اگر سچ ہے تو جوانمرد ایک بار دونوں قیدوں سے چھوٹ گیا نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ ✤

خطوط بنام علاو الدین خاں بہادر

برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ تمھاری تفریح طبع کے واسطے ایک غزل نئی لکھ کر بھیجی ہے خدا کرے پسند آئے اور مطرب کو سکھائی جائے۔ آج شہر کے اخبار لکھتا ہوں سوانح لیل و نہار لکھتا ہوں۔ کل پنجشنبہ ۲۵۔ مئی کو اول دن پہلے بڑے زور کے آندھی آئی پھر خوب مینہ برسا وہ جاڑا پڑا کہ شہر کرہ زمہریر ہو گیا بڑے دریبہ کا دروازہ ڈھایا گیا قابل عطار کے کوچہ کا بقیہ مٹایا گیا۔ کشمیری کٹرہ کی مسجد زمین کا پیوند ہو گئی۔ سڑک کی وسعت دوچند ہو گئی . . . .

. . . . ایک شیر زور آور اور بیلتن بندر پیدا ہوا ہے مکانات جا بجا ڈھاتا پھرتا ہے فیض اللہ خاں بنگش کی حویلی پر جو گلدستے ہیں جسکو عوام کنگرے کہتے ہیں اُنمیں سے ہلا ہلا کر ایک کی بنیاد ڈھا دی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ واہ رے بندر تیری زیادتی اور پھر شہر کے اندر ریگستان کے ملک سے ایک سردارزادہ کثیر العیال عسیر الحال عربی فارسی انگریزی تین زبانوں کا عالم دلی میں وارد ہوا ہے بلّی ماروں کے محلہ میں ٹھیرا ہے بحسب ضرورت حکام شہر سے

باقی گھر کا دروازہ بند کیے بیٹھا رہتا ہے۔ گاہ گاہ نہ ہر شام و بیگاہ غالب علی شاہ درویش کے تکیہ پر
آجاتا ہے۔ اہل شہر حیران ہیں کہ کھاتا کہاں سے ہے اسکے پاس روپیہ آتا کہاں سے ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ
یہ باپ سے پھر گیا ہے میں جانتا ہوں کہ بے سبب باپ کی نظر سے گر گیا ہے۔ دیکھیے انجام کار کیا ہو
غالب علیشاہ کا قول یہ ہے کہ کل کا بھلا ہو۔ جمعہ ۲۶ مئی ۱۸۶۵ء

ایضاً

برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ بعد سلام مسنون و دعاے بقاے دولت روز افزوں
عرض کیا جاتا ہے کہ استاد میر جان آئے اور انکی زبانی تمھاری خیر و عافیت معلوم ہوئی خدا تم کو
زندہ و تندرست و شاد و شاداں رکھے۔ یہاں کا حال کیا لکھوں بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ
مصرع نماند آب بجز آب چشم یتیم۔ شب و روز آگ برستی ہے یا خاک۔ دن کو سورج نظر آتا ہے نہ رات کو
تارے۔ زمین سے اٹھتے ہیں شعلے آسمان سے گرتے ہیں شرارے۔ چاہا تھا کہ کچھ گرمی کا حال لکھوں
عقل نے کہا کہ دیکھ نادان قلم انگریزی دیا سلائی کی طرح جل اٹھے گی۔ اور کاغذ کو جلا دے گی۔
بھائی ہوا کی گرمی تو بڑی بلا ہے۔ گاہ گاہ جو ہوا بند ہو جاتی ہے وہ اور بھی جان گزا ہے۔
خیر اب فصل سے قطع نظر ایک کودک غریب الوطن کے اختلاط کی گرمی کا ذکر کرتا ہوں کہ وہ جانستاں نہیں بلکہ
دل افروز ہے۔ پرسوں فرخ مرزا آیا اُس کا باپ بھی اُسکے ساتھ تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کیوں صاحب
میں تمھارا کون ہوں اور تم میرے کون ہو۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ حضرت آپ میرے دادا ہیں اور میں آپکا
پوتا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ تمھاری تنخواہ آئی کہا جناب عالی آغا جان کی تنخواہ آگئی ہے میری نہیں
آئی۔ میں نے کہا تو لوہارو جا تو تنخواہ پاوے۔ کہا حضرت میں تو آغا جان سے روز کہتا ہوں کہ لوہارو
چلو اپنی حکومت چھوڑ کر دلی کی رعیت میں کیوں مل گئے۔ سبحان اللہ بالشت بھر کا لڑکا اور یہ فہم
درست اور طبع سلیم میں اسکی خوبی خو اور فرخی سیرت پر نظر کر کے اسکو فرخ سیر کہتا ہوں۔ صاحب کے
بدل ہے تم اُس کو بلا کیوں نہیں بھیجتے مگر بھائی غلام حسین خاں مرحوم کی نتیجہ ہو کہ زین العابدین
حیدر حسن اور انکی اولاد کو کبھی منہ نہ لگایا علاء الدین خاں جیسا ہوشمند ہمہ داں بیٹا فرخ سیر جیسا
دانشور بذلہ سنج اور شیریں سخن پوتا یہ دو عطیۂ عظمیٰ و موہبت کبریٰ ہیں تمھارے واسطے من جانب اللہ

؎ اگر دریافتی بر دانشت بوس ٭ وگر غافل شدی افسوس افسوس ٭ آج ۲۲ جون کی ہے آفتاب سرطان میں آ گیا۔ نقطۂ انقلاب صیفی ہیں دن گھٹنے لگا چاہیئے کہ تمہارا غیظ و غضب روز کم ہو جائے نجات کا طالب غالب **ایضاً** بھائی صاحب آجتک سوچتا رہا کہ بیگم صاحبہ قبلہ کے انتقال کے باب میں تمکو کیا لکھوں۔ تعزیت کے واسطے تین باتیں ہیں اظہار غم تلقین صبر دعائے مغفرت سو بھائی اظہار غم تکلف محض ہے جو غم تمکو ہوا ہے ممکن نہیں کہ دوسرے کو ہوا ہو تلقین صبر بیدردی ہے یہ سانحہ عظیم ایسا ہے جس نے غم رحلت نواب مغفور کو تازہ کیا پس ایسے موقع پر صبر کی تلقین کیا کیجائے رہی دعا مغفرت میں کیا اور میری دعا کیا۔ مگر چونکہ وہ میری مربیہ اور محسنہ تھیں دل سے دعا نکلتی ہے معہذا تمہارا یہاں آنا سنا جاتا تھا اسواسطے خط نہ لکھا اب جو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے اور اس سبب سے آنا نہ ہوا یہ چند سطریں لکھی گئیں حق تعالیٰ تمکو سلامت اور تندرست اور خوش رکھے تمہاری خوشی کا طالب غالب ۱۵۔ نومبر ۱۸۶۶ء **ایضاً** اخ مکرم کے خدام کرام کی خدمت میں بعد ادائے سلام مسنون ملتمس ہوں تمہارا شہر میں رہنا موجب تقویت دل تھا ؎ گو نہ ملتے تھے پر اک شہر میں تو رہتے تھے ٭ بھائی اک سیر دیکھ رہا ہوں کئی آدمی طیور آشیان گم کردہ کیطرح ہر طرف اڑتے پھرتے ہیں انہیں سے دو چار بھولے بھٹکے کبھی یہاں بھی آجاتے ہیں۔ لو صاحب اب وعدہ کب وفا کروگے علائی کو کب بھیجوگے ابھی تو شب کو چلنے اور دن کے آرام کرنے کے دن ہیں بارش شروع ہو جائے گی تو آپ کی اجازت بھی کام نہ آئے گی چلنے والا کہے گا میں ہر چالاک ہوں تیراک نہیں لوہارو سے دلی تک کشتی بغیر کیونکر جاؤں دخانی جہاز کہاں سے لاؤں ؎ اے ز فرصت بیخبر در ہر چہ باشی زود باش ٭ علائی کے دیدار کا طالب غالب + استاد میر جان صاحب کو سلام۔ یوم الخمیس ۱۷۔ محرم ۱۲۸۳ء

ایضاً

جان غالب یاد آتا ہے کہ تمہارے عم نامدار سے سنا ہے کہ لغات دساتیر کی فرہنگ ہاں ہے اگر ہو تو کیوں نہ تم بھیجتے خیر ؎ آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست ٭ تم شمر نویس ہو اس نہال کے کہ جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشو و نما پائی ہے اور میں ہوا خواہ و سایہ نشین اس نہال کا رہا ہوں،

کیونکر تم مجھ کو عزیز نہ ہوگے۔ رہی دید وا دید اُسکی دو صورتیں تم دلی میں آؤ یا میں لوہارو آؤں تم مجبور میں معذور خود کہتا ہوں کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے سنو عالم دو ہیں ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے لمن الملک الیوم اور پھر آپ جواب دیتا ہے للہ الواحد القہار ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیجکر سزا دیتے ہیں چنانچہ میں آٹھویں رجب سنہ ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں پہنچا گیا ۱۳ برس حوالات میں رہا۔ ۷ رجب سنہ ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈالدی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈالدیا فکر نظم و نثر کو مشقت ٹھیرایا برسوں کے بعد میں جیلخانہ سے بھاگا تین برس بلاد شرقیہ میں پھرتا رہا پایان کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اُسی مجلس میں بٹھا دیا جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے دو ہتکڑیاں اور بڑھا دیں پانوں بیڑیوں سے فگار ہاتھ ہتکڑیوں سے زخمدار مشقت مقرری اور مشکل ہوگئی طاقت یکقلم زائل ہوگئی بیحیا ہوں سال گذشتہ بیڑی کو زاویہ زنداں میں چھوڑ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا میرٹھ مراد آباد ہوتا ہوا رامپور پہنچا کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگونگا۔ بھاگوں کیا بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی حکم رہائی دیکھئے کب صادر ہو ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اس ماہ ذی الحجہ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا میں بھی بعد نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤنگا +

شاہ عالم کے نام

مخدوم زادۂ والا تبار حضرت شاہ عالم سلام و دعا درویشانہ قبول فرماویں۔ آپ کا مع الخیر وہاں پہنچنا اور بزرگوں کے قدمبوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو ع
یوسف از مصر بہ کنعاں آمد + تفرقہ اوقات و سفر رامپور و شدت تموز مقتضی اس کی ہوئی کہ منوز تمھارے مسودات نہیں دیکھے گئے تا نزول باران رحمت الٰہی اور بھی چپکے بیٹھے رہو۔ اپنے

ماموں صاحب کو نیاز معتقدانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیے گا۔ اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مرشد ہم عمر و ہم فن کو وہ سلام جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے پہنچائیے گا اور عرض کیجیے کہ آرزوے دیدار حد سے گذر گئی۔ یارب جب تک صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انوار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور اُن سے ہم کلام نہ ہوں میری روح کے قبض کا حکم نہو۔ لیکن ۱۲۷۷ھ میں دو مہینے باقی ہیں اب کے محرم سے اُس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے۔ مشفقی مکرمی چودہری عبدالغفور صاحب کو میرا سلام شوق کہیے گا۔ اور یہ پیام پہنچائیے گا۔ کہ حضرت صاحب عالم کی تمناے دیدار بقید مارہرہ کنایہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے مصرعہ + خواہش وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں +

اُن کے اُس خط کا جواب جو پرسوں مجھ کو بھیجا ہے سو مجامے میں لپیٹ کر بھیجے گا ان شاء اللہ العزیز۔ ہاں جناب شاہ عالم صاحب پھر روے سخن آپکی طرف ہے۔ جناب میر وزیر علی خانصاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلے پر چاندنی چوک میں حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اُترے ہیں۔ مرفی صاحب کا کام اُنکے سپرد ہوا ہے یعنی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں اور ہزار روپیہ تک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں لیکن ہنوز قائم مقام ہیں وہ صاحب جس کا نام لکھ آیا ہوں بطریق رخصت سپالو گیا ہے۔ ایکدن فقیر بھی اُن کے مکان پر چلا گیا تھا حسن صورت اور حسن سیرت دونوں اُن میں جمع ہیں۔ آنکھیں اُنکے حسن صورت سے روشن ہو گئیں اور دل اُن کے حسن سیرت سے خوش ہو گیا۔ واہ خاک پاک بلگرام میں نے وہاں کے جس بزرگ وار کو دیکھا بہت اچھا پایا +

نواب انوار الدولہ سعدالدین خان بہادر شفق کے نام

پیر و مرشد۔ آداب۔ مزاج مقدس۔ میرا جو حال آپنے پوچھا اس پرسش کا شکر بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آپ کا بندہ بے درم خریدہ اچھی طرح ہے۔ ایک فصد۔ بائیس منضج۔ چار مسہل کہانتک آدمی کو ضعیف نکرے۔ بارے آفتاب عقرب میں آ گیا۔ پانی برف آب ہو گیا ہے [illegible]

شیوہ پکنے لگا ہی - یہ ضعف قسمت تو نہیں کہ ایسے ایسے امور اسکو زائل نہ کر سکیں غزلوں کو بسو
سے پڑھ رہا ہوں اور وجد کر رہا ہوں خوشامد میرا شیوہ نہیں ہے جوان غزلوں کی حقیقت میری
نظر میں ہے وہ مجھ سے سن لیجیے اور میرے داد دینے کی داد دیجیے مولانا فلق نے متقدمین یعنے
امیر خسرو سعدی وجامی کی روش کو سرحد کمال کو پہنچایا ہے اور میرے قبلہ و کعبہ مولانا مشفق
اور مولانا ہاشمی اور مولانا عسکری متاخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لے گئے
ہیں اور تکلف اور تملق سے کہتا ہوں تو مجھ کو ایمان نصیب نہ ہو - یہ جو آپ اپنے کلام کے حک و اصلاح
کے واسطے مجھ سے فرماتے ہیں یہ آپ میری آبرو بڑھاتے ہیں - کوئی بات بیجا ہو یا کوئی لفظ نا روا
ہو تو میں حکم بجا لاؤں - زیادہ حد ادب +

چودھری عبد الغفور کے نام

جناب چودھری صاحب آپ کے تلطف نامہ کے ورود کی مسرت اور پارسل کے نہ پہنچنے کی
حیرت باعث اس کی ہوئی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں اور با آنکہ خط جواب طلب تھا جواب لکھوں
بندہ پرور میں نے پارسل کی رسید لی تھی - اب آپ کے خط کو پڑھ کر کار پردازان ڈاک کے پاس
وہ رسید بھجوائی - انھوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہہ دیا کہ سکندرہ راؤ کی رسید یہ
موجود ہے - اب اُس پارسل کی جواب دہی وہاں والوں کے ذمے ہے - یہ سن کر میں نے یوں مناسب
جانا کہ وہ رسید آپ کے پاس بھیجدوں - آپ سکندرہ راؤ کے ڈاک خانے میں بھجوا کر اُن سے
پارسل منگوالیں - اور اب اس رسید کا میری طرف رجوع ہونا کسی صورت میں ضرور نہیں والسلام

[illegible]

٢٢ - دسمبر ١٨٥٨ء

اشعار میر تقی میر

بڑھاپا اور مرنا

سنو اے عزیزان ذی ہوش و عقل
کہ اس کارواں گہہ سے کرنا ہے نقل
پیمبر ہے شہ ہے کہ درویش ہے
سبھوں کو یہی راہ درپیش ہے
کہوگے کہ آگے تھا کہتا کوئی
نہیں اس سرا بیچ رہتا کوئی
بجا ہی کیا کوس رحلت مدام
کنھوں نے نہ سمجھا سنا یاں مقام

یہ بیٹھے جو ہیں سامنے ہیں کہاں
عیاں جملہ ہے ایک بزم رواں
جسے دیکھو چلنے کا گرم تلاش
یہ منزل نہیں جائے بود اور باش
گدا ہو کہ ہو شاہ عالی تبار
تہ خاک سب کا ہے دار القرار
نہ یک بوئے خوش ہی ہوا ہو گئی
وہ رنگینی باغ کیا ہو گئی
ملے خاک میں جھڑ کے گلہائے تر
پریشاں ہوئے مرغ گلشن کے پر
پتنگوں نے گر خاک مسکن کیا
چراغوں نے بھی خانہ روشن کیا
گئی خاک دامن فشانی کے ساتھ
رہا آب بھی سو روانی کے ساتھ
نہ جدول رہے گی نہ سرو رواں
گلستاں کو پاوینگے ہو کا مکاں
زمیں کا رہے گا یہی کیا سبھاؤ
لپٹ جائیں گے آسماں جیسے تاؤ
سکوں یاں کا دیکھا سراسر شتاب
چلے جاتے ہیں کوہ جیسے سحاب

جہاں ایک ماتم سرا ہے عجب — نہیں جائے باش اور جا ہے عجب
بھلا جی کے جانے کا کیا ہے بیاں — عیاں ہے کہ کہتے ہیں جاں کو رواں
جوانی گئی موسم شیب ہے — شہود ایک دو روز کو غیب ہے
ہنسوں کیونکہ ہستی میں دنداں نما — کہ ہے جائے دنداں ہی دنداں نما
گیا شور سر سے جھکا ہے بہت — گئی وا شداب دل رکا ہے بہت
نہ وہ ذائقہ ہے نہ وہ ہے مشام — مزا کچھ نہیں ہو چکی صبح شام
کریں لمس کیا ہر گھڑی ہے صداع — نہیں لذت اکل و شرب و وقاع
بلا ارتعاش تن زار ہے — ہر اک عضو چلنے کو تیار ہے
ہوا حافظہ لب کہ نسیاں کا صرف — نہیں یاد آتا ہے دوشینہ حرف
ہوئے شعر کیا کیا فراموش ہائے — کہوں کیا گذرتی ہے خاموش ہائے
نہ پوچھو لب و لہجہ بے طور ہے — سخن کرنے کا ڈھنگ ہی اور ہے
نہیں گوش کے کام سے کچھ فراغ — کسے ذوق صحبت کہاں ہے دماغ
نہ کچھ پوچھ نہیں عینک نظر پڑ گئی — بصارت کی بے طاقتی بڑھ گئی
نہ رکھئے جو عینک نہ آوے نظر — کہے تو کہ اعمیٰ ہیں ہم بے بصر
صد افسوس لطف سماعت نہیں — صدا دور سے جیسے آوے کہیں
شباب آہ داغ جگر دے گیا — قد خم زمیں کی طرف لے گیا
نہ کچھ زور بازو بہت کم ہوا — جھکا سر سو زانو کا ہمدم ہوا
جوانی کی شب کیا بسر ہو گئی — سفیدی سو سے سحر ہو گئی
کھڑے ہوں تو تھرائے ران اور ساق — جئیں بیٹھے کیونکر کہ جینا ہے شاق
جو یوں پاؤں چلتے سنبھلتے رہے — تو دیکھو گے ہم یہاں سے چلتے رہے
اگر ضعف سے چپ ہی رہتے ہیں ہم — یہ سوچو تو کیا کیا نہ کہتے ہیں ہم

کہے میں نہیں اپنے ٹک پاؤں دست
کیا خاک میں مجھ کو پیری نے پست

جو بازو ہیں اپنے سو بازو نہیں
اگر منہ کو دیکھو تو وہ رو نہیں

بدن کی ہوئی میری صورت ہی اور
دے آنکھیں نہیں وے نہ چتون کے طور

لبوں پر نہایت ضعیف ایک آہ
در و بام پر حسرتوں سے نگاہ

شکن جلد میں دل کو پژمردگی
غریزی حرارت میں افسردگی

برودت بہت جسم میں آگئی
مزاجی تھی گرمی سو ٹھہرا گئی

چھڑکتا رہوں منہ پہ میں آب کاش
کہ ہوتا رہے روح کا انتعاش

وگرنہ دیا سا بجھا جائے ہے
پھر اٹھ بیٹھوں تو جی جلا جائے ہے

سبب رو سے شب ایک ستم کر گیا
لکھوں کیا کہ میں جیتے جی مر گیا

قلم رکھ دے کر میر ختم کلام
تمام اپنی صحبت ہوئی والسلام

جھوٹھ

اے جھوٹھ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے
شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے

اے جھوٹھ تو شعار ہوا ساری خلق کا
کیا شہ کا کیا وزیر کا کیا اہل دلق کا

اے جھوٹھ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے
اے جھوٹھ تو غضب ہے قیامت ہے قہر ہے

اے جھوٹھ رفتہ رفتہ ترا ہو گیا رواج
تیری متاع پائی ہے ہر جا سو میں آج

اے جھوٹھ کیا کہوں کہ بلا زیر سر ہے تو
اے جھوٹھ سچ یہ ہے کہ عجب فتنہ گر ہے تو

اے جھوٹھ کب ہے عہد میں تجھ سا حریف اب
تیرے ہی حکم کش ہیں وضیع و شریف اب

اے جھوٹھ تیرے شہر میں ہیں تابعیں سبھی
مر جائیں کیوں نہ کوئی وے سچ بولیں نہ کبھی

کہنے سے انکے آج کوئی دل نہ شاد ہو
فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو

وعدے گھڑی کے پہروں کے سب آزما چکے
برسوں تک انتظار کیا جی ہی جا چکے

اے جھوٹھ ننگ تیرا کرے کوئی کیا بیاں
کہتا ہے جیسے غنچہ زباں تو نہ زباں

یوسف کہ تھا نبی و صداقت شعار تھا
پھر حسن ظاہری سے بھی باغ و بہار تھا

پایان کار تیرے سبب چاک پیرہن
زنداں میں جا کے برسوں رہا چھوڑ کر وطن

اے جھوٹھ تو تو ایک دلاویز ہے بلا
آشوب گاہ تجھ سے زمانہ سدا رہا

کس جاں کنی سے کوہکنی کوہ کن نے کی
تصویر کھود شیریں کی پیش نظر رکھی

نزدیک جب ہوا کہ وہ مطلوب سے ملے
اب صبح و شام غنچۂ مقصود دل کھلے

دلالہ کے تو پردے میں آ کام کر گیا
دو باتوں میں وہ عاشق دل خستہ مر گیا

اے جھوٹھ تجھ سے فتنے ہزاروں اٹھا کیے
ہنگامہ و فساد ہی ہر سو رہا کیے

اے جھوٹھ راستی سے نہیں گفتگو کہیں
کہنے کو ہاں کہیں ہیں حقیقت میں ہاں نہیں

اے جھوٹھ اس طرح میں بہت سے بھی جا چکے
وعدوں پر آہ لوگونکے وعدے ہی آ چکے

اے جھوٹھ اس زمانے میں کیونکر چلے مدار
ہے تنگ جھوٹھ بولنے سے عرصۂ معاش

سردار جس سے سب متعلق ہے کاروبار
سچ بولنا ہو اسکے تئیں سمت ننگ و عار

پہ ہے سب مدار کار دروغ و مفتری
صدق و صفا و راستی کے عیب سے بری

جھوٹھا سوار دولت ابھی کا ہے یہ امیر
ورنہ قسم کسو کی بھی تھی حرف بار گیر

مشکل حصول کام ہے یہاں حاصل کلام
باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام

اے جھوٹھ دل مرا بھی بہت درد ناک ہے
ان کاذبوں سے صبح نمط جیب چاک ہے

اک فرد شطی تھی میری اک شخص پاس
دیکھا جو خوب اس کو تو مطلق نہیں ہے پاس

تھا میں فقیر پر نہ گیا شاہ کے حضور
اتنے لیے کہ رتبۂ عزت مرا ہے دور

آداب سلطنت سے نہیں مجھ کو رابطہ
حرکت نہ ہوتی مجھ سے کوئی غیر ضابطہ

مزاج مجھ سے کھنچتے نہیں ہر عزیز کی
پھر شعر و شاعری بھی نہیں ہے تمیز کی

صحبت خدا ہی جانے پڑے کیسے اتفاق
کیا بات آ کے بیچ میں بے رنگی ہے شاق

میں مضطرب پھر اسکے گیا اٹھکے پانچ بار / کہنے لگا زباں سے یہ ہوتی ہے وہ دوچار
تقصیر میری اسمیں نکریئےگا کچھ خیال / صاحب کہیں خموشی کروں میں کیا مجال
لیکن یہ حرف اس ہی سیہ رو کا رکھیئے یاد / انداز سے یہ لوگ سخن کرتے ہیں زیاد
بہتیری ایسی فردیں یہ رکھتے ہیں جیب میں / رکھتے ہیں یونہیں لوگوں کو برسوں فریب میں
دکھلاؤنگا چلا ہوں سوال آپ کا لئے / میں نے کہا فقیر کہو کس طرح جیئے
بولا نہ ہوگا سعی میں ادھر سے کچھ قصور / پھر دیکھیئے کہ پردے سے ہوتا ہے کیا ظہور
اک آدھ ایسی بات بنا کر کھسک گیا / دل اس خبر کے سننے سے میرا دھڑک گیا
یہ عرضیاں حضور کو پہنچیں ہیں صبح و شام / دستخط جو ہوکے آئے کوئی سو اسی کے نام
یعنے وہ اب کے آن کے کچھ دیویگا شتاب / دل جمع رکھیں کاہیکو کرتے ہیں اضطراب
دو چار بار آیا بھی وہ پر نہ کچھ ہوا / مجھکو جو اضطرار تھا میں بے اجل موا
مدت مدید گذری مجھے کرتے انتظار / خجلت ہوئی جو حال لکھا میں نے بار بار
اس فرد دستخطی کو ہے یہ ماہ ہفتمی / تنخواہ کا نہیں ہے ٹھکانا ابھی کہیں
آیا جو وہ لطیفہ علیہ اب اپنے گھر / میں مضطرب ہو آپ گیا ملنے اسکے گھر
بارے نہ اتفاق ہوا یہ کہ ہو ملاپ / کھویا تھا اضطرار سے عز و وقار آپ
گھر آکے ایک بھائی کو بھیجا پیام دے / آئے وے اسکے پاس سے کچھ یہ جواب لے
حضرت سے کہیو پہلے بہت بندگی مری / پھر کہیو اب اترتی ہے شرمندگی مری
دو چار دن میں بھیجے گا کچھ گھر ہی آپکے / درپے نہ اتنے ہوجئے میرے ملاپ کے
تب سے وہ بھائی جاتی ہیں ہر روز صبح و شام / اب تک تو ملتوی ہے زبانی روی کا کام
دن دیکھتے ہیں وعدے کے بھی ہیں بہت قریب / پھر ترک شہر کیجیے گا گھر کے یا نصیب

برسوں ہوئے مہینوں کے وعدے ہوئے وعید
سچ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ان جھوٹوں سے بعید

گھر کا بیان

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال — اس خرابی میں میں ہوا پامال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے — سخت دلتنگ یوسف جاں ہے
کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ — کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیواری سو جگہ سے خم — تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم
لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی — آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
کیا تھمے مینہ سقف چھلنی تمام — چھت سے آنکھیں لگی رہی ہیں مدام
اس چکش کا علاج کیا کریے — راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے
چاہئیں بیٹھنے کو مینہ کے بیچ — ہے چکش سے تمام ایواں کیچ
آنکھیں بھر لاکے یہ کہیں ہیں سب — کیونکہ پروا رہے گا یارب اب
جھاڑ باندھا ہے مینہ نے دن رات — گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات
بائیں کانپتے ہیں جو تھر تھر — اُن پہ ردّا رکھے کوئی کیونکر
کچھ لے لے کے بارے چھوپا ہے — چھونیا کا ہے کو ہے تھوپا ہے
ستکو پھر یہ چھتی بھی نہیں — ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں
ڈھانکو دیوار یا اُٹھا رکھو — یا ہمارے لیے بچھا رکھو
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق — سو شکستہ تر از دلِ عاشق
کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک — کہیں جھڑ جھڑ کر ڈھیر سی ہے خاک
کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے — کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا — شور ہر کونے میں ہے مچھّر کا
کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے — کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کولے ٹوٹے ہیں طاق چھوٹے ہیں — پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں

اینٹ جو نا کہیں سے گرتا ہے
جی اِسی حجرے ہی میں پھرتا ہی

رکھ کے دیوار ادھر اودھر سے
لا کے یارب بناؤں کس گھر سے

آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان
وہی اس تنگ خلق کا ہی مکاں

کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ
اِس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ

کبھی کوئی سنپولیا ہے پھرے
کبھو چھت سے ہزار پایے گرے

کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے
کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے

دب کے مرنا ہمیشہ مد نظر
گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر

مٹی تو وہ جو ڈالے چھت پر ہم
تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم

دیں ہیں اڑو اڑیں پھر جو حد سے زیاد
چل ستوں سے مکان ہی ہے یاد

اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر

کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال
پدڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال

ٹوٹا مینا تو ایک بابت ہے
پُودنا پھُدکے تو قیامت ہے

کیونکے ساون کٹے گا ابکے بار
تھرتھرا وے جھنبیری سے دیوار

ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا
شاق گذرے ہے کیا کہوں کیسا

ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
اُڑ جھنبیری کہ ساون آیا اب

تیتری یاں جو کوئی آتی ہے
جان محزوں نکل ہی جاتی ہے

نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ
کہیں کھسکے تو ہے قیامت جنگ

ایک دن ایک کوّا آ بیٹھا
بیگماں جیسے لدّا آ بیٹھا

چیل سے لوگ دوڑے کرتے شور
کہ نہ حایط میں کچھ رہا تھا زور

ہو نہ ایسا کہ اپنی چال سے چلے
دوڑے اُچھلے کہ ہال ہال چلے

نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھرا
ایک کالا پہاڑ آن گرا

مٹی اسکی کہیں کہیں پھسلی — جی ڈہا اور چھاتی بھی دھسلی

سان کر خاک لگ گئے دو چار — بارے جلدی درست کی دیوار

اچھے ہونگے کھنڈر بھی اس گھر سے — بر سے ہے اک خرابی گھر در سے

اکھڑے بکھرے کواڑ ٹوٹی وصید — زلفی زنجیر ایک کہنہ جدید

خاک لوہے کو جیسے کھا دے پاک — چھیڑ لیجے تو پھر نری ہے خاک

بند رکھتا ہوں در جو گھر میں ہوں — قدر کیا گھر کی جبکہ میں ہی نہوں

گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور — ہے خرابی سے شہر میں مشہور

جس سے پوچھو اسے تباہ و شتاب — ساری بستی میں ہے یہی تو خراب

ایک چھپر ہے شہرہ دلی کا — جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا

بانس کی جا دیئے تھے سرکنڈے — سو وے لیٹھوں میں سب ہوگئے ٹھنڈے

گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب — پا کھے رہنے لگے ہیں گیلے سب

بیچ میں کیوں نہ بہ گئے یکسر — پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر

واں پہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا — یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا

کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالا — کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا

ٹپکے دو چار جا تو بند کروں — بیچ کوئی لڑاؤں فند کروں

بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی — کپڑے رہتے ہیں بسر افشانی

کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں — کوئی سمجھے ہے یہ کہ جھیلا ہوں

بان جھینگر تمام چاٹ گئے — بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاندار ہیں جو بیش و کم — ان پہ چڑیوں کے جنگ ہے باہم

ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور — ایک لگری پہ کر رہی ہے شور

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے — ایسے چھپر کی ایسی تیسی ہے

بوریا بھی سل کر بچھا نہ کبھو
ڈیوڑھی کی ہے یہ خوبی گھر ایسا
حبش اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں
ہاتھ تکیے پہ گہہ بچھونوں پر
سلسلایا جو پائنتی کے اور
توشک ان رگڑوں ہی میں سب بھائی
جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو
سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل
اک ہتھیلی میں ایک گھائی میں
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے
یہ جو بارش ہوئی تو آخر کار
ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے
دو طرف سے تھا کتوں کا رستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دُتکاروں

کونے ہی میں کھڑا رہا کبھو
چھپر اس جو چلے کا گھر ایسا
پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی
سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں
سا مجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
ایک انگوٹھا دکھاوے انگلی پر
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ناخنوں کی ہیں لال سب پوریں
کبھی چادر کے کونے کونے پر
وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی
ساری کھاٹو نکی چولیں نکلیں نداں
پائے پٹی لگا کے کونے کو
آنکھ منہ ناک کان میں کھٹمل
سیکڑوں ایک چارپائی میں
کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار
جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے
کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں

چار جاتے ہیں چار آتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں

کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

وہ جو ایوان تھا حجرے کے آگے
اُسکے اجزا بکھرنے سب لاگے

کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا
پانی جُز جُز میں اُسکے پیٹھ گیا

کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا

میں تو حیران کار رکھتا اپنا
کوئی اس دم نہ یار تھا اپنا

اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یکسر
خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر

چرخ کی کجروی نے بسیا تھا
پر خدا میرا مجھ سے سیدھا تھا

کتنے اک لوگ اِس طرف دھائے
یا ملک آسمان سے آئے

مٹی لے لے گئے دو ہاتھوں میں
کام نے شکل پکڑی باتوں میں

صورت اُس لڑکے کی نظر آئی
ہم جو مردے تھے جان سی پائی

آنکھ کھولی اِدھر اُدھر دیکھا
اِس خرابی کو پھر نظر دیکھا

قدرت حق دکھائی دی آکر
یعنی نکلا درست وہ گوہر

داشت کی کوٹھری میں لا رکھا
گھر کا غم طاق پر اُٹھا رکھا

مومیائی کھلائی کچھ ہلدی
فرصت اس کو خدا نے دی جلدی

غم ہوا اُن کے دوستداروں کو
پھر بندھا یہ خیال یاروں کو

کہ مری بود باش یہاں نہ رہے
گو تصرف میں یہ مکاں سو ہے

شہر میں جا بہم نہ پہونچی کہیں
چار ناچار پھر رہا ہوں وہیں

اب وہی گھر ہے بے سر و سایہ
اور میں ہوں وہی فرومایہ

دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس
خواب راحت ہے یہاں سو سو کوس

قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا | گھر ہے کا ہے کا نام ہے گھر کا

شاعری

صحبتیں جب تھیں تو یہ فن شریف | کسب کرتے جنکی طبعیں تھیں لطیف
تھے ممیز درمیاں انصاف تھا | خار و خس سے کیا یہ عرصہ صاف تھا
دخل اس فن میں نہ تھا اجلاف کو | کیا بتاتے تھے بھی سو اشراف کو
تھے جو اس ایام میں اُستادِ فن | ناکسوں سے وے نکرتے تھے سخن
پھر حصول اس سے نہ دنیا ہے نہ دیں | کوئی حاجت اُس سے وابستہ نہیں
گر چمار اس کارخانے میں نہ ہو | لوٹے جوتے کو کہاں لے کر پھرو
چار نا چار اُس کنے جانا پڑے | کوڑیاں دے جوتی گٹھوانا پڑے
حاجت اس فن سے تجھے یہاں مطلق نہیں | جو نہو شاعر تو کچھ نقصاں نہیں
یہ تو دنیا میں ہے اس فن کو کمال | دین کا اس فرقے کے پوچھو نہ حال
جھوٹ آوے اس قدر جب درمیاں | گو یقیں ایماں کیا دیں کہاں
ہم تلک تھی بھی وہی رسمِ قدیم | یعنی جنکے ہوتے تھے ذہنِ سلیم
پیار کرتے تھے انھیں استادِ فن | انکے ہوتی رہبرِ راہِ سخن
جلف واں زنہار پاتے تھے نہ بار | شاعری کا ہیکو تھی انکا شعار
نکتہ پردازی سے اجلافوں کو کیا | شعر سے بزازوں ندافوں کو کیا
الغرض یاروں نے دیں تلے پہ اُٹھا | جو کوئی آیا اسے دی پاس جا
تاک استعداد سے کی گفتگو | کچھ نہ رکھی شاعری کی آبرو
چار سکھیاں کہہ دیں ناکس کے ہاتھ | پر اُسے مجلس میں لائے اپنے ساتھ
آپ بیٹھے صدر میں وہ دست چپ | کرنے لاگے شاعری سے حرف گپ
بولے انکو آجکل ہے ہی خیال | ذہن انکا تیزی رکھتا ہے کمال

ہو رہیں گے کچھ اگر صحبت رہی
اور ہم سے بھی انھیں الفت رہی

جب ہوا ثابت وہ انکا مستفید
سن لیے جا نا انکو شاگرد رشید

کی اشارت تا کہ وہ کہودین
آگے اُستادوں کے ہو گرم سخن

اُنکے ایما سے وہ کچھ پڑھنے لگا
صاحبان فن کے منہ چڑھنے لگا

نیم قد اُٹھ اُٹھ کے بھی سننے لگے
جا و بیجا سر کے تئیں دھننے لگے

سر میں رکھ کے دعوی طبع لطیف
میر و مرزا کا ہوا آخر حریف

کیسی کیسی یوں گئیں طبعیں بباد
آفریں شاگرد و رحمت اوستاد

جب تلک تھی یہاں تمیز زشت و نیک
کاہیکو یوں شعر کہتا تھا ہر ایک

اہل فن کی رہتی تھی سکو تلاش
اُنکے ہاں کرتے تھے جا کر بود و باش

جو کہ خود سر رکھتے استادونسے عار
انکے تئیں ہرگز نہوتا اعتبار

حکایت

شایق فن تھا وزیر اصفہاں
ایک دن آیا چلا اُسکے ہاں

صاحبان ورسے ہوا آگاہ کار
کی اشارت تا اسے دیں گھر میں بار

عزت و تعظیم کی حد سے زیاد
پاس لے مسند پہ بیٹھا شاد شاد

اُن نے کھینچی اسکی مرزائی بہت
بیٹھے بیٹھے رات جب آئی بہت

شعر کی تقریب لا کر درمیاں
کرنے لاگا شاعری کا امتحاں

شعر خوانی کی پڑھا سو تھا غلط
سنتے ہی بھڑکا وہ شعلہ کی نمط

غصے ہو بولا کہ ہاں فراش وجب
کھینچ لا میدان میں کی شلاق خوب

اسقدر مارا کہ بے دم ہو گیا
سوج دست و پا سراک تھم ہو گیا

کھینچ کر ڈلوا دیا دربار میں
یہ خبر پہونچی جو ہر بازار میں

وارث اسکے لیگئے آرات کو
جب سمجھ آیا تو پایا بات کو

یعنی دستور زمان دشمن نہ تھا
غالباً پایا غلط اشعار کو
ورنہ شیوہ اُسکا ہی لطف و کرم
مجھ کو کیوں شلّاق کرتا اتنی شب
پس مجھے ہی تربیت اپنی ضرور
صحبت اکثر رکھوں اُس اُستاد سے
پہونچے اک رتبے کو میری قیل و قال
اُٹھ گئے آیا مولوی جامی کنے
جب ہوا پھر شعر کا رتبہ بلند
پھر گیا اک دن درِ دستور پہ
کاے امیر اُس روز کا شلّاق خوار
کی اشارت سدّرہ کوئی نہ ہو
سامنے آیا تو کی نیچی نظر
بعد ازاں ایمائے ابرو کی کہ ہاں
پھر وہیں سے دے صلا رخصت کیا
اگلی صحبت کی تھی عزّت اسقدر
آ گئے اسکو جائزہ دے کر گراں
میں نہ سمجھا یہ کہ وہ کیا تھا یہ کیا
اِس قدر اِس کا تنبیہ تھا ضرور
جو سنے سو خودسری سے باز آئے
ورنہ کرتا پوچ گوئی خرِ دبنگ

یا وہ پھر نا آشنائے فن نہ تھا
خوش نہ آیا اُس کرم کردار کو
جائزے ہی میں دے ہے دینار و درم
کاہے کو بدنام ہوتا بے سبب
جا کے بیٹھوں اک سر آمد کے حضور
شاید اُس کی دولت ارشاد سے
ہو مجھے اِس فن میں یک گونہ کمال
مشق کی یک چند اُس نامی کنے
اور مولانا لگے کرنے پسند
حاجبِ درگاہ نے کی جا خبر
آج دراوپر ہے پھر خواہانِ بار
قصد ہے برخورد کا تو آنے دو
دھوپ میں جلتا رہا تو اک پہر
صحن ہی میں بیٹھا ہوا وہ مدح خوا
اک مصاحب نے جگر کر کر کہا
سو ہوئی شلّاق حد سے بیشتر
تو نے فرمایا مرخص واں سے واں
در جواب اِس برگزیدہ نے کہا
تا کہ پہنچے یہ خبر نزدیک و دور
تربیت ہونے کو اُستادوں کی جا کے
رفتہ رفتہ شاعری ہو جاتی ننگ

تب جو میں شلاق کی یہ خام تھا
اب جو آیا لائقِ انعام تھا

بے تمیزی سے ہے رائج ابتری
جسکو دیکھو خود نمائی خودسری

نے بیاں کا ہے سلیقہ نے زباں
اسپہ ہے ہر ایک سحبانِ بیاں

بس قلم وقتِ زباں بازی نہیں
چپ کہ دورانِ سخن سازی نہیں

کون حرفِ خوب کو کرتا ہے گوش
بات کی فہمید کا ہے کس کو ہوش

بے تمیزوں سے بھرا ہے سب جہاں
ہے دماغ حرف ہم کو بھی کہاں

اثرِ محبت

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

محبت مسبب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کارِ عجب

محبت بن اس جا نہ آیا کوئی
محبت سے خالی نہ پایا کوئی

محبت ہی اس کارخانہ میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانہ میں ہے

محبت سے کسکو ہوا ہے فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ

محبت اگر کارپرداز ہو
دلوں کے تئیں سوز سے ساز ہو

محبت ہی آبِ رخِ کارِ دل
محبت سے ہے گرمیِ آزارِ دل

محبت عجب خوب خونریز ہے
محبت بلائے دل آویز ہے

محبت کی آتش سے اخگر ہے دل
محبت نہ ہووے تو پتھر ہے دل

محبت ہی سے دل کو رو بیٹھیے
محبت میں جی مفت کھو بیٹھیے

محبت لگاتی ہے پانی میں آگ
محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ

محبت سے ہے انتظامِ جہاں
محبت سے گردش میں ہے آسماں

محبت سے روتے گئے یار خوں
محبت سے ہو ہو گیا ہے جنوں

محبت سے آتا ہے جو کچھ کہو
محبت سے ہو جو وہ ہرگز نہ ہو

محبت سے پروانہ آتش بجاں
محبت سے بلبل ہے گرم فغاں
اسی آگ سے شمع کو ہے گداز
اسی کے لئے گل ہے سرگرم ناز
محبت سے یاروں کے ہیں رنگ زرد
دلوں میں محبت سے اٹھتے ہیں درد
گیا قیس ناشاد اس عشق میں
کھپی جان ناشاد اس عشق میں
ہوئی اس سے شیریں کی حالت تباہ
کیا اس سے لیلیٰ نے خیمہ سیاہ
سنا ہوگا وامق پہ جو کچھ ہوا
نل اس عشق میں کسطرح سے موا
جو عذرا پہ گذرا سو مذکور ہے
دمن کا بھی احوال مشہور ہے
ستم اس بلا کے ہی سہتے گئے
سب اس عشق کو عشق کہتے گئے
نئے اسکے چرچے حکایت سنی
کہے شکر گا ہے شکایت سنی
کوئی شہر ایسا نہ دیکھا کہ واں
نہ ہوا اس سے آشوب محشر عیاں
کب اس عشق نے تازہ کاری نکی
کہاں خون سے غازہ کاری نکی
زمانہ میں ایسا نہیں تازہ کار
غرض ہے یہ اعجوبہ روزگار
عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہ اس کی اک نئی ہی چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینہ میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہوکے بہا
کہیں سر میں جنون ہوکے رہا
کہیں رونا ہوا ندامت کا
کہیں ہنسنا ہوا جراحت کا
گہہ نمک اسکو داغ کا پایا
گہہ پتنگا چراغ کا پایا
واں طپیدن ہوا جگر کے بیچ
یاں تبسم ہے زخم تر کے بیچ
کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے
کہیں یہ خوں چکاں شکایت ہے
تھا کسو دل میں نالہ جاں کاہ
ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ
تھا کسو کی پلک کی منتا کی
ہے کسو خاطروں کی تمنا کی

کہیں باعث ہو دل کی تنگی کا ۔ کہیں موجب شکستہ رنگی کا
کہیں اندوہ جان آگہہ تھا ۔ سوزش سینہ ایک جا گہہ تھا
کہیں عشاق کا نیاز ہوا ۔ کہیں اندوہ جان گداز ہوا
ہے کہیں دل جگر کی بیتابی ۔ تھا کسو مضطرب کی بیخوابی
کسو چہرے کا رنگ زرد ہوا ۔ کسو محمل کی رہ کی گرد ہوا
طور پر جا کے شعلہ پیشہ رہا ۔ بیستوں میں شرار تیشہ رہا
کہیں گلزار میں لگائی آگ ۔ کہیں تیغ و گلو میں رکھی لاگ
کبھو افغان مرغ گلشن تھا ۔ کبھو قمری کا طوق گردن تھا
کسو مسلخ میں جا قتارہ ہوا ۔ کبھی دل ہو کے پارہ پارہ ہوا
ایک عالم میں دردمندی کی ۔ ایک محفل میں جا سپندی کی
ایک دل سے اٹھے ہو ہو کر دود ۔ ایک لب پر سخن ہے خوں آلود
اک زمانہ میں دل کی خواہش تھا ۔ اک سمیں میں جگر کی کاہش تھا
کہیں بیٹھی ہو جی میں ہو کر چاہ ۔ کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ
خار خار دل عزیزاں ہے ۔ انتظار بلا نصیباں ہے
کہیں شیون ہوا اہل ماتم کا ۔ کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا
آرزو تھا امیدواروں کی ۔ دردمندی جگر فگاروں کی
نمک زخم سینہ ریشاں ہے ۔ نگہ یاس مہر کیشاں ہے
حسرت آلودہ آہ تھا یہ کہیں ۔ شوق کی ایک نگاہ تھا یہ کہیں
کشش اسکی ہے ایک اعجوبا ۔ ڈوبا عاشق تو یار بھی ڈوبا
کون محروم وصل یاں سے گیا ۔ کہ نہ یار اسکا پھر جہاں سے گیا
کام میں اپنے عشق یکتا ہے ۔ ہاں یہ نیرنگ ساز یکتا ہے

جس کو ہو اس کی التفات نصیب / ہے وہ مہمان چند روز غریب
ایسی تقریب ڈھونڈھ لاتا ہے / کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے

بہار

جب سے خورشید ہوا ہی چمن افروز گل / رنگ گل جھمکی ہی ہر پات ہری کی اوجھل
وقت وہ ہی کہ زبس شوق سے چشم بلبل / خوبی دلکش گل دیکھنے کو ہوا احول
جوش گل یہ ہی جہاں تک کرے ہی کام نظر / لالہ و نرگس و گل سے بھرے دشت و جبل
لطف روئیدگی مت پوچھ کہیں شیشے میں ال / سبزہ غلطاں ہے لب جو یہ کہ خواب مخمل
چشم رکھتا ہے تو چل فیض ہوا کو ٹک دیکھ / نرگس اُگتی ہے جہاں بوئی تھی دہقاں نے بصل
سیر کر تاک کی خضری و شادابی / خشک بھی شاخ نے اب سبز نکالی کونپل
خون خمیازہ کش عاشقی و پنجہ گل / دونوں نکلی ہیں تہ خاک سے اب دست و بغل
برگ گل فیض ہوا کرتا ہے ہر اخگر کو / آگ کی گر کہیں سلگا کے رکھے ہیں منقل
بیت بحثی کے تئیں مرغ چمن آئے ہزار / کسو گلبن کے تلے آپ بھی اب بیٹھے غزل

اشعار موسم بہار سودا

اٹھ گیا بہمن و دی کا چمنستاں سے عمل / تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل
سجدہ شکر میں ہے شاخ ثمردار ہر ایک / دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عزّ و جل
قوت نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض / ڈال سے پات تلک پھول سے لیکر تا پھل
واسطے خلعت نوروز کے ہر باغ کے بیچ / آب جو قطع لگے کرنے روش پہ مخمل
بخشتی ہے گل نورستہ کی رنگ آمیزی / پوشش چھیٹ قلمکار ہر دشت و جبل
عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے / کار نقاشی مانی ہے دو دم وہ اوّل
تار بارش میں پروتے ہیں گہر ہائے تگرگ / ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل
بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے / لوٹے ہے سبزہ پہ از بسکہ ہوا ہے بیکل

آب جو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خط گلزار کے صفحہ پہ طلائی جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغر لعل میں جوں کیجے زمرد کو حل

برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو تو نگہ جا رہے سنبل پہ پھسل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پانو رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

نسبت اس فصل کو پر کیا ہے سخن سے میرے
ہے فضا اسکی تو دو چار ہی دن میں فیصل

اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام
رہے گا سبز بہر مجمع و ہر یک دل

تا ابد طرز سخن کی ہے مری رنگینی
جلوۂ رنگ چمن جاوے گا اک آن میں ڈھل

نام تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی
یک طرف نار گلستاں میں ہے یکسو حنظل

ہیں بر و مند سخنور مرے ہر مصرع سے
مصرع سرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل

ہو جہاں کے شعرا کا مرے آگے سر سبز
نہ قصیدہ نہ مخمس نہ رباعی نہ غزل

موسم سرما

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

جتنا عالم تھا کاشمیر ہوا
بلکہ کہیے کہ زمہریر ہوا

اندنوں چرخ پہ نہیں ہے مہر
گود میں کانگڑی رکھی ہے سپہر

کہر پڑنے کو کہتے ہیں سب پالا
ٹھنڈ سے ہے جہاں کے دل میں غبار

لیک دیکھا جو غور کر کے میں آپ
نکلے ہے منہ سے آسماں کے بھاپ

دیا ہیں پوشش زمیں کر پانو سے جھاڑ
پا بدامن ہیں جسقدر ہیں پہاڑ

پانی پہ جس جگہ کہ کائی ہے
سبز وہ شال کی رضائی ہے

بسکہ یخ بستہ بحر ہیچ ہے آب
برف کی ہے رکابی سر گرداب

عکس پانی میں یوں ہے شکل پذیر
رہتی ہے زیر شیشہ جوں تصویر

نہیں ہے نہر باغ میں اس دم
تختہ لط بھی یخ بچھے سے کم

تیغ سے کاٹتا ہو اب وہ چند
آب میں اس قدر رہو لی ہی گزند

جیسے جاڑے سے پڑ گیا پالا
سرو ہے داغ عشق جوں لالا

اکڑے جاتے ہیں دیکھ سنبل کو
گٹھری ہو جائے گل کی غنچہ میں بو

دیکھ گل پر صبا ہے بیبر برد
بھرتی پھرتی ہے ہر طرف دم سرد

پات جھڑ شاخیں ہو گئیں لنڈ منڈ
رہ گئے اینٹھ اینٹھ ڈنڈ کے ڈنڈ

گر پڑے برگ تاک جھڑ کے تمام
بلبلیں مر رہیں اکڑ کے تمام

صرصر صبح جان کھوتی ہے
تیر سی دل کے پار ہوتی ہے

باد سے برگ کھڑکے ہیں اس بھانت
کہیے تو باجتے ہیں دانت سے دانت

جس طرف اب نگاہ جاوے ہے
جوں ہی جوں بید تھرتھراوے ہے

کانپتے ہیں درخت و ارض و جبال
موسم دی ہے یارو یا بھونچال

آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھٹھرتی ہے
گودڑوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے

بے حرارت ہیں سردی کے مارے
طرح یاقوت کی اب انگارے

ہے یہ آفت چراغ تک در پے
لو گویا کہرا ہے شمع سے ہے

جاڑا سے لگنے کا یخ تلک ہی حرف
لپٹی رہتی ہے گدڑوں ہی میں برف

وان کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات
کالے کمبل میں رات کاٹے ہے رات

رعد سردی کے ہاتھ گرم خروش
ابر دوش ہوا پہ بالا پوش

برف ہیں پڑتی ہو فلک نداف
بھرے ہے واسطے زمیں کے لحاف

شب جو رخشندگی پہ برق آوے
ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جاوے

فرط سرما سے دیکھے جس کو
دست زیر بغل ہے مثل سبو

سنہ سے نکلے گھر و نہیں آج اور کل
ہیں پڑے پڑ کے دیکھے ہے منقل

پھرتے ہیں سمور اور قاقم
ٹھنڈ سے کھینچے ہیں ہم سو دم

لسپہ جاڑے سے ہے یہ انکا حال
ناک سے چھوٹتا نہیں رومال

چھینکنا جاڑیکا جو چھینکیں ہیں
اک سخن ہی تو لاکھ چھینکیں ہیں

کوئی اب جا سے ہل نہیں سکتا
گھر سے باہر نکل نہیں سکتا

پھر جو کوئی ندان نکلے ہے
ٹھنڈ کے مارے جان نکلے ہے

لپٹے رہتے ہیں وئی ہیں مجبور
جس طرح ناشپاتی و انگور

اہل حرفہ کو لیجئے جو نگاہ
کاروبار انکا ہو گیا ہے تباہ

پیٹ کر سر کہے ہے بھٹیارا
ہائے اب کیا کروں میں بیچارہ

سقا بولے ہے بھر کے آنکھوں میں اشک
یارو پانی نکالو جیسے کے مشک

آہ قناد بھر کے یوں بولے
بنی بھٹی قند ہو گئے اولے

دیکھو حلوائی کو جو بیٹھے کہیں
برفی چھٹ کچھ وکا نہیں اسکے یہیں

لگے ہے مرنے اب جو بیچارا
یہی کہتا ہے ٹھنڈ نے مارا

غرض ایسی ہی کچھ پڑی ہے ٹھنڈ
مٹ گیا زمہریر کا بھی گھمنڈ

سودا آخر ہے سردی کا مذکور
شعر بھی گر خنک ہوں کیجو معذور

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

نفرت دنیا

اگر عدم سے نہ ہوتا تصور فکر روزی کا
تو آب و دانہ کو لے کر گہر نہ ہو پیدا

نہیں نہیں طالب رزق آسماں سے کہ مجھے
یقیں ہے کاسہ دانش وہیں کچھ نہیں ہوتا

نکل وطن سے کہ غربت میں زور کیفیت
کہ آب بحث ہے جب تک ہے تاک میں صہبا

ہنر کو مفلسی ہرگز ضرر نہیں کہ نہیں
چنار کو تہی دستی سے نقص جوہر کا

بلند ہمت اگر ہوں نہ زیر چرخ ضعیف
ہلال عید ہو عالم کا کیونکہ روزہ کشا

جو ناتوان نہ کریں دستگیری دشمن
تو خار و خس نہ کرے شعلہ کو کبھو برپا

فتادگی میں ہے عزت ہی دیکھ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقش پا کو راہ نما

نہ ہو سکیں مری اشکوں کی سد رہ مژگاں
پکڑ نہ رکھ سکے خاشاک دامن دریا

بنے گی زینت دنیا سے نحس شکل تری
لباس زر کو پہن کر نہ ہو تو بوم طلا

کلام شیریں پہ مت جا تو اہل دنیا کے
بنام زہر ہلاہل بھی ہووے ہے میٹھا

کشندہ تر ہے مرض سے مجھے عیادت غیر
بھلی ہے اُن سے تو بالیں پہ صورت دیبا

جہاں کے باغ میں جوں شاخ بے ثمر جیتے
کسی کی دوستی سے نفع جز ضرر نہ لیا

کیا عزیز بہت سے جنے دیکھ کر مجھ کو
اُٹھا کے تیغ ستم کے تلے اسی نے دیا

جنوں میں کب بر امید نخل دہر تلے
نہ خوش کیا مری ہمت نے قد کو خم نہ کیا

جفا سے دہر کرے سنگدل کو نازک دل
بنے ہے شیشہ جہاں میں گداز ہو خارا

ہرے سخن کی مرے بعد زیادہ ہووے گی قدر
گہر یتیم جو ہووے تو ہو فزود بہا

نہیں ہے کام مجھے شعر و شاعری سے ولے
خرد نے مجھکو نصائح سے بارہا یہ کہا

زباں پہ لا سخن خوب تو نہ رکھ دل میں
کہ اُس گہر کی نہیں قدر جو صدف میں رہا

برنگ عکس سبکبار بحر دنیا میں
تو رہ کہ موج حوادث نہ لیوے تجھکو بہا

کسی کی دلشکنی سے جو خوش کرے دلکو
وہ کون لوگ ہیں کیسے ہیں کیا ہیں مجھ کو بتا

یقیں تو جان گیا ٹوٹ دل سے اور وہیں
جو خار چبھ کے مرے پاؤں میں ذرا ٹوٹا

ولے شکست یہی اس فقیر کو بھاوے
قدح طمع کا اگر توڑئے بسنگ استغنا

ضرر کی اپنے مکافات نفع گردوں سے
طلب نہ کر کہ نہوا ایک بام پر دو ہوا

چمن میں دہر کے خوش ہو کے جو ہنسا و وہیں
برنگ گل اُسے گردوں نے شادی مرگ کیا

خوشی

فجر ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی دو ہیں آکے خوشی نے در دل پر دستک

پوچھا میں کون ہے بولی کہ وہ ہیں عین غافل
نہ لگے شوق میں جسکے کبھو شائق کی پلک

ہے خوشی نام مرا ہوں میں عزیز دلہا
زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک

کھول آغوش دل اور لے مجھے جلدی نادان
پھر خدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک

سنکے یہ مژدہ جاں بخش جو میں کھولی آنکھ
اشعۂ نور کی سی مجکو نظر آئی جھلک

آنکھیں ملکر کے جو دیکھوں ہوں تو اک بادلہ پوش
سر سے لے غرق جواہر میں ہے وہ پاؤں تلک

حسن ایسا کہ جیسے ماہ شب چاردہم
ایک بیک دیکھے تو بجلی سی رہ جائے جھپک

زلفیں یوں بکھری ہوئی چہرے پہ مانگیں بیچ بیل
جسطرح ایک کھلونے پہ ہیں بیٹھیں دو بالک

زرق برق ایسی ہے پوشاک میں اُسکے کہ جیسے
کوند بجلی کی کہوں یا کہوں شعلہ کی چمک

جیسی سج بھی تھی گلے بیچ حمائل گل کی
ویسی ہی عطر کی بو ویسی ہی سوندھی کی مہک

غرض اس شکل سے آئی جو نظر وہ کافر
کہا میں دل کی طرف دیکھ کے الله معک

ناگہ اس شوخ نے مجھ سے یہ کہا اے سودا
ابتو شیشہ مئی اندوہ کا پتھر سے پٹک

یہ بھی کوئی طرز ہے رہنے کا زمیں پر نادان
یہ کوئی طور ہے جینے کا ترے زیر فلک

آدمی کے تئیں کچھ گرمی صحبت ہے شرط
وہ بھی انسان ہے دنیا میں جو اتنا ہو خنک

گو ترا وضع زمانہ سے ہے دل افسردہ
پر ہم آئے ہیں ترے گھر میں ادھر دیکھ تنک

ایسے مہماں کی تو لازم ہے کہ خاطر ہو عزیز
بادہ بھر شیشہ میں کچھ لا کے نمکدان گزک

سنکے ملنے یہ کہا اُس سے کہ اے مایۂ ناز
خیر ہے بات سمجھ کر تو کہہ اتنا نہ بہک

بے سبب کیونکہ میں اندوہ کی الفت چھوڑوں
کسطرح دوستی ختم کروں دل سے منفک

وجہ کچھ ہو تو کر مجھ سے تو اُسکا اظہار
کچھ جہت ہو تو بیاں کر کہ سنوں میں بھی تنک

کر کے دریافت یہ مجھسے کہا اُسنے کہ مگر
سمع میں تیرے یہ مژدہ نہیں پہنچا اب تک

آج اُس شخص کی ہے سالگرہ کی شادی
کہ بصورت ہے وہ انسان بسیرت ہے ملک

حرص

کل حرص نام تخلص سودا پہ مہرباں ہو
بوالعجب تیرے سبب دولت جہاں ہو

گر اشرفی روپے کی خواہش ہو تیرے دلمیں	ظاہر تیرے یہ ہر جا گنجینۂ نہاں ہو
لعل و گہر کی ہووے تجھکو اگر تمنا	مصرف کے بیچ تیری اشیائے بحر و کاں ہو
عمدا تو اسقدر ہو سرکار بیچ تیری	ہو رہ دو ملخ سے زیادہ خیل ملازماں ہو
جاہ و جلال یہاں تک دیوے تجھے زمانہ	جب ہو تری سواری صد فیل پر نشاں ہو
گر ملک چاہتا ہو تو تخت بیچ تیرے	ہندوستاں سے لیکر اور تا با صفہاں ہو
آگے تو کیا کہوں میں دل چاہتا ہے تیرے	قبضے میں لے زمیں سے اور تا با آسماں ہو
سنکر یہ حرف بولا سودا کہ قدر و رتبہ	کب اشرفی روپے کی نزدیک عاقلاں ہو
یہ تو برے ہیں اتنے آفاق ہیں کہ جنکو	کیسہ سے دور کیجے کام اپنا جب رواں ہو
لعل و گہر جو پوچھو پتھر ہیں اور پانی	رتبہ نہ انکو پیش ارباب ہمتاں ہو
عمدہ تو وہ کوئی ہے نزدیک فہم جسکے	اہل کمال آگے دنیا میں عز و شاں ہو
نام انکو سے بہتر دنیا میں کیا نشاں ہے	وہ بھی کوئی نشاں ہے جو فیل پر رواں ہو
ملکو نکے سر زمیں سے حاصل یہی ہو آخر	دو مشت خاک جس میں اک مشت استخواں ہو
ارض و سما کا ہونا قبضے کے بیچ اپنے	بے دعوی خدائی کیونکر مجھے گماں ہو

غزل

آرام پھر کہاں ہے جو ہو دلمیں جائے حرص	آسودہ زیر چرخ نہیں آشنائے حرص
ممکن نہیں ہے یہ کہ بھرے کاسۂ طمع	دنیں کروڑ در جو بھر اوے گدائے حرص
انساں نہو ذلیل زمانہ کے ہاتھ سے	ذلت کوئی کسیکو نہ دیوے سوائے حرص
کر منہ کو ملک کسب و قناعت یہ حرف مان	رہتی ہے لاکھ طرح کی آفت قفائے حرص
ناداں نکال سر طرۂ زر سے تو باز آ	جوں شمع یوں نہو کہ ترا سر کٹائے حرص
اپنے سوا کسی کو نہ پایا حریص حیف	کی قطع روزگار نے ہم پر فنائے حرص

سودا بسر ہو خوبی سے اوقات ہر طرح
پر درمیاں نہووے بشرطیکہ پائے حرص

قناعت

آیا نہ ایک گل کبھو اس بوستاں تلک
جسکی بہار پہنچی نہ ہووے خزاں تلک

وہ مرغ ناتواں ہوں کہ صحن چمن سے میں
بے پر و بال پہنچ نہ سکوں آشیاں تلک

مشکل بہت ہے امر قناعت جہاں کے بیچ
لیکر زمیں سے چرخ کے باشندگاں تلک

ہمنے زیادہ تا شب ہفتم سے ماہ کو
قانع نہ رہتے دیکھا کبھو نیم ناں تلک

تھا مجھکو رات کنج قناعت میں فکر شعر
تا گر طمع کو حرص نے جنبش دی یہاں تلک

گذرا وہیں یہ دل میں کہ اس فن کی راہ سے
جا پہنچوں میں اگر کسی نواب و خاں تلک

تو چند بیت مدح میں اسکی قصیدہ طور
ایسی ہی کہہ کے لاؤں قلم کی زباں تلک

تا ہو یقیں کہ صفحۂ ہستی سے اسکا نام
اٹھّے کسو ہی طرح نہ دور جہاں تلک

چھوڑوں نہ اس کنے کچھہ اس ابیات کا صلا
لی کھود کر زمیں کو نہ گنج نہاں تلک

القصہ گذری تھی مجھے شب اس خیال میں
ناگاہ پیر عقل نے آ اس مکاں تلک

ایسا ہی مارا ایک طپانچہ کہ تا ہنوز
پہنچی ہے رنگ چہرۂ گل ارغواں تلک

کہنے لگا وہ مجھسے کہ سودا ہزار حیف
اخاہ میں نے تجھکو نہ سمجھا تھا یہاں تلک

یہ قصد ہو ترا کہ میں لے کر بیاض ہاتھ
پہنچا کرونگا ہر در و ہر دار باں تلک

بہر فلاح دامن ہمت نہ چھوڑیئے
تنگی سے گر ہو چاک گریبان جاں تلک

عزت کی گر ہو گوشۂ دامن پہ نیم ناں
دستار خوان کو نہ بچھے یہاں سے وہاں تلک

روٹی کو مضطرب نہ ہو ٹک آئینہ کو دیکھ
ناں آپ سے پہنچے ہے روشندلاں تلک

پس فرض کیا کیا ہے کہ اشعار رتبہ وار
لیجاکے تو پڑھا کرے ان ناکساں تلک

جو نخوت و غرور سے تحسین کے محل
ابرو سوا سخن کو نہ لاویں زباں تلک

نزدیک جنکے ہے وہ بڑا صاحب کمال
منصب کی جسکے رتبہ ہو فیل و نشاں تلک

گر ہو علی سلام کرے آن کر انھیں
سینہ ہی پر وہ ہاتھ رکھیں ہیں جہاں تلک

چاہیں کہ ہمکلام ہوں اس سے تو پھر کہیں   پہنچے ہے تیرا سلسلہ کس خاندان تلک
آدم تلک انکے پاس غرض آدمی نہیں   پہنچاوے تا نسب کو نہ شائستہ خان تلک
سودا تو انکی مدح کریگا کہ جز دروغ   یک حرف راست دلسے نہ پہنچے زبان تلک
حیراں ہوں میں کہ مثل نگیں پھر نام غیر   اپنا تو روسیاہ کرے گا کہاں تلک

طبابت

علم ظنی ہے طبابت تو یہ سن رکھ ہمدم   متفق اسپہ اطبا ہیں جہاں میں باہم
قاعدہ فن طبابت کا بیاں تجھسے کروں   فہم کی گوش جو اپنی تو نہ رکھتا ہو اصم
کام اس فن میں کھے سب سے ہے تشخیص مرض   یہ نہو جسمیں تو پھر سیف سمجھ اس کی قلم
فی الحقیقت ہے اطبا میں وہی شخص طبیب   جو کما ینبغی ان چیزوں کا ہووے عالم
جنبش نبض سے اور لون سے قارورہ کے   ہوئی فی الفور جسے اصل مرض مستفہم
ادویہ میں کرے تنقیح خواص مفرد   ہووے ترکیب مرکب کے وزن سے محرم
سن بیمار پہ کر غور مداوا وہ کرے   اور ملحوظ رکھے آب و ہوا اور موسم
چار چیزوں سے مرکب بدن انسان کا ہے   دم و سودا ہے ہر اک جسم میں صفرا بلغم
حد سے ان چاروں میں ہووے متجاوز جو چیز   حکما کرتے ہیں انساں کا مزاج اس سے فہم
ہے یہ لازم کہ کسل کا سبب انہیں ڈھونڈیں   ٹھہرے جو خلط کریں اسکا تدارک پیہم
بعد تشخیص دوا کیجے مرض کی بالضد   حفظ صحت کے لئے نسخہ ہو بے مثل رقم
غور اخلاط و کیفیت و کمیت پر   ہو نہ منظور جسے اسکی دوا ہوتی ہے سم
زیادتی چاروں میں جسکی ہو مرض کا موجب   عقل کی رو سے یہ تدبیر ہے اسکی اسدم
رکھ کے منظور طبیعت کی مرض پر قوت   تنقیہ کر کے مناسب کریں اس خلط کو کم

قاعدہ یوں ہے پھر آگے ہے شفا اسکے ہاتھ
جسکے ہے قبضۂ قدرت میں علاج عالم

شہر آشوب دہلی در زمان شاہ عالم

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانواں ڈول
پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اُسکے جواب میں دو بول
جو میں کہونگا تو سمجھیگا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد اُنکی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اسکے تصرف میں فوجداری کول

تو ہی ہیں ملک میں مفسد امیر ہیں سو ضعیف
ٹلے کہاں جو ہمیں دیکھئے ہوں انکے حریف
نہ کچھ ربیع میں حاصل نہ درمیان خریف
جو عامل اب ہیں معاملات پہ سو یونہیں ضعیف
کہ جسطرح کسی حالم کے گھر گنوار ہو اول

بسا نکا ملک میں کا رسنق جو یوں ہو تباہ
کہ کوہ رز ہو زراعت میں تو نہ دیں پر کاہ
جگہ وہ کونسی نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں سے آویں پیادے کریں جو پیش نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلیں وہ باندھ کے غول

رہی فقط عربی باجے پر اُنھوں کی شان
جو چاہیں اُسکو نہ بجواویں تو کیا امکان
پر اُنکا فکر ہے تخفیف خرج پر ہر آن
رہے گا حال اگر ملک کا یہی تو ندان
گلے میں طاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

انھیں ہے اپنی امارت سے اب یہی منظور
کہ ہوں دو مورچھل و درا ایک کابتی سمور
نہ رسم صلح کی سمجھیں نہ جنگ کا دستور
جو انہیں قاعدہ داں تھے ہوئے وہ اُن سے دور
تماش اُنکی طبیعت کا سبطرح سے ٹھٹھول

امیر اب جو ہیں دنیا اُنھوں کی ہے یہ چال
ہوئے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانہ کا حال
کبھی ہے سونا کی خوجا کھڑا جھلے ہے رومال
حضور بیٹھے ہیں اک دو ندیم اہل کمال

دھری ہے سامنے اک پیکدان واک تنبول

جو کوئی ملنے کو انکے انھوں کے گھر آیا
ملے جو اس سے گر اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اسمیں وہ درمیاں لایا
انھوں نے پھیر کے اودھر سے منہ یہ فرمایا

خدا کیواسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

جو مصلحت کے لئے جمع ہوں صغیر و کبیر
تو ملک و مال کا فکر اسطرح کریں ہیں مشیر
وطن پہ پہنچنے کی سوجھی ہے بخشی کو تدبیر
کھڑا یہ اٹکلے دیوان خاص بیچ و زیر

کہ شامیانہ کے بانسو نپہ لقرئی ہیں خول

پڑے جو کام انھیں تب نکلے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو مولی پھرے لڑائی سے
پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے

کرے جو خواب میں گھوڑا کسیکے نیچے الول

نہ صرف خاص ہیں آمد نہ خالصہ جاری
سپاہی تا متصدی سبھو نکو بیکاری
اب آگے دفتر تن کی ہیں کیا کہوں خواری
سوال دستخطی کو پھاڑ کر کے پنساری

کسیکو آنولہ دے باندہ کر کسیکو کتول

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصبدار
تلاش کر کے ڈھلیتی انھوں نے کی ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دے سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لیکے وہ ہتھیار

بغل کے بیچ تو سوٹا ہے ہاتھ میں کچکول

کروں معاش کا حضرت کی تجھسے کیا میں بیاں
کہ توشہ خانہ ہے انکا پراچہ کی دکاں
نکل تنور کے منہ سے کہے ہے گاؤ زباں
بکی ہوں تب میں کہ جب کاتبی خلد مکاں

بکے ہے تیسرے فاقہ میں کوڑیونکے مول

جو اصطبل ہیں گئی گھوڑے ہیں سو کیا امکان
کہ ہووے گھاس بھی تھے کا انکے آگے نشان
کسو کی ٹوٹی ہے ٹنگری کسو کا جھڑ گیا کان
طویلہ اسکو کہوں یا میں نیچ ببر کا تھان

اسی خیال میں رہتی ہے عقل ڈانواڈول

اور اب جو زعم میں آقا کے فیلخانا ہے — جو ہتھنی اندھی ہے اسمیں تو ہاتھی کانا ہے
نہ ٹھور چارہ کا راتب کا نے ٹھکانا ہے — ہر ایک بھوکھ سے سوے عدم روانا ہے

اب اسکو خواہ وہ پائل سمجھ لیں خواہ مجھول

کرے ہے بھوکھ سے شاگرد پیشہ اب یہ معاش — کہیں پلاؤ تو باورچی وہاں پکاویں آش
کریں قنات تو نہیں دربان بیٹھے پردہ فاش — تلے سے کھینچ لے مسند کو آن کر فراش

اگر کہیں کہ ستا اٹھ کے چاندنی کا جھول

غرض مآل ہے اس گفتگو سے یہ میرا — کہ بے زری نے جیا لیا گھر آن کر گھیرا
تو کوئی قصد کرے نوکری کا بہتیرا — نہیں یہ فائدہ کچھ تا وہ چھوڑ کر ڈیرا

کرے نہ عزم سوا اصفہان و استنبول

وہ نوکر اب جسے آقا سر آن پہچانے — جو پوچھو اس سے کہ تم کچھ تو روپئے لگے پانے
کہے ہے آہ وہ بھر کر سوائے آٹھ آنے — روپئے کی شکل نہیں دیکھی ہے خدا جانے

کہ اس مانند میں چپٹا ہے یا وہ گول

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز — تو اسکو سنکے کریں ہوش جغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جسمیں شغال کی آواز — کوئی جو شام کو مسجد میں جا کے بہر نماز

تو وہاں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول

لگے یہاں نہ ہا آسیا سے تا بہ اجاغ — ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر ہے گھر ونکے غم سے داغ — اور ان مکانوں میں ہر سمت بنگلے ہیں الاغ

جہاں بہاریں سنتے تھے بیٹھ کر ہنڈول

خراب ہیں وہ عمارت کیا کہوں تجھ پاس — کہ جسکے دیکھے سے جاتی رہے تھی بھوکھ اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اداس — سجائے گل چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس

کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑا مرغول

یہ باغ کھا گئی کسکی نظر نہیں معلوم — نجانے کن نے رکھا یہاں قدم دو گون تھا شوم
جہاں تھے سرو و صنوبر وہاں اُگے ہیں زقوم — مچی ہے زاغ و زغن سے اب اُس چمن میں دھوم
گلو نکے ساتھ جہاں بلبلیں کریں تھیں کلول

جہاں آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا — مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں اُٹھا دیا گویا کہ نقش باطل تھا — عجب طرح کا یہ بحر جہاں میں ساحل تھا
کہ جسکی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

دیا بھی واں نہیں روشن تھی جسجگہ فانوس — پڑے ہیں کھنڈر دلیں آئینہ خانہ کے مانوس
کڑوڑ دل پہ از امید ہو گئے مایوس — گھر دلنے یوں تیجا کے نکل گئے ناموس
ملی نہ ڈولی انھیں جو تھے صاحب چوڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول — وہ برقع سر پہ ہے جسکا قدم تلک ہے طول
ہے ایک گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول — اور اُنکے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجئے مول

اگر محب ہو مستمع تو سن یہ نام — دیا کچھ اُسنے بمقدور کرکے نذر امام
پڑا جو شامت طالع سے خارجی کے کام — دروغ و راست کا لایا وہ درمیان کلام
یہ آگئے اور چلیں کہہ کے زیر لب لا حول

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر — کروڑ مرتبہ خاطر میں گذرے ہے یہ لہر
جو ٹک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردش دہر — تو بیٹھ کر کہیں رو دیجئے کہ مردم شہر
گھر دلنے پانی کو باہر کریں جھکول

بس اب خموش ہو سودا کہ آگے تاب نہیں — وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے دل کباب نہیں
کسیکی چشم نہ ہوگی کہ وہ پر آب نہیں — سوا اسکے تیری باتکا جواب نہیں

کہ یہ زمانہ ہی اک طرح کا زیادہ نہ بول

دیگر

باغ دلی میں جو بیکر و تر ہو امیر اگذار — نہ وہ گل ہی نظر آیا نہ وہ گلشن نہ بہار
نخل بے بار پڑے سوکھی پڑی ہیں وشیں — خاک اڑتی ہی ہر ایکطرف پڑے ہیں خس و خار
مسکراتا تھا جہاں غنچہ و گل ہنستا تھا — اشک شبنم کے بھی قطرہ کا نہیں واں آثار
جس جگہ جلوہ نما رہتے تھے سرو و شمشاد — مشت پر قمری کے اس جا نظر آئے یکبار
دیکھتا کیا ہوں مگر سوکھی سی اک شاخ اوپر — عندلیب ایک ہی بے بال و پر و دل افگار
دمبدم سرد و بصد حسرت و صد سوز جگر — دیکھ کر سوئے چمن کہتی ہے با نالہ و زار

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

حکایت

سنا ہے کہ اک مرد اہل طریق — نہایت ہی واقع ہوا تھا خلیق
غرض چاہیئے آدمی میں جو چیز — رکھے تھا سبھی خوبیاں وہ عزیز
قضا کار مجلس میں ہوتا کہیں — اٹھاتا نہ منہ سے مگس کے تئیں
کسی نے کیا اس سے اک دن سوال — کہ اس وضع سے تیرا کیا ہی مآل
جو ہلنے میں ٹک ہاتھ کے ہو وہ کام — تو حاصل اٹھانے سے تکلیف تام
کہا راستی ہے جو تینے کہا — ولے اس سے یہ ہے مرا مدعا
کہ جس حال میں وہ نہیں اسکو اڑا — ہے ممکن کسی اور پہ بیٹھے جا
پس ہمت کے نزدیک ہی کیا بھلا — کہ میں اور پہ ڈالوں اپنی بلا
غرض جتنے گذرے ہیں اہل کمال — ہر اک کا سمجھتے تھے اپنا سا حال
تو کز محنت دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی .

دوستی

کیا کلام جو سودا سے ایک عاقل نے　　کسو سے ربط کوئی زیر آسمان نہ کرے

کیا جو تجربہ اُن دوستوں کو بد پایا　　بدی کا جن پہ کسی طرح دل گماں نہ کرے

چکھا اُنھوں کے جو اسے یار دوستی کا شہد　　وہ تلخ کام کبھو زہر دشمناں نہ کرے

بغیر بخل و حسد چاہیئے کوئی مذکور　　اُنھوں کا مہر و مروت کے درمیاں نہ کرے

میں اُن سے ملکے بذاں اختیار عزلت کے　　دو چار اُنھوں سے خدا مجھ کو در جہاں نہ کرے

تجھے بھی راہ نصیحت کی میں یہ کہتا ہوں　　کہ تو بھی ربط کبھو با منافقاں نہ کرے

وہ آدمی ہے بہت دور آدمیت سے　　جو گوش دل کسوئے حرف عاقلاں نہ کرے

وہ آشنا ہیں جہاں میں کہ امتحان کے بعد　　زباں نہیں کہ وہ لعن ان پہ ہر زماں نہ کرے

یہ سُن کے اس سے کہا مسکرا کے سودا نے　　شکایت اتنی کسو کی کوئی بیاں نہ کرے

بُرے بھلے کے تجھے امتحان سے ہے کیا کام　　یہ شکر کر کہ کوئی تجھ کو امتحاں نہ کرے

رموز ملکی

وہ ہی جہاں میں رموز قلندری جانے　　بھبوت تن پہ جو ملبوس قیصری جانے

غلام اُس کی میں ہمت کا ہوں کہ جوں آئینے　　جگر کے خون کو خوان تونگری جانے

فہیم ہے وہی آفاق میں تیرا جو یا　　کہ جسمیں پائے تجھے اُس سے بہتری جانے

نہ ہیچ کر مری با خواجہ شکم پرور　　کہ تجھ سوا نہ کوئی بندہ پروری جانے

زباں دہن میں تو غنچے کے بھی ہے کیا لازم　　کہ جسکے منہ میں زباں ہو سخنوری جانے

دُرِ سخن کو تو غواص بحر معنی پائے　　وگرنہ کیسی ہی کوئی شناوری جانے

جہاں میں قصۂ یوسف ہے آئینہ کہ پسر　　پدر کا درد نہ مہر برادری جانے

سخنور اب یہ ہیں جس طرح آپ کو کوئی　　گہر کسی کا پڑا پاکے جوہری جانے

کسی گدا نے سُنا ہے یہ ایک شہ سے کہا　　کروں میں عرض گر اسکو نہ سرسری جانے

امورِ ملکی میں اول ہے شہ کو یہ لازم — گدا نوازی و درویش پروری جانے
مقامِ عدل پہ جس دم سریر آرا ہو — ہر ایک خُرد و کلاں میں برابری جانے
وہی ہو اے مبارکیں اُسکے گوشہ نشیں — کہ جسمیں عامہ خلقت کی بہتری جانے
ملازموں سے نہ لاوے یہ اُسکو بر سرکار — کہ جس سے کارِ خلائق کی ابتری جانے
چمن ہے ملک و رعیت ہے گل اُنھوں کے لئے — لبانِ ابر سر سایہ گستری جانے
ہمیشہ جود و کرم میں سمجھ ہر ایک کی قدر — مساوی از اُمرا تا بلشکری جانے
بجا جو طرح سپاہی ہو اُسکو جانے مرد — نہ یہ کہ مرنے کو بیجا سپہ گری جانے
جو شخص نائب عالم کہائے دنیا میں — یہ کیا ستم ہے نہ آئین داوری جانے
سوائے اِن سخنوں کے جو تاجِ زریں کو — خیال اپنے میں سرِ دگر سروری جانے
غرض یہ وہ غزلِ قطعہ بند ہے **سودا** — کہ اُسکی قدر کوئی کیا جز انوری جانے

توحید باری

خدایا دے تو اپنے عشق کا درد — عنایت کر دلِ گرم و دمِ سرد
محبت کا دے اپنے داغ دلبر — بغیر از شمع ہے تاریک یہ گھر
خمِ دل میں شرابِ درد بھر دے — پیالے چشم کے لبریز کر دے
تعشق میں کر اپنے اسقدر غرق — نہ مجھسے کفر و دیں میں ہو سکے فرق
عطا میرے تئیں کر یا الٰہی — جنوں کے مملکت کی بادشاہی
کہ ملکِ عقل کو میں دے کے برباد — کروں جا کوہ اور صحرا کو آباد
رہے روشن مری یوں شمعِ ہستی — کروں ہر آن جوں پروانہ مستی
مجھے کر عشق کے خنجر سے دمساز — تڑپنے کی حلاوت سے نہ رکھ باز
زباں سے وہ سخن کر دے سرانجام — رہے محشر تلک جس سے مرا نام
لبانِ شمع یہ دل آب کر دے — گدازِ تن سے لذت یاب کر دے

چمن میں عشق کے یارب ہمیشہ / یہی میرا رہے تا زیست پیشہ
کریں یوں بلبلِ نالہ دلِ زار / کہ جوں طوطی ہو خوں آلودہ منقار
مجھے آتش کی دے یہ طاقت و تاب / کہ ہو جاوے سمندر رشک سے آب
تمنا ہے یہ ہر یک چشم رووے / کر سنگِ آبشار اب سینہ ہووے
رواں رکھ تو مرے خامہ کو دن رات / لکھوں تا حمد میں بعد از مناجات
تری حمد اے چمن آرا کہاں ہو / اگر جوں سرو سرتاپا زباں ہو
ثنا سننے کو تیری گل ہوا گوش / دہن میں سوزباں غنچہ کی خاموش
جہاں اس باغ میں آبِ رواں ہے / تو موج اسکی تری رطب اللساں ہے
ثمر جب سے دیا تیں شاخ کے ہاتھ / زباں ہی شکر کی خاطر ہر ایک پات
چمن کو دیکھ مرغانِ خوش آہنگ / کریں ہیں وصف تیرا سب بہر رنگ
بھنورا تک دیکھ تجھ صنعت گری کو / نظر کر نسترن اور جعفری کو
سدا پھر پھر کے ہر اک پھول کے گرد / کیا کرتا ہے تیرے نام کا ورد
تیرے بارِ کرم سے شاخ ہی خم / بھرے ہی بلبلِ بستاں تیرا دم
چراغ شام کو ہر شب تیری لو / نسیمِ صبح تیری تگ و دو
نہ تنہا خلق کی نسرین و سنبل / بنائی خلقتِ انساں بہ از گل
عطا کی جیسے مشتِ خاک کو جاں / فراواں ہی دم آب و لبِ ناں
رکھے ہے کام میں جبتک زباں تر / نمک گاہے چکھاوے گاہ شکر
برائے پوشش تن بھی بہرحال / کبھو کمل اڑھاتا ہے کبھو شال
ہمارے واسطے اے ربِ معبود / کرم ما باپ سے تیرا ہی افزود
تیرے احساں بیاں کیا ہم سے ہو دیں / رہے بیدار تو بندے جو سو دیں
رکھے ہے گرم جب ہو موسمِ برد / پڑے گرمی تو دے ہی گوشہ سرد

رکھے ہی تجھ سے شیخ و برہمن راہ / تیری کیا ذات ہے اللہ اللہ
سخن سننے کو تو نے بخشے ہیں گوش / سمجھنے کو دیا ہے فہم اور ہوش
زبان کی خلق منہ میں بہر گفتار / کریں تا دردِ دل آپس میں اظہار
بیاں کیا کیجئے تیری عنایت / دیئے ہیں چشم اور نورِ بصارت
کہ تا معلوم ہو شام و سحرگاہ / چلیں پستی بلندی دیکھ کر راہ
زباں کو ذائقہ سے دے ہی تسکیں / کیا معلوم جس نے ترش و شیریں

نصائح درباب شاعری

جب کہے موردِ تحسین ہیں اکثر اشعار / کہا استاد نے تجھ سے مرے سن کر اشعار
اے پسر چار نصائح میں کروں ہوں اُن کو / کر کے تحویل دل اپنے تو کہا کر اشعار
ہیں جو خاقانی و فردوسی و سعدی مشہور / کیا عجب ہے کہے اُنکے ہو برابر اشعار
۱ اوّلاً یہ کہ مجالس میں زباں دانوں کی / تیرے آگے جو پڑھے کوئی سخنور اشعار
سخن ایسا نہ ہو سرزد کہ دل اُس کا ہو دونیم / گو ہوا تیغ زباں کا تیرا جوہر اشعار
۲ دوئمی یہ جو تو چاہے کہ نہ مجھ سا ہو کوئی / شعر سے میرے کسی کے نہوں برتر اشعار
شعر تحسین یہ بھی ناداں کے نہ پڑھیو یکبار / پڑھیو دانا کے تو نفریں یہ مکرر اشعار
۳ سوئمی گر کہے تجھ سے کوئی ناداں کہ ہیں / تیرے دیوانیں دوانین کے افسر اشعار
شعرا میں تو نہ پڑھیو جز امیدِ اصلاح / ہوئیں بالفرض تیرے اُنسے بھی بہتر اشعار
۴ چارمیں بال زن اُن کو نہ سمجھیو یہ فلک / مرغ معنی سے تیرے پاویں جو شہپر اشعار
بوجھ کر اپنی ترقی کو تنزل تیرے / عرش پر ہوں تو سمجھ فرش کے اوپر اشعار

اشعار خواجہ میر درد

مقدور ہمیں کب تری وصفوں کی رقم کا / حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اُس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے / کیا تاب گذر ہووے تعقل کے قدم کا

اے درد منبسط ہے ہر سو کمال اسکا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

حرص گدائی ہی روبہ بازیاں سب ورنہ یاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری ادھر
یا رب ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا

آزاد کسی کا بھی اٹھاتے نہیں منت
دیکھا نہ کسی سرو کو تہ بار ثمر کا

گلستان جہاں کا دید کیجے چشم عبرت سے
کہ ہر یک سرو قد ہی اس چمن میں نخل ماتم کا

باور نہیں ابھی تجھے غافل پہ عنقریب
معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا

دیکھا ہے میں زندگی کا جب سے سپنا
جلنا ہے سدا ہی مجھکو نت ہی جھینا

تقصیر معاف تب ہی ہوگی اے درد
جوں شمع کرونگا جب قدمبوس اپنا

پیدا کرے ہر چند تقدس بندا
مشکل ہے کہ حرص سے ہو دل برکندا
جنت میں بھی اکل و شرب سے کب ہے بچتا
دوزخ کا بہشت میں بھی ہوگا دھندا

کس کا کون کیا کسو سے کہنا
اپنا اپنا ہر ایک کا ہے لہنا
گذرے ہے اب اسطرح اپنی اے درد
رونا چپکے پڑے اکیلے رہنا

جو مرے ہیں مرگ میں سو ہم سے پوچھا چاہیے
کون جانے آہ کیا لذت ہے مرجانے کی بیچ

جوں کاغذ باد اہل ہوس پیچ میں ہیں گے
رہتی ہے سدا انکے تئیں جنگ ہوا پر

اسقدر رکھا یا کرم یا ظلم رانی اسقدر
مہربانی اس قدر نامہربانی اسقدر

جان کو آنے دے لب تک نزع میں کبتک رہوں
دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اسقدر

کیا کہوں دل کا کسی سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اسقدر

درد تو کرتا ہے معنی کے تئیں صورت پذیر
دست رس کہتے تھے کب بہزاد و مانی اسقدر

هستی نے تو ٹک جگا دیا تھا

گر ہے ہی تجھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی
تو سلامت ہو نہیں ظاہر میں بیچ دل کے خطرات
ہم سے بیکاروں سے بہتر ہیں یہ اہل اشتغال
اگر جمعیت دل ہی تجھے منظور قانع ہو
پر کیا درد کچھ مت رکھ ترقی اور تنزل کا
وہ مرتبہ ہے اور ہی فہمید کے پرے
انساں کی ذات سے ہیں خدائی کے کھیل یاں
ہستی ہی جب تلک ہم ہیں اسی اضطراب میں
پیری نے ملک تن کو اجاڑا و گر نہ یہاں
نہ گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
پوچھا میں درد سے کہ بتا تو بھی مجھے
کہنے لگا مکان سعین فقیر کو
درویش ہر کجا کہ شب آمد سرا او ست
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
بے ہنر دشمنی اہل ہنر سے آ کر
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن ادھر او دھر بھٹکتے ہیں
گرچہ ہم مردہ دل ہی جاں جہاں جیتے ہیں
زندگی جس سے عبارت ہے سو وہ زیست کہاں
سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں

پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

ہوئی آتش سے گل کی بیٹھتی رشک شبنم
رات دن گلخن کی طرح سر سے تئیں کھاتے ہیں
ہر طرح دل کے تئیں اپنے تو بہلاتے ہیں
کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں
کہ اپنے ذہن میں یاں تو گدا بھی شاہ ہوتے ہیں
ہم جس کو پوچھتے ہیں وہ اللہ ہی نہیں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں
جوں موج اپنے ہیں اسی پیچ و تاب میں
تھا بند و بست اور ہی عہد شباب میں
کس بات پہ چمن ہوس رنگ و بو کریں
اے خانماں خراب ہے تیرا بھی گھر کہیں
لازم ہے کیا کہ ایک ہی جا گھر ہو ہر کہیں
تو نے سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
منہ پہ چڑھتے تو ہیں پر دل سے اتر جاتے ہیں
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
جہاں چاہیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں
تجھ بن الو اجو سمجھے تو کہاں جیتے ہیں
یوں لو تو کہنے کے تئیں کہئے کہ ہاں جیتے ہیں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

دیکھیے سیر سے ضعف کو کہنے لگا رو کر طبیب
کوئی دم کو یہ بھی اس کی ناتوانی پھر کہاں

خورشید کی مانند پھروں کب تئیں یا رب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو
الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضی الٰہی ہو

نگینے کے سوا کوئی بھی ایسے کام کرتا ہے
کہ ہو نام اور کا روشن اور اپنی روسیاہی ہو

جو جفا جو ہیں انھیں سنگدلی لازم ہے
کام تلوار کو رہتا ہے سدا سان کے ساتھ

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے
مشکل ہے جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے

نشو و نما کی کس کو امید اے بہاریاں
میں خشک شاخ ہوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

تحریک ہی پہ اس ید قدرت کی ورنہ کب
بے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

گو بحث کر کے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

وہ مر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اٹھ گئے درد یاں سے کہ سب یار سو گئے

ترقی اور تنزل کو یاں سکے کچھ عرصہ
بمثال ماہ زیادہ نہیں بڑھنے سے

کیا سیر سب ہم نے گلزار دنیا
غنیمت ہے یہ دید و وا دید یاراں

گل دوستی میں عجب رنگ و بو ہے
جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہے نہ تو ہے

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

قدر مردوں کی سمجھنے کی نہیں یہ مایہ دار
جوہری واقف ہووے جوہر شمشیر سے

جی کی خوشی نہیں گرو سبزہ و گل کے ہاتھ کچھ
دل ہو شگفتہ جس جگہ وہی چمن ہے باغ ہے

دولت فقر کی حضور گردہی جاہ سلطنت
کہتے ہیں جس کو یاں ہما اپنی نظر میں زاغ ہے

عالم ہو قدیم خواہ حادث
جس دم نہیں ہم جہاں نہیں ہے

یہ تحقیق ہی یا کہ افواہ ہے
کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ ہے

نہ یاں علم و دانش نہ فضل و ہنر
فقط ایک دل ہو کہ آگاہ ہے

لوگ کہتے ہیں عاشقی جس کو
میں جو دیکھا بڑی مصیبت ہے

بند احکام عقل میں رہنا
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے

یہ نہ سمجھے اور ہی شاطر نشہ دی بھی انھیں
زعم میں اپنے سلاطیں آپ کو شہ کر گئے

آئے تھے اس مجمع میں قصد کر کے دور سے
ہم تماشے کے لئے آپ ہی تماشا ہو گئے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا
ایک دم آئے ادھر اودھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

بات چڑھتی ہے دل پہ جو آخر
خلق کے پھر زبان پڑتی ہے

کیف و کم کو دیکھ اُسے بے کیف و کم کہنے لگے
جب حدوث اپنا کھلا راز قدم کہنے لگے

بت پرستی کفر یاں دل کی گرفتاری ہے درد
چاہئے جسکو لگے اُس کو صنم کہنے لگے

جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے
زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

سیماب کشتہ کس کا ماء الحیات کیدھر
گر جی کو مار سکئے اے درد کیمیا ہے

ہستی ہے سفر عدم وطن ہے
دل خلوت و چشم انجمن ہے

بڑا غبن فاحش ہے انسان میں
پرکھنے کو اسکے نظر شرط ہے

کیا کم ہے مرغ قبلہ نما سے یہ مرغ دل
سجدہ اُدھر ہی کیجیے جیدھر کو منہ کرے

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے
مگر کھینچ لیجائے مستی مجھے
زمانے نے اے درد جوں گرد باد
دکھائی بلندی و پستی مجھے

وصف خاموشی کی کچھ کہنے میں آسکتی نہیں
جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے
گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے
تو جسطرف کو دیکھئے اُسکا ظہور ہے
کیا فائدہ گر باز ہے یاں دیدۂ سر
نت پردۂ چشم دل ہے کور ہی دگر
جوں آئینہ ہر چند کھلی آنکھ ولے
آتا ہے نظر میں عیب اپنا جو ہے

اے درد بہت کیا پر کھا ہم نے
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ
جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

کچھ آپ ہی گرا کے آپ ہی کچھ چنتا ہے
کہتا ہے کچھ آپ آپ ہی کچھ سنتا ہے
اے درد ہمیشہ یہ دل دیوانہ
کیا کیا کچھ ادھیڑتا ہے اور بنتا ہے
کیسے تمکو بھاوت ہیں اور کیسے تو سکھ پاوت ہیں
یہ پھلواری درد ہمیں کچھ اور سمو دکھلاوت ہیں
کلیاں سن ہیں سوچت ہیں جو پھول کوئی کھلاوت ہیں
جو دن و اکو بیت گیو ہے وا دن ہونکو آوت ہیں

دیدار رہا ہے شاہد گل
اور زلف کشا عروس سنبل
جب دل نے کیا مرے تامل
تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب
ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی ہے نہیں جہاں میں معیوب
آتے ہیں ہمی نظر میں سب خوب
گر عیب ہے پردۂ ہنر ہے

اے درد رموز کبریائی
کد سمجھے ہے زاہد ریائی
بے عجز نہیں ہے واں رسائی
ہے مجھ کو جہاں یہ سر کشائی

پرواز شکست بال و پر ہے

پائی نہ گلِ وفا کی بو بھی — اس باغ میں جابجا پھرا ہوں
آئندہ نہ کیجئے محبت — دنیا ہی نپٹ ہے جائے عبرت
ایذا میں ہے دیکھ کیا حلاوت — بے نوش نہیں ہے نیش زنبور
قائل نہیں اختیار کا میں — بندہ ہے سمجھ میں اپنے مجبور
اس زیست کا اعتبار کیا ہے — کوئی دم میں یہ زندگی ہوا ہے
ظالم ٹک اِدھر تو دیکھ لے تو — کوئی پل میں خدا ہی جانے کیا ہے
ڈھاتا تو ہے دل کے تئیں ولیکن — تو جان یہ خانۂ خدا ہے
جوں آئینہ منہ کسی سے مت پھیر — تیرے دل میں اگر صفا ہے

اشعار انشا

مدح جناب باری

اے خداوندِ مہ و مہر و ثریا و شفق — لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق
بیٹھ کر مکتبِ ابداع میں تو نے کھولے — دفعتہ نسخۂ افلاک کے جوں سات ورق
تذکرہ پھر تو ہوا مسئلۂ وحدت کا — عقلِ اول نے پڑھا تجھ سے مودب ہو سبق
ذات کو کنہ کو کیا فہم کریں گے اوہام — سینکڑوں نوع کے ہیں جس میں دقائق مغلق
کیجئے گر نظرِ غور بہ انواعِ صفات — خیرہ ہو ذہن کہ ہے یہ مسائل ہی ادق
روح کو حکمِ تعلق بجسد فرمایا — تاکہ اشکال ہیولا و صور ہو مشتق
واسطے فائدہ کے سب بنائے اعضا — عاتق و کتف و ید و ساعد ضبع و مرفق
سمع و ذوق و بصر و لمس و شم و وہم و خیال — بن کہے تو نے دیئے ہم کو کریمِ مطلق
صدقہ اس بندہ نوازی کے ترے ہم جاویں — باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و اشفق
تیری سطوت کی جو وادی کو نظر بھی دیکھے — توسنِ وہم کو یکبارگی آجائے عرق

بحرِ مواجِ حقائق سے گذر کون سکے
ہاں مگر فضل سے ہے تیرا ہو سجائے زورق

داور اسچ کہ سزاوارِ پرستش تو ہے
بیشک و شبہ سمعنا و اطعنا الحق

روز و شب حضرتِ خلاق ترے حکم میں ہیں
عرش لوح و قلم و شش جہت و ہفت طبق

ہے موالیدِ ثلاثہ کو سے علے قدر الحال
تیرے ہی فضل سے محصول سدا استحق

سینکڑوں طرح کی خلقت کیو تو اے رازق کل
بھیجتا نعمت الوان ہے بے طشت و طبق

تو ہم فیض نہ چھڑکے تو میاہ الاشجار
اُڑ چلیں الجزرہ ارض سے مثل زیبق

مدح عالی گوہر

جشن و نشاط و خورسندی و عشرت نعم
عیش و خوشی میں چین کے خوش وقت ہو ہم

فرخندگی بخت پہ نازاں تھے اپنے سب
ہر ایک نغمہ سنج تھا با طوطیِ ارم

فیضِ سحاب فرح سے تھی مزرعِ امید
گل گل شگفتہ تازہ و شاداب سبز و نم

بلبل کو یہ طرب نہ ہو ہرگز بفصلِ گل
غنچوں کو یہ شگفت نہیں ہوتی صبحدم

قمری کو وصلِ سرو کی اتنی نہ ہو خوشی
آہو کو یہ سرور نہ ہووے بوقتِ رم

جو کچھ کہ جوششیں تھیں غرض ان سبھوں کے ساتھ
ممکن نہیں کہ کیجے بیاں اُن کی بیش و کم

خدمت میں ان سبھوں کے کیا میں نے التماس
شادی کی وجہ کیا ہے خبر باد میں کچھ تو ہم

بارے یہ کیا نشاط ہے ہم بھی تو کچھ سنیں
خوشبو سے فرح کی ہو ہمارا بھی تازہ دم

شامل مجھے بھی کیجئے اس عیش میں کہیں
حضارِ بزمِ خاص سے ہوں موردِ کرم

سلکِ گہر و صدفِ لب سے یوں کہا
اُن سب نے کیا تجھے نہیں معلوم یہ کہ ہم

دینے چلے ہیں اسکو مبارک کہ آج وہ
شاہنشہ زمانہ ہے بر مسندِ حشم

وہ واجب الاطاعت و مسجودِ خلق ہے
دوراں کے بیچ میں وہ جو ہے شاہِ محترم

یعنی

یعنی وہ شاہ عالم و فخر جہانیاں
عالی گہر خجستہ سیر معدنِ ہمم

حالت بیماری میں مناجات

کریما جلد کرم کر کہ ہو مزاج صحیح
بہ رنگ نرگس بیمار ناتواں ہوں صریح

لسان بند مرے بند بند جکڑے ہیں
وفور درد سے یہاں تک کہ ہوں بشکل سطیح

تگرگ کی مثال بس گھلا ہی جاتا ہوں
بوضع برگ کے ہوں مرتعش بصد تبریح

نفس کو تنگ کیا ہے حرارت دل نے
پلا دے شربت لطف اپنا پئی ترویح

رجوع تجھ سے لے آیا ہوں اے کرم مولے
حصول ایسے مشاغل سے کیا بجز تفضیح

مفرح اپنی شفاخانۂ عنایت سے
شتاب بھیج کہ انشا کو جلد ہو تفریح

غزل

یہ مجھ سے کہنے لگے ایک شخص تھے جو الول
مزا جو پوچھیے سچ مچ تو چھوٹے پہاڑ میں ہے

ہزار طرح کی فکریں خراب کرتی ہیں
غرض نہ پوچھو کہ انسان کس لتاڑ میں ہے

گھر آئے شور سے دل بادل آج دیکھ انشا
کہ بے طرح سے پھنسی برق جھنجھاڑ میں ہے

اپنی تعریف

اک طفل دبستاں ہیں فلاطوں مرے آگے
کیا منہ ہے ارسطو جو کرے چوں مرے آگے

کیا مال بھلا قصر فریدوں مرے آگے
کانپے ہے پڑا گنبد گردوں مرے آگے

مرغان اولی اجنحہ مانند کبوتر
کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے

منہ دیکھو جو نقارچئ فلک بھی
نقارے بجا کر کہے ڈوں ڈوں مرے آگے

ہوں وہ جبروتی کہ گروہ حکما سب
چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے

بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں
بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے

مجنوں کو مرے خسرو پرویز ہے حاضر
شیریں بھی کہے آکے بلا لوں مرے آگے

کیا آکے ڈراوے مجھے زلف شب یلدا
ہے دیو سفید سحری جوں مرے آگے

وہ مار فلک کاہکشاں نام ہے جس کا
کیا دخل جو بل کھا کے کرے فوں مرے آگے

تہنیت جشن

کلیاں پھولوں کی تیار کرا کے لوئے سمن
کہ ہوا کھانے کو نکلیں گی جو انان چمن

عالم اطفال نباتات پہ ہوگا کچھ اور
گورے کالے سبھی اینٹھیں گے نئے کپڑے پہن

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر
کرسیٔ ناز پہ جلوؤں کی دکھاوے گا پھبن

شاخ نازک سے کوئی ہاتھ میں لے کر اک بیت
ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن

نسترن بھی نئی صورت کا دکھا دیگا رنگ
کوچ پر ناز کے جب پاؤں رکھے گا بن ٹھن

اپنے گیلاس شگوفہ بھی کریں گے حاضر
آ گئے جب غنچۂ گل کھولیں گے بوتل کے دہن

اہل نظارہ کی آنکھوں میں نظر آویں گے
باغ میں نرگس شہلا کے ہوا سے چتون

اور ہی جلوے نگاہوں کو لگیں گے دینے
اودی بانات کی کرتی سے شگوفہ سوسن

پتے ہل ہل کے بجاویں گے فرنگی طنبور
الالا دے گا سلامی کو بنا کر پلٹن

کھینچ کر تار رگ ابر بہاری سے کئی
خود نسیم سحر آوے گی بجانے ارگن

اپنی سنگینیں چمکتی ہوئی دکھلاویں گے
آ پڑے گی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن

نے نوازی کے لئے کھول کر اپنی منقار
آ کے دکھلا دے گی بلبل بھی جو ہو اسکا فن

اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں ہو سب جمع
آن کر اپنا بگل پھونکے گا جب سکھ درسن

آئے گا نذر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب
یاسمیں پتوں کی پینٹیں میں چلے گی بن ٹھن

نکہت آوے گی بغل کھول کلی کا کمرا
ساتھ ہو لے گی نزاکت بھی جو ہو اس کی بہن

حوض صندوق فرنگی سے مشابہ ہوں گے
اس میں ہو دیکھنگے پریزاد بھی سب عکس فگن

ہے اس آفت کا سبک سیر کہ اک اس کا
حاضری کھائے جو کلکتہ تو لندن میں ٹفن

غزل

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر — غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی مے خوار بیٹھے ہیں
بسانِ نقشِ پائے رہرواں کوئے تمنا میں — نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں
یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک — نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں
کہاں صبر و تحمل آہ ننگ و نام کیا شے ہے — میاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں
نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو — جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں
بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا — غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

خدا کی تعریف

جمالِ عظمتِ دادار و خالقِ ملکوت — خیال کر کے یہ کہتا ہوں ہلّہ رے جبروت
نمودِ سطوتِ پروردگار رے دیکھو — جہاں تلک کہ کرے کام یہ نظر کا سوت
محیط اس میں ہے تمثال جلوۂ واجب — اگرچہ آئینۂ ممکنات ہے ناسوت
زہے کریم کہ کروبیوں کو جس نے دیا — مدام مشغلۂ سیرِ گلشنِ لاہوت
بغیر اس کے کرم کے نہیں بن آتی بات — ہزار گرچہ پڑھا کیجے دعائے قنوت

بیان ذات کے اوصاف کس سے ہوں انشا
صفات جس کی ہیں حمالِ عرش ہیں مبہوت

اشعار ذوق

مثنوی

چاہیے نام اُسی کا اے خامہ — زینتِ نامہ زیبِ سرنامہ
فلک اُس کے نمونۂ قدرت کا — یک قلمدان ہزار صنعت کا
رخِ قرطاس کو صفائی دی — اور سیاہی کو روشنائی دی
دیا قمری کو مصرعۂ نالہ — مصرعۂ قدِ سرو پر بالا
کی عطا نوخطوں کو کلکِ ادا — کیا عاشق کو تختۂ مشقِ جفا

ساقیا جلد اٹھ درنگ نہ کر | عرصہ مطلب کا دیکھ تنگ نہ کر
طاق سے تو اتار لے شیشہ | طاق پر رکھ کتاب اندیشہ
شیشۂ می کی یہ دراز زباں | اور پھر یہ ستم کہ پنبہ دہاں
میں ہوں مانند ساغر لبریز | جاں بلب جاں بلب کو کیا پرہیز
جھوم جھوم ایسے بادل آنے لگے | پاؤں توبہ کے لڑکھڑانے لگے
کردے یہاں تک مجھے نشہ میں چور | تا کہ مانند خوشۂ انگور
دل کے سارے پھپھولے توڑوں میں | نکتہ باقی کوئی نہ چھوڑوں میں
شب ہجراں بسر نہیں ہوتی | نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی
بستر رنج و کنج تنہائی | رات کیا آئی اک بلا آئی
شام سے حال ہے یہ صبح تلک | نہیں لگتی ہے پلک سے پلک
کیوں نہیں بولتے سحر سے طیور | کیا شفق نے کھلا دیا سیندور
جان بیتاب جیسے بجلی برق | وہ بھی گرم رہ فنا کالبرق
نبضیں چھوٹی ہیں غشی طاری | ایک فرقت ہزار بیماری
دل سے رخصت ہے تاب و طاقت کی | بیقراری نے استقامت کی
ہوس سیر باغ ہے کس کو | دل ہے کس کو دماغ ہے کس کو
کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے گھر | سنگ دیوانہ بن گیا ہے گھر

قصیدہ

ہیں مرے آبلۂ دل کے تماشا گوہر | ایک گھر ٹوٹے تو ہوں کتنے ہی پیدا گوہر
نظر خلق سے چھپ سکتے نہیں اہل صفا | تہ دریا سے بھی جا ڈھونڈ نکالا گوہر
رزق تو در خور خواہش ہی پہنچتا ہے کہ | مرغ کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر
پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو پاک سرشت | غرق ہے آب میں پر تر نہیں اصلا گوہر

ہے دل صاف کو عزلت میں بھی گردوں سے غبار
گرد آلود ہی بیٹھا ہوا تنہا گوہر

کور باطن کو ہو کیا جوہر دانش کی شناخت
کہ پرکھتا نہیں جز دیدۂ بینا گوہر

غیر پر پایہ نہ کم مایہ سے ہو ضبط ہوس
بہہ گیا تر الم ہو الگ کے نہ پگھلا گوہر

جوہر خوب کو درکار ہے آرائش خوب
خوب تو آب کی خوبی سے ہے ٹھہرا گوہر

سرکشی کرتے ہیں بے مغز نہ پر مغز و وقار
جز حباب آب سے سر کھینچے نہ بالا گوہر

ربط ناچیز سے کرتے ہیں کوئی پاک نہاد
ہو نہ ہم صحبت تار رگ خارا گوہر

دل خراش اور ہے طاقت وہ دل ہے کچھ اور
کہ نہ گوہر کبھی ہیرا ہو نہ ہیرا گوہر

فیض کو عالم بالا کی ہے شرط استعداد
قطرہ یکجائے طباشیر ہے یکجا گوہر

صدق اور کذب پہ ہر نکتہ کے ہے شرط نظر
کور کیا جانے یہ سچا ہے کہ جھوٹا گوہر

صاف باطن کی ہو جب قدر کہ ظاہر ہو درست
مول بھی لوٹ گیا صاف جو ٹوٹا گوہر

ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش جوہر کی
تو کبھی کان سے باہر نہ نکلتا گوہر

خلش خار جنوں سے ہے پروتا کیا کیا
ہر قدم پر قدم آبلہ فرسا گوہر

دل عاشق میں کرے کیونکہ نہ آنسو سوراخ
اسی الماس سے جاتا ہے یہ بیندھا گوہر

ذوق ہو قوت گر انداز غزل خوانی کو
ڈھونڈھ اس بحر میں اب تو کوئی اچھا گوہر

غوطہ دریائے سخن میں ہے لگانا بہتر
آگے تقدیر سے خرمہرہ ملے یا گوہر

قصیدہ

لاتا نیرنگ سے ہر رنگ نئے چرخ محیل
واہ بگڑا ہی کچھ اس خم میں عجب رنگ سے نیل

ڈر زمانہ سے وہ عیار ہے یہ ہوش ربا
لاکھ بے ہوشیوں سے جس کی بھری ہے زنبیل

ہے توکل کا احاطہ وہ عزیمت کا حصار
کہ بجز حفظ خدا جس کی نہ خندق نہ فصیل

کم ہوں ظاہر کی خرابی سے صفات اصلی
زنگ دیتا ہے چھپا جوہر شمشیر اصیل

پیش دشمن نہ گذر حق سے نہیں سانچ کو آنچ
بلکہ ہے آتش نمرود گلستان خلیل

ہوتے سیرت سے ہیں مردانِ دلاور ممتاز
ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

نہیں بے قیدِ علائق کسی عالم میں بزرگ
رسمِ تحریر میں بھی چھوٹے نہ زنجیر سے فیل

ہے تہِ خاک بھی قاروں کو سفر حشر تلک
نہیں ماتحت ترے منزلِ آرامِ بخیل

عید اک روز جہاں میں ہے رمضان اک ماہ
بعد ہی کثرتِ تکلیف کے یہاں عیش قلیل

کشتِ سبزِ فلک و مہ سے نہ رکھ چشمِ ثمر
خوشۂ فیض سے بے بہرہ ہے یہ مزرعۂ نیل

قابلِ انساں کی صحبت سے ہی انساں نہ ملک
بن گیا پیشِ نبی صورتِ دحیہ جبریل

عشق کھچوائے ہے اک زارِ جفاکش سے بڑے
بارِ صد کوہِ الم بے عملِ جرِّ ثقیل

شمعِ کشتہ کے لئے ہے دمِ عیسیٰ آتش
سوزشِ عشق سے زندہ ہوں محبت کے قتیل

دل کے ہے ایک ورق میں وہ حقیقت ساری
جس کا اجمال قضا اور قدر ہے تفصیل

جی میں ہے اور پڑھوں میں کوئی مطلع ایسا
گوہرِ مخزنِ معنی سے ہو جس کو تاویل

کنجِ حیرت میں کروں علمِ خموشی تحصیل
یہ عجب مدرسہ ہے جس میں ہے قال نہ قیل

درسِ توحید سے لوں ایک شفا کا نسخہ
بحث میں علت و معلول کے ہے عقل علیل

جلوہ افروزیِ یک بدرِ دجیٰ ہے اس کو
شمع فانوس سمجھ خواہ چراغِ قندیل

فکرِ بیہودہ میں کس واسطے ہے تو پابند
کچھ نکال اپنے لئے ذوقؔ نکلنے کی سبیل

خوابِ غفلت سے ہو بیدار کہ آئی پیری
نہیں مہتاب یہ ہے روشنیِ صبحِ رحیل

عرصۂ عمر ہے وہ تار کھنچا اور ٹوٹا
کچھ اگر وقتِ معین کی طرف ہو نہ ڈھیل

وہی منزل ہے جہاں ٹھہرے حیاتِ گذراں
کہ پئے راہِ فنا کوئی نہ فرسخ ہے نہ میل

مشقِ اندوہ سے اک روز نہیں تو بیکار
تیرے ہفتے میں نہیں کوئی بھی روزِ تعطیل

غمِ عصیاں ہے تو ہے رحمتِ غفار وسیع
فکرِ روزی ہے تو ہے رزق کا رزاق کفیل

ہے کمانے زر و مال تو سب جائے گا چھوڑ
چھوڑ جانے کو تو کافی ہے فقط ذکرِ جمیل

پھر بہارِ چمنِ عمر میں دل گیر ہے کیوں
سیر کر سیر کہ ہے فرصتِ گلگشت قلیل

مژدۂ عید سے ہی دیکھ تو کیا رنگ چمن
گل کی رنگیں ہے قبا غنچہ کی رنگیں مندیل

ہوئے آراستہ ہیں آج بدل کر پوشاک
فصل سے باغ تلک باغ سے لے تا بہ نخیل

بہار

زہے نشاط اگر کیجیے اسے تحریر
عیاں ہو خامہ سے تحریر نغمہ جائے صریر

زبان سے ذکر اگر چھیڑئے تو پیدا ہو
نفس کے تار سے آواز خوش تر از بم و زیر

ہوا یہ باغ جہاں میں شگفتگی کا جوش
کلیدِ قفلِ دلِ تنگ خاطرِ دل گیر

کرے ہی وا لبِ غنچہ درِ ہزار سخن
چمن میں موجِ تبسم کی کھول کر زنجیر

کچھ انبساط ہوا سے چمن سے دور نہیں
جو وا ہو غنچۂ منقار بلبلِ تصویر

قفس میں بیضہ کے بھی شوقِ نغمہ سنجی ہے
عجب نہیں کہ ہو مرغِ چمن بلند صفیر

اثر سے بادِ بہاری کے لہلہاتے ہیں
زمیں پہ ہم سرِ سنبل ہے موجِ نقشِ حصیر

نکل کے سنگ سے گر ہو شرارہ تخم فشاں
تو سبز فیضِ ہوا سے ہو وہ برنگِ شعیر

زمیں پہ گرتے ہی لے آئے دانہ برگ و ثمر
جو ٹوٹے ہاتھ سے زاہد کے سبحۂ تزویر

ہوا پہ دوڑتا ہی اس طرح سے ابرِ سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی پیل مست بے زنجیر

نہ خار دشت ہی نرمی میں خوابِ مخمل ہے
ہر ایک تار رگِ سنگ بھی ہے تارِ حریر

ہوا میں ہی یہ طراوت کہ دودِ گلخن بھی
برستا اٹھتے ہی آتش سے مثلِ ابرِ مطیر

یہ آیا جوش میں بارانِ رحمتِ باری
کہ سنگ سنگ میں سنگِ یدہ کی ہی تاثیر

ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغرِ عیش
ہر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت نظیر

ہر ایک قطرۂ شبنم گہر کی طرح خوش آب
ہر اک گہر گہرِ شب چراغ پر تنویر

کرے ہی صبح شکر خندہ اس مزے کے ساتھ
کہ جس طرح بہم آمیختہ ہوں شکر و شیر

سنوارتی ہی جو شام اپنی زلفِ مشکیں کو
سوادِ مشکِ ختن پہ ہیں لاکھ آہو گیر

نہال شمع سے ہر شب ہیں چنے گل خوشبو
بہارِ عیش میں گلچیں کی طرح سے گل گیر

ہنسے چراغ تو ایسی ہنسی ہیں پھول جھڑیں
حیا سے رنگ گل آفتاب ہو تغییر

رہے ہی چرخ پہ ہر صبح جوں صبوحی کش
ہاں درازی ریش آفتاب ساغر گیر

عجب نہیں ہے کہ آرائش زمانہ سے
حنائی پنجہ ہوں تاک و چنار رسید الخیر

چمن میں ہے یہ درختان سبز سے جوبن
کہ زہر کھاتے ہوں سبزان خطۂ کشمیر

نہ کیونکہ دیکھ کے گلشن کو یہ پڑھوں مطلع
کہ آئے ہے نظر اک قدرت خدائے قدیر

اشعار مختلف

ہے مقام زندگی زیر دم شمشیر مرگ
ہو گیا جس طرح کوئی دم گذارا ہو گیا

ہنگامہ گرم ہستی ناپائیدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

ہو پاک دامنوں کو خلش گر سے کیا خطر
کھٹکا نہیں نگاہ کو مژگان کے خار کا

اے ذوق گر ہے ہوش تو دنیا سے دور بھاگ
اس میکدہ میں کام نہیں ہوشیار کا

آئینہ خانہ ہے عالم کے سمجھ لے یہ مثال
تا تجھے جانیں کہ یہ صاحب نظر اچھا ہوا

ہے برا تو ہی اگر آیا نظر تجھ کو برا
تو ہی اچھا ہے تجھے معلوم اگر اچھا ہوا

خریدار اس کی رحمت جنس عصیاں کی ہے گریہ
جھڑک کر بیچتا ہوں نفع پر سودا اختسار کا

فقط تار نفس کا ذوق خط جادہ کافی ہے
پئے عمر رواں کیا چاہئے رستہ گذارے کا

خاک آئینہ سے ہے نام سکندر روشن
روشنی دیکھتا گر دل کی صفائی کرتا

نہیں گوش شنوا باغ جہاں میں غافل
ورنہ ہر برگ ہے یاں نغمہ سرائی کرتا

بند آنکھیں کئے جاتا ہے کدھر تو کہ تجھے
ہے ترا نقش قدم راہنمائی کرتا

بیٹھ رہئے تو قفس ہے عجب آرام کی جا
ہے بے چین ہمیں شوق رہائی کرتا

جاہل منکر نہ آئے راہ پہ معجزے سے بھی
جہل سے بو جہل بنے نامسلماں ہی رہا

سب کو دیکھا اس نے اور اس کو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

مجھ میں اس میں ربط ہے گویا برنگ بو و گل
وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے
اگر آتش مزاجوں کو حسد ہو خاکساروں سے
خدا جانے سے ذوق جھوٹا کہ سچا
ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
میں ہوں جگر میں لگی ہے حسد ان دنیا کی
دکھا نہ جوش و خروش اتنا زر پہ چڑھ کر
ہنر شناس کو دکھلا ہنر کہ خوبی زر
شرط ہمت نہیں مجرم ہو گرفتار خدا
ذبح کرنے کو مرے پوچھتے کیا ہو تکبیر
وہاں سے یہاں آئے تھے اے ذوق تو کیا لائے تھے
کام یہ تیرا ہی تھا رحمت ہے اے ابر کرم
گر خدا دیوے قناعت ماہ یک ہفتہ کی طرح
اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک
ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
صحبت صافی دلاں سے ہوں مکدر تیرہ دل
اس گلستان جہاں میں کیا گل عشرت نہیں
خاک ہو کر بھی فلک کے ہاتھ سے ہم کو قرار
ذوق اس صورتگدہ میں ہیں ارنی صورتیں
ہوں طائر خیال نہ پر ہیں نہ میرے بال
ہے لوث حب زر سے یہ دامن ہمارا پاک
مستغفو مارنے کا مرے کرتے ہیں حریف

دنیا کے زر و مال کی میں لقت نہیں کرتا
تعجب کیا کہ ابلیس لعین دشمن ہے آدم کا
مگر وہ نہیں آشنائی کا جھوٹا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا
حال میرا ہے بعینہ آسیائے باد کا
گئے جہاں میں دریا بہت اُتر چڑھ کر
اگر کھلے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر
تو نے کیا چھوڑا اگر چھوڑے گا بدلا لے کر
تم چھری پھیر بھی دو نام خدا کا لے کر
یہاں سے کہ تو جائیں گے ہم لاکھ تمنا لے کر
ورنہ جائے داغ عصیاں سیر داماں چھوڑ کر
دوڑے ساری کو بھی دھنی نہ انسان چھوڑ کر
لعل کیوں اس تنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر
زنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں
سیر کے قابل ہے یہ پر سیر کی فرصت نہیں
ایک ساعت مثل ریگ شیشہ ساعت نہیں
کوئی صورت اپنی صورت گر کی بے صورت نہیں
پر اڑ کے جا پہنچتا کہیں سے کہیں آن میں
گر چھینٹ بھی پڑی تو سجدہ درم نہیں
اور مجھ میں مثل بازی شطرنج دم نہیں

رکا وہ خوب نہیں طبع کی روانی میں
کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

کہانیاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا
بقا کا ذکر ہے کیا اس جہانِ فانی میں

نہیں خضاب سے مطلب ہمیں یہ موئے سفید
سیاہ پوش ہوئے ماتمِ جوانی میں

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو
جز میں آتا ہے نظر کل کا تماشا ہم کو

کرتے جوں کوہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت
پر وہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہم کو

اک حلاوت ہے عداوت میں بھی اُس ظالم کی
کہ اگر زہر بھی دیتا ہے تو میٹھا ہم کو

دیکھا آخر کو نہ پھوڑے کی طرح پھوٹ بہے
ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو

ذوق بازیٔ گہ طفلاں ہے سراسر یہ زمیں
ساتھ لڑکوں کے پڑا کھیلنا گویا ہم کو

دوزخ میں بھی پڑیں تو نہ سیدھے ہوں کج سرشت
آتش میں پیچ و خم ہیں سن کے رسن کے ساتھ

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
اُن کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

رہے جوں شیشۂ ساعت وہ مکدر دونوں
کبھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے

نہ ستم کا کبھی شکوہ نہ کرم کی خواہش
دیکھ تو ہم بھی ہیں کیا صبر و قناعت والے

کیا تماشا ہے کہ مثل سرِ نو اپنا فروغ
جانتے اپنی حقارت کو ہیں شہرت والے

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں نازِ نزاکت والے

کھل کے گل کچھ تو بہار اپنی صبا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اک کلک آہ بس ہے شرحِ غم کے واسطے
کون نیزہ واسطے ڈھونڈھے قلم کے واسطے

ہوتا نہ اگر دل تو محبت بھی نہ ہوتی
ہوتی نہ محبت تو کچھ آفت بھی نہ ہوتی

مٹی سے مٹی اپنی جو تربت میں مل گئی
جو کچھ کہ تھی مراد محبت میں مل گئی

لحد کو چاہئے یوں پیرِ پشت خم دیکھے
سرا کو جیسے تھکا اونٹ دم بدم دیکھے

پاک رکھ اپنا دہن ذکرِ خدا پاک سے
کم نہیں تیری زباں منہ میں اژدر کے سے

مقابل اُس رخِ روشن کے شمع گر ہو جائے
صبا پہ دھول لگائے کہ پھر سحر ہو جائے

ہمارے سینہ میں وہ آہِ آتشیں ہے ذوق
جو برق دیکھے تو فی النار والسقر ہو جائے

اٹھاتا عشق میں کیسے ادل نادان جوکھوں ہے
ابھی تو مال جوکھوں ہے پھر لگے جان جوکھوں ہے

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

مقدم صدق پر ہے کذب گو ہے صدق فائق ہے
کہ پہلے صبح کاذب بان ہے پیچھے صبح صادق ہے

ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں خدا کے بندے
اِس کو یقین جانو گر ہو خدا کے بندے

لاشہ کو پھینک دیجے میرے کہ دفن کیجے
مردہ بدست زندہ جو چاہئے سو کیجے

بیقراری کا سبب ہر کام کی امید ہے
ناامیدی ہو تو پھر آرام کی امید ہے

اگر انسان قانع ہو غنی ہووے دو عالم سے
ہوا و حرص لیکن اس کی مٹی خوار کرتی ہے

چلتا ہو ذوق قید سے ہستی کی چھوٹ کے
یہ قید مار ڈالے گی دم گھوٹ گھوٹ کے

الفت کا نشہ جب کوئی مرجائے تو جائے
یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

کہتے ہیں لوگ موت تو سب کو آئے ہے
پر میرے پاس اسے بھی کوئی کھا جائے ہے

اشعارِ غالب
صفتِ انبہ

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز

خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا
شاخِ گل کا ہے گل فشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے
نکتہ ہائے خرد فزا لکھئے

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

آم کا کون مردِ میداں ہے
ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے

تاک کے جی میں رہے ارمان
آئے یہ گوئے اور یہ میدان

آم کی آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گل اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزاں ہو تب آئے اُس کی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہاں
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
کوہ کن باوجود غمگینی

جان دینے میں اس کو یکتا جان
پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دواخانۂ ازل میں مگر

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام
شیرہ کی تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرط رافت سے
باغبانوں نے باغ جنت سے

انگبیں کی بہ حکم رب الناس
بھر کے بھیجے ہیں سربمہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات
مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل
ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد پر کہاں بو باس

آم کو دیکھتا اگر اک بار
پھینک دیتا طلائے دست افشار

رونقِ کارگاہ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و ہوا

رہروِ راہ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم
نازپروردۂ بہار ہے آم

بیان مصنف

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرہِ امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

گذارش مصنف بحضور شاہ

اے شہنشاہ آسماں اورنگ
اے جہاں دار آفتاب آثار

تھا میں اک بینوائے گوشہ نشیں
تھا میں اک دردمند سینہ فگار

تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمیٔ بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچیز
روشناس ثوابت و سیار

گرچہ از روئے ننگ بے ہنری
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

کہ اگر اپنے کو میں کہوں خاکی
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
بادشہ کا غلام کارگزار

خانہ زاد اور مرید اور مداح
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
مدعائے ضروری الاظہار

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں — ذوق آرائش سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر — تا نہ دے باد زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش — جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال — کچھ بنایا نہیں ہے اب کے بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ — بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انساں — دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی — وَقِنَا رَبَّنَا عذابَ النّار
میری تنخواہ جو مقرر ہے — اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بسکہ لیتا ہوں ہر مہینہ قرض — اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آج مجھ سا نہیں زمانے میں — شاعر نغز گوے خوش گفتار
رزم کی داستان گر سنیے — ہے زباں میری تیغ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجے — ہے قلم میری ابر گوہر بار
ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد — قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا — آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ — تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام — شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آفتاب

صبح دم دروازۂ خاور کھلا — مہرِ عالم تاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف میں — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو — موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر — اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب ردِّ سحر — بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا
لا کے ساقی نے صبوحی کے لئے — رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا

سبزہ

پھر اس انداز سے سحر آئی — کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک — اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر — روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی — بن گیا روئے آب پر کائی
سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے — چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر — بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

اپنے ایک عزیز کے مرنے کا بیان

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور — تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا — ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں — مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے — کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیّر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گذری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گذارا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادے جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کئے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا
ہے رگِ ابرِ گہربار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

جبکہ اپنے میں سمائیں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے گا تابِ گرانباریٔ گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

اشعار متفرق

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی دردِ بے دوا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

دوست غمخواری میں میری سعی فرماویں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرماویں گے کیا

حضرتِ ناصح گر آویں دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاویں گے کیا

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لاویں گے کیا

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جاویں گے کیا

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبراویں گے کیا

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھاویں گے کیا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ بیاں تیرا غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
روبرو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہوجاگا

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما
کام گر رک گیا روا نہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے
اُس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

فکر دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا
وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو بیمار دار
کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب

جو مئی و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
سمجھا ہوں دل پذیر متاع ہنر کو میں
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
کوئی ہمسایا نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا — ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے — کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو — آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے — بے نیازی تری عادت ہی سہی
یار سے چھیڑ چلی جائے اسد — گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کوئی امید بر نہیں آتی — کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے — نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی
جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں — ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں — میری آواز گر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی — موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا — اور درویش کی صدا کیا ہے
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب — مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے
پھر کھلا ہے در عدالت ناز — گرم بازار فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب
اشکباری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اس کی روبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

پر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگِ پیری ہے جوانی میری

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے

سچ کہتے ہو خودبین و خودآرا ہوں نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہے بتِ آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

گو ہاتھ میں جنبش نہیں ہاتھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

بیگانگی خلق سے بے دل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

گرچہ ہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو — ق — اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی — ق — مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے

تین دن مسہل سے پہلے تین ان مسہل کے بعد		تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے
آتشبازی ہے جیسے شغل اطفال	ق	ہے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی		لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال
ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لئے	ق	وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لئے
یعنے ہر بار صورت کاغذ باد		ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لئے
مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل		سن سن کے اسے سخنوران کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش		گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل
ہم غمزدہ جس دن سے گرفتار بلا ہیں		کپڑوں میں جوئیں بخیے کے ٹانکوں سے سوا ہیں
درم و دام اپنے پاس کہاں		چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

اشعار مومن

قصیدہ در حمد خدا تعالیٰ

ہر جا ہے ترا جلوہ لیکن	دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا
یہاں عقل ہے گم کر بس تجھی کو	پایا ہر شے میں پر نہ پایا
اللہ رے تیری بے نیازی	یعقوب کو مدتوں رلایا
یوسف سے عزیز کو کئی سال	زنداں عزیز میں پھنسایا
یہاں شعلہ کو سرکشی کی کیا تاب	ابلیس کو خاک میں ملایا
تو واحد بے نظیر ہے تھا	تو حاکم و خالق ہر آیا
تجھ کو بھی نہ کہہ سکیں ہیں امثل	یہاں تک نقش دوئی مٹایا
یعنی وہ فنا ازل سے ہے اور	اس ذات کو کب زوال آیا
آوے تری حمد کا تو ہے علم	یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا

کام آئی نہ شوخی خموشی
دل کی تپشوں نے جب ستایا

کیا صعب گذار ہے رہِ حمد
جبریل کا پاؤں لڑکھڑایا

چکر میں ہے عقلِ عرشِ اعظم
اُس نے بھی تجھے مگر نہ پایا

مومن ہے زبانِ عرضِ احوال
میں نے تجھے بے خبر و جتایا

رو رو کے دعا کر ایک ذرا دیکھ
کیا ابرِ کرم ہے سر پہ چھایا

مجھ کو بھی بچا لے جیسے تو نے
یوسف کو گناہ سے بچایا

مومن کہے کس سے حال آخر
ہے کون سوا ترے خدایا

اپنی بربادی

یاد ایامِ عشرتِ فانی
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

جائیں وحشت میں سوئے صحرا کیوں
کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

ایسی وحشت سرا میں آئے کون
بے دری کر رہی ہے دربانی

نکتہ سنجوں سے جی میں ہے پوچھوں
کہ میں شہری ہوں یا بیابانی

کیا ہوئی وہ بلندیِ دیوار
کیا ہوئے وہ عماد طولانی

اٹ گئے حوض و نہر غیر از چشم
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی

نہ ملا کچھ نشانِ آبِ روان
خاک سارے جہان میں چھانی

سقف رنگین و زرنگار کہاں
جز سپہر و نجوم نورانی

شورِ زاغ و زغن ہے سمع خراش
اب کہاں بلبل و غزل خوانی

صرف دلقِ گدا ہوئے پردے
زینت افزائے کاخِ سلطانی

آپ کا شانہ فرشِ خاک ہوا
کیسے قالیچہ ہائے کاشانی

یا ظروف و سماط سے مجھے تھا
دعویِ قیصری و خاقانی

یا نہیں ہے مرقع و کشکول
تا کروں تازہ رسمِ ساسانی

بالشِ سنگ و خواب وا ویلا!
بارِ خاطر ہوئی گراں جانی

یا یہاں پرنیان و اطلس سے
جلوہ گر تھی سپہر سامانی

یا یہ احوال ہے کہ چاک ہوا
تنگیوں سے لباسِ عریانی

اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور
میں نے کیا تہ کی بات پہچانی

ترکیب بند مرثیہ معشوق

دل کی طرح سے یہ بھی چلی جاں کو کیا ہوا
دم میں نہیں دم مرے جاناں کو کیا ہوا

سر پیٹتا ہے شانہ پڑا دونوں ہاتھ سے
کیا جانے اُس کی زلفِ پریشاں کو کیا ہوا

پیتی ہے اپنا خون دل افسوس سے حنا
اُس دستِ رشکِ پنجۂ مرجاں کو کیا ہوا

شبنم کو پھر ہے جانبِ خورشید التفات
شرمندہ سازِ مہرِ درخشاں کو کیا ہوا

دل میں شکن ہے زلفِ مسلسل کدھر گئی
برہم ہے حال کاکلِ پیچاں کو کیا ہوا

لذت فزا نہیں الم اُس لب پہ کیا بنی
کچھ زخم بے مزہ ہیں نمکداں کو کیا ہوا

بوئے قبائے یوسفِ گل ہے نسیم میں
اُس کے شمیمِ عطرِ گریباں کو کیا ہوا

گردش پہ اپنے ناز ہے پھر روزگار کو
اُس چشمِ رشکِ فتنۂ دوراں کو کیا ہوا

دعوا ہے شوخیوں کا غزالانِ دشت کو
اُس خوش نظر کی جنبشِ مژگاں کو کیا ہوا

کتاں ہے سینہ چاک رخِ ماہ دیکھ کر
اس روئے غیرتِ مہِ تاباں کو کیا ہوا

غیب و حجاب شمعِ رخشانِ جہاں گیا
وہ مہرِ آسمانِ نکوئی کہاں گیا

یہ گلستاں سرائے تماشا نہیں رہا
وہ نو بہارِ گلشنِ دنیا نہیں رہا

افسوس کوئی پردہ نشیں پردہ در نہیں
وہ حسن جس سے عشق ہو رسوا نہیں رہا

حیف اپنی تلخ کامی و شوریدہ طالعی
جس سے کہ زندگی کا مزا تھا نہیں رہا

اے چرخ جا ہنسے سے رہے مہر و ماہ کو
کیا جا ہیں روزگار تمنا نہیں رہا

اپنی خدائیوں کو کہاں جا کے روئیے
وہ شمع روئے انجمن آرا نہیں رہا

دل میں جگہ نہ ہونے کا کس سے گلہ کروں
وہ قدر دان شکوۂ بے جا نہیں رہا

کس کو گلے لگائیے اے شوق ہم کنار
وہ خوش گلوئے سینہ مصفا نہیں رہا

کس سے نباہیئے کہ سوائے وفات کے
دنیا میں ہائے نام وفا کا نہیں رہا

اب کس کو دیکھیئے کہ کسی کو نہ دیکھیے
وہ پردہ سوز چشم تماشا نہیں رہا

اس نور چشم حسن کو کیونکر نہ روئیے
آنکھوں میں رہوے اب کوئی ایسا نہیں رہا

ہر دم جبین آئینہ آلودہ نم سے تھی
یہ آب و تاب حسن اُسی مہ کے دم سے تھی

کیا ماجرا لکھوں ہیں کہ تابِ رقم نہیں
ہیں نالہ ہائے صور صریرِ قلم نہیں

اٹھی ہے نعش خوش قدِ محشر خرام کی
یہ حادثہ نزولِ قیامت سے کم نہیں

ایسا گیا کہ یہاں تلک آنا محال ہے
کہتے تھے ہم کہ اُس کی طبیعت میں رم نہیں

جا کر رہیں گے عرش پہ اربابِ تعزیہ
اس حرف میں سمائے یہ ایسا الم نہیں

وحشت مری نگاہ سے ہو کیوں نہ جلوہ گر
آتا نظر وہ سلسلۂ خم بخم نہیں

پہنچا دیا ہے بے خودیوں نے قریبِ مرگ
اے چارہ گر اب آپ میں آئے تو ہم نہیں

یہ زندگانی اہلِ ہوس کو نصیب ہو
میں ناتواں سزائے جفا و ستم نہیں

بیداد دیکھ تا نہی ترکِ فلک نہ پوچھ
کوئی نہیں جہاں میں کہ پامالِ غم نہیں

اہلِ زمانہ دیدۂ بادام کی طرح
وہ آنکھ پھوڑ ڈالتے ہیں جس میں نم نہیں

افسوس کیوں وہ جانِ جہاں جائے ہاتھ سے
دیتا تھا غسل خضر کو آبِ حیات سے

کھو دی خزاں نے رونقِ گلزار ہائے ہائے
پژمردہ ہو گئے گلِ رخسار ہائے ہائے

پھرتے تھے جو پردہ نشیں گھر میں بے حجاب
نعش اُس کی جا ہے سرِ بازار ہائے ہائے

سرو فتادہ قامتِ محشر خرام ہے
کیا ہو گئی وہ شوخیِ رفتار ہائے ہائے

ہم خواب مہ جبیں کے مری آنکھ مند گئی
کیا سو گئے ہیں طالعِ بیدار ہائے ہائے

وہ شمع مہر پرتوِ سر جلوہ سمجھ گئے
دن رات ہو فروغِ شبِ تار ہائے ہائے

ہے کچھ خبر بھی گھر مرا ویران ہو گیا
سر پھوڑ دو اپنا اے در و دیوار ہائے ہائے

اب پوچھے مجھ سے عاشقِ بے کس کی بات کون
اس میں نہیں ہے طاقتِ گفتار ہائے ہائے

روتا ہوں جان کو ملک الموت کی ذرا
کچھ ہے ساتھ تو بھی تو غمخوار ہائے ہائے

اے چرخ یارکش تجھے پاسِ وفا نہیں
ہیں اور رنج و محنت و آزار ہائے ہائے

نظارہ ہے محرکِ ماتم ہزار حیف
ابرو ہوا ہلالِ محرم ہزار حیف

مدفن بنے زمینِ چمن وا مصیبتا
معدوم ہو وہ غنچہ دہن وا مصیبتا

جس نازنیں صنم پہ گراں تھا حریرِ چیں
اُس کا غلافِ کعبہ کفن وا مصیبتا

دے منکر و نکیر کو ناچار وہ جواب
جو حور سے کرے نہ سخن وا مصیبتا

جس کو شکستنِ دلِ عاشق عذاب ہو
وہ اور جاں کنی کے محن وا مصیبتا

جو عرضِ مہر تازہ مہ سے ہوں سرنگوں
اُس پر جفائے چرخِ کہن وا مصیبتا

تشبیہ آئینہ سے جو ہوتا تھا آب آب
مل جائے خاک میں وہ بدن وا مصیبتا

دیتے تھے حور وش بھی جسے آرامِ دل و جان
اُس کا غمِ ہلاک شدن وا مصیبتا

چھو مر دم سے ٹوٹتے تھے جس کے ہاتھ پاؤں
وہ زیرِ بارِ تابِ شکن وا مصیبتا

پھولوں کو جس کی بو نے ملایا تھا خاک میں
ہے اُس کی خاک وقفِ چمن وا مصیبتا

وہ خانہ باغِ عیش محل جس کا نام تھا
کہتے ہیں اُس کو بیتِ حزن وا مصیبتا

کیا اعتبار دہر کا عبرت کی جا ہے یہ
عشرت سرا کبھی کبھی ماتم سرا ہے یہ

تاریخ شاہ عبدالعزیز

انتخاب النسخہ دیں مولوی عبدالعزیز
بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل

جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے
آ گیا تھا کیا کہیں دو دل کے ایماں میں خلل

ہے ستم ای چرخ تو کس کو یہاں سے لے گیا
کیا کیا یہ ظلم تو نے بے کسوں پر ای اجل

جب اٹھائی نعش اک عالم تہ و بالا ہوا
لوٹتا تھا خاک پر ہر قدسی گردوں محل

کیا کسی نا کس پہ تھا صدمہ کیا جس وقت دفن
ڈالتا تھا خاک سر پر ہر عزیز و مبتذل

مجلس دردآفریں تعزیت میں میں بھی تھا
جب پڑھی تاریخ مومن نے یہ اگر بے بدل

دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے
فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

والی رام پور کی تخت نشینی

رام پور اک زمان ممتد سے
تیرے مقدم کا تھا تمنائی

جب پذیرا ہوئی دعا کے بار
اے سراپا قبول والائی

یعنی اس ملک کے نصیب کھلے
تیر قدموں پہ کی جبیں سائی

تیرے خدام کے نصیب ہوئے
حکمرانی و کار فرمائی

تجکو شائستہ کرسی عزت
تجکو زیبا سریر آرائی

میں ہوا گرم فکر سال جلوس
ناگہاں غیب سے صدا آئی

کہ محمد سعید خاں کو ملے
ورثۂ صدر کام آبائی

تاریخ صحت

گیا رنج نواب جعفر علی خاں
مبارک سلامت سلامت مبارک

ہوئے محو اب سستی و ناتوانی
رجوع قوا عود طاقت مبارک

معالج ہوا فکر درماں سے فارغ — مجھے فکر تاریخ صحت مبارک

حساب اس سخن کا تو کر لیں جو لب نے — کہا اعتدال طبیعت مبارک

اشعار متفرق

غضب ہے تیرے ڈرتا ہوں جفا کی ہے خواہش — نہیں ہے ہزار دوزخ سے نہیں میں مشتاق جنت کا

اے چارہ گرو قابل درماں نہیں یہ درد — ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہر وقت ہی دشنام ہر اک بات میں طعنہ — پھر اس پہ بھی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو — سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک — ہر ایک کو دعوا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بہت نازاں ہو تو اپنی قید وحشت پر دکھاؤ — کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالب زر ہم — تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر — مومن نے اس زمیں کو مسجد بنا دیا

مو سفید ہی کے قریب اور ہے غفلت مومن — نیند آتی ہے بآرام دگر آخر شب

غربت میں گل کھلائے ہے کیا کیا وطن کی یاد — جیسے قفس میں مرغ چمن کو چمن کی یاد

خدا کو مان اپنی راہ لے کعبہ کو جا مومن — صنم خانہ میں کیا لیو گا ہے گم گشتہ رہ کر

بالطبع گر کرم ہے تو مفلس بھی ہے کریم — ہوتا کہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض

کیونکر نہ غم ہو خلق کو مومن کی مرگ کا — تھا سب کو اس کی ذات سراپا ہنر سے فیض

سب سے ہمی نفس کی ہیں اعضا گدازیاں — دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زبان شمع

مومن یہ شاعروں کا ہے آگے رنگ ہے — جوں پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ

جو پہلے دن سے ہی دل کا کہا نہ کرتے ہم — تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم

کبھی ہے چھیڑنے کو مے گر سب ہوں مرے بس میں — نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں

نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغانِ آسماں رس میں

نہیں ایمان نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اثر کس کو ہو ہووے بھی گر فریاد کس میں

در بتخانہ و عشق بتاں اور آپ اے مومن
یہ حسرت آگئی یکبار کیا طبع مقدس میں

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں میں ہی گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامت اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ کہتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

دل بستگی سہی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ

کب تک نباہیے بت ناآشنا کے ساتھ
کیجے وفا کہاں تلک اس بے وفا کے ساتھ

یاد ہوائے یار نے کیا کیا نہ گل کھلائے
آئی چمن سے نکہت گل جب صبا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خوابِ عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آوازِ پا کے ساتھ

اللہ رے سوزِ آتشِ غم بعدِ مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہلِ عزا کے ساتھ

آتے ہی تیرے چلدئے سب ورنہ یاس کا
ہیں کہنے سے ہی خوش ہوں کہ ساتھ تو کہتے ہیں
کیسا ہجوم تھا دلِ حسرت فزا کے ساتھ
اُس فتنہ گر کو لاگ ہے اس مبتلا کے ساتھ

مومن وہی غزل پڑھو سب جس سے دم بدم
آتی تھی لب پہ جان زبسے وجد کے ساتھ

عمر تو ساری کٹی عشق بتاں میں مومن
آؤ مومن تمھیں بھی دکھلا دوں
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے
سیر بتخانہ میں خدائی کی

اشعار میر انیس

اولاد

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر

صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی روح یہی روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
وہ گل ہے کہ گھر رشکِ گلستاں ہے اسی سے
آبادی کاشانۂ انساں ہے اسی سے

کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پُرنور مکاں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ دُر ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے

کھوتے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

دولت یہی شوکت یہی اجلال یہی ہے
ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے

سرمایہ یہی نقد یہی مال یہی ہے
گوہر یہی یاقوت یہی لعل یہی ہے

دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہی پسر سے
تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہی پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہی پسر سے
ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہی پسر سے

آرام جگر قوت دل راحت جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہی کہ فرزند جواں ہے

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہی جس سے
وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہی جس سے
وہ لعل ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے
وہ دُر ہے یہ دُر جان لڑی رہتی ہی جس سے

آرام جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
پھرتا ہی جدا رشتۂ جاں ساتھ ہی اُس کے

مالک سے بھرے گھر کے اُجڑ جانے کو پوچھو
گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو

اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا
بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

یا رب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو
دنیا میں بے چراغ کوئی خانماں نہ ہو
ماں باپ سے جدا پسر نوجواں نہ ہو
چھٹ جائیں سب پہ فرقت آرام جاں نہ ہو

گر لاعلاج ہے تو کلیجے کا داغ ہے
بدتر وہ قبر سے ہی جو گھر بے چراغ ہے

دشمن کو بھی جہاں میں فراق پسر نہ ہو
ویراں کسی غریب کا آباد گھر نہ ہو
ہوں سب طرح کے درد پہ درد جگر نہ ہو
یا رب کسی کو صدمۂ نور نظر نہ ہو

مٹی ہے سلطنت جو ملے کائنات کی
بیٹا نہ ہو تو خاک ہے لذت حیات کی

یعقوب سے جو یوسف عالی گہر چھٹا
راحت چھٹی الم میں ضعیفی میں گھر چھٹا
گیارہ پسر تو رہ گئے اک سیمبر چھٹا
چلاتے تھے کہ ہائے پدر سے پسر چھٹا

مجروح تھا جو دل تو کلیجہ فگار تھا
راحت نہ رات کو تھی نہ دن کو قرار تھا

فرزند گرچہ کچھ نہیں آتا کسی کے کام
لیکن یہ وہ نگیں ہے کہ رہتا ہے جس سے نام
اس سے پدر کو رنج پہنچتے ہیں صبح و شام
دم بھر پسر جدا ہو تو ہے زندگی حرام

دشمن کو بھی نہ اپنی کمائی سے یاس ہو
عسرت رہے یہ دولت اولاد پاس ہو

صبح

پھاڑا جو گریبان شب آفت کی سحر نے
پیمانہ خورشید لگا نور سے بھرنے
پردے میں چھپایا رخ روشن کو قمر نے
گردوں سے سفر فوج کواکب لگے کرنے
تاباں جو رخ نیر افلاک ہوا تھا
ذروں سے زر افشاں ورق خاک ہوا تھا

اظہار ہوئی خط شعاع کی جو تنویر
خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر
روئے شب بلدا سے سیاہی جو ہوئی تغییر
والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلک پیر
پھیلا ہوا تھا نور سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلق خدا یاد خدا میں

چمکا صفت شعلہ جو وہ مہر جہاں تاب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگ رخ مہتاب
شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئے بے آب
اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوز جگری کی
پروانوں سے رخصت تھی چراغ سحری کی

وہ سرد ہوا صبح کی اور نور کا عالم
اور زمزمے مرغان خوش الحان وہ باہم

وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم
پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگِ آفتاب کا
چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
وہ صبحِ نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیمِ بادِ سحر کا وہ بار بار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوا سرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
ٹھنڈی ہوا سبزۂ صحرا کی وہ لہک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
قربانِ صنعتِ قلمِ آفریدگار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار

اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم
گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئی طاعت گزارِ صبح
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا
دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوانِ طیور
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے
شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی جھلک
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے
تھی ہر ورق پہ صنعتِ ترصیعِ آشکار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار

عالم تھا محو قدرتِ ربِّ عباد پر
مینا کیا تھا وادیٔ مینو سواد پر
وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا
درّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جابجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کو کو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربّنا کی صدا تھی علی العموم
جاری تھی وہ جو اُن کی عبادت کی تھی رسوم

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح
چونٹے بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتے تھے بار بار
اے دانہ کشِ ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار
تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیلِ کردگار
طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

مناجات

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

غوّاصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ہر ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی

سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوگی جنھیں شستہ ہی بنی ہی

بھر دے دُرِ مقصود سے اِس دُرجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر انداز تکلم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسنِ بیاں کو
تحسیں کا سموات سے غُل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور وہ چلیں جام
جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایّام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
جنت کی یہ موج آگئی ہو خلدِ بریں سے

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار
مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
عالم کو دکھا دے یہ برشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی
لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی

ہردم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

اشعار متفرقات

ر
پیری آئی عذار بے نور ہوئے
یاران شباب پاس سے دور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس
جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

ر
اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
نادان تجھے فکر آب و دانہ کی ہے
ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فنا
آنا تری دلیل جانے کی ہے

ر
وہ ہے آدمی جس سے ہو کار خیر
بشر وہ جو دنیا میں بے شر رہے
نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیس
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

ر
کس بات میں کید کس میں تدبیر نہیں
جز حرفِ غلط زباں پہ تقریر نہیں
اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج
مسطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

ر
رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

ر
دو دن کی حیات پر عبث غرہ ہے
خورشید نہ بن خاک کا تو ذرہ ہے
ہر وقت نہالِ زندگانی کے لئے
یہ آمد و شد نفس کی بھی ارّہ ہے

ر
کب دزد سے دولتِ ہنر بچتی ہے
لے بھاگتے ہیں جب کہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دزدانِ فضا میں سے نجات
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

زمانہ ایک طرح پر کبھی نہیں رہتا
اسی کو اہل جہاں انقلاب سمجھے ہیں
یہ اشک تاک ہے کہتے ہیں جس کو آب طرب
یہ خون گل ہے جسے سب گلاب سمجھے ہیں
شباب کھو کے بھی غفلت وہی ہے پیروں کو
سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب سمجھے ہیں
اطلس و مخمل و دیبا سے کیا فقیروں کو
اسی زمیں کو ہم فرش خواب سمجھے ہیں

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے
کنج عزلت میں مثالِ آسیا ہوں گوشہ گیر
رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لئے
نام روشن کرکے کیونکر بجھ نہ جاتا مثلِ شمع
ناموافق تھی زمانے کی ہوا میرے لئے
ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا
خاک تو ہو جا تو حاصل ہو جلا میرے لئے

ر

آدم کو عجب خدا نے رتبا بخشا
ادنیٰ کے لئے مقامِ اعلیٰ بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان
اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

جو سخی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ
اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں
جو مقدر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے
ہم ہیں صابر کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں
زور سے اس کے لیا ہے ہم نے میدانِ سخن
اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں
یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں
نقدِ جاں تک دے کے ہم جاتے ہیں یہاں سے وقتِ کوچ
عاریت جو شے ہو اس کو پاس ہم رکھتے نہیں
ایک کشکول تو کلا ایک نقدِ جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

ر

کچھ عقل کی میزان میں تولا نہ گیا
چپ ہو گئے اس طرح کہ بولا نہ گیا
عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس
یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا

ر

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

ر

یہ عمر یوں ہی تمام ہو جائے گی
مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی
روتے ہو انیس کیا جوانی کے لئے
پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

جب اٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے
پھر ہو گئی جدا نہ سرگرانی سر سے
کچھ ہو گا ہاتھ پاؤں تھامے سے انیس
جس وقت گذر جائے گا پانی سر سے

ر

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سال گرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یہاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

ر

دنیا جسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے
پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
مابین زمین و آسماں یوں ہم ہیں
جیسے دو آسیا میں ایک دانہ ہے

ر

گلشن میں پھروں کہ سبزۂ صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

ر

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری
ممکن نہیں بندے سے عبادت تیری
خلق و کرم و عطا ہے عادت تیری
صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے
دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا
نہ جانے برق کی چمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے
نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے
جو عدم سے آ گیا دنیا میں لے لی ہنس کے موت
اور لو دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے

مشک ختن نظم کہاں بند کروں
مہکے گا یہ آپ اس کو جہاں بند کروں
ہیں نافہ کشائے سخن اس بزم کے لوگ
دل ان کے کھلیں گے جو زباں بند کروں

مضمون انیس کا نہ چہرا اترا
اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی
تصویر نہ کھنچ سکی تو چہرا اترا

گھٹا زور مشق سخن بڑھ گئی
سبک ہو چلے تھے ترازوئے شعر
لگا رہا ہوں مضامین نو کا پھر انبار
بھلا ترازو بے جا ہے اس میں کیا حاصل
مزا یہ طرفہ ہے مضموں تو دستیاب نہیں
غلط یہ لفظ وہ بندش ہے سست مضموں سست

ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
مگر ہم نے پلہ گراں کر دیا
خبر کر دو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
اٹھا چکے ہیں مینڈ اجن زمینوں کو
مقابلہ پہ چڑھاتے ہیں آستینوں کو
ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو

اشعار مرزا دبیر

صبح

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہوگیا
گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہوگیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خانہ میں
کھولے ہوا میں طائر زریں نے بال و پر
دانے ستاروں کے جو پڑے تھے ادھر ادھر
پھر سیمان چشمہ و مہتاب ہو گیا

پھر مشک شب جہان سے کافور ہوگیا
باطل رسالۂ شب دیجور ہوگیا
مضموں تھا آفتاب کا زر کے نامہ میں
بیٹھا وہ آکے چرخ چہارم کے بام پر
منقار زر میں چن لئے اس نے وہ سربسر
چشمہ تو خشک اور وہ سیراب ہوگیا

تلوار

پھل وزن میں تھا پھول تجلی میں نخل طور
آسیب سایہ چال پری قبضہ چشم حور
یوں فتنہ زمیں سے گئی آسمان پر
آتے تھے جوڑ توڑ عجب تیغ تیز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اس شعلہ ریز کو
بو گل نے رنگ لالہ نے سرعت ہوا نے دی

گرمی میں محض نار تو نرمی میں صاف نور
خود نہر آب زہر تڑپ قہر شور صدر
جس طرح غصہ آئے کسی ناتوان پہ
سر سے گری جدا کیا پائے گریز کو
برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
یہ ہدیہ کیا ہے اپنی نیابت قضا نے دی

رباعیات

ادنیٰ سے جو سر جھکائے اعلیٰ وہ ہے
کیا خوب دلیل ہے یہ خوبی کی دبیر
میزان سخن سنج میں تلتا ہوں میں
دل رہتا ہے بند قفل میں ابجد کی طرح
گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا

ر

جو خلق سے بہرہ ور ہے دریا وہ ہے
سمجھے جو برا آپ کو اچھا وہ ہے
فکر نظم میں گھلتا ہوں میں
جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

اشعار ناسخ

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہوگیا
کیوں نہ عیب زادگان طبع ہو نقصان طبع
جس طرح معدوم ہوگئے ہیں ستارے صبح دم
سوئے مسکن ہم چلے جاتے ہیں مسکن چھوڑ کر
نفع فیاضی سے کم ظرفوں کو کیا مثل چراغ
مس کے زر ہونے سے بہتر ہے کمال انساں
سنگ ہیں گلشن ایجاد میں بد ہیں بہت
کسی بلا میں نہیں چھوٹتے جو ہیں ہم جنس
ایک کا ہو دشمن جانی نہ کیوں نکر دوسرا
کسی کو صبح دم ہوتی نہیں شب کی سی آسائش
خانہ بربادی میں کبھی اپنی ہے آسائش وہی
ہے مکاں گور تنگ سونے کا
آنکھیں ہی بلا لاتی ہیں انساں پہ اکثر

آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہوگیا
یعنی ہے والد کو لازم کہ ہو عیب اولاد کا
عہد پیری میں مرا خالی خزینا ہوگیا
ساتھ اپنے ہی تمام اپنا سفر ہو جائے گا
گھر تو روشن کردیا پر خود سیہ رو ہوگیا
خاکساری ہے جدا اور ہے اکسیر جدا
خار پھولوں سے کہیں ہوتے ہیں افزوں پیدا
کہ چوب مار کے ہوتا نہیں ہے آب جدا
عرصۂ امکاں نہیں میدان ہے یہ جنگ کا
مجھے پیری میں یاد آئے نہ کیوں عالم جوانی کا
پیٹھ بستر ہوگئی ہے ہاتھ بالیں ہوگیا
کیا کروں گا پلنگ سونے کا
اندھے ہی یہاں اچھے ہیں بینا نہیں اچھا

کوئی مضمون ہوتا ہی طبیعت سے اگر پیدا
یہ ہوتی ہے خوشی مجھ کو ہوا گویا پسر پیدا

کوئی دم فرصت جسے ملجائے سمجھے مغتنم
رہ گیا بس جیسے رکھا کام کل پر آج کا

ناتوانی ہوئی دن رات کے غم کھانے سے
جس قدر بھوک بڑھی اور مرا زور گھٹا

رات دن غافل بدوں سے بھی کیا کر نیکیاں
کیا برا ہے اس میں کچھ تیرا بھلا ہو جائے گا

مثل سیخ ہی چھو جائے گا وہ یاد رہے گا دلا
بخت بیدار آشنا ہے دیدۂ بیدار کا

گدائی کوچہ کیا درویش صحرا گرد کی آگے
کوئی کتا کبھی وحشت سے آہو ہو نہیں سکتا

کرے استفادہ اُس کو استعداد لازم ہے
کہ برگ شاخ گلبن گل سے خوشبو ہو نہیں سکتا

خیریت چاہے تو سیدھی چال چل اے مال مست
گرتے ہیں نشے میں چلتے ہیں اگر میخوار کج

ہیں کجی میں مردم کج طبع بھی کتے کی دم
راست ان کو کیجیے سو بار ہوں سو بار کج

ظاہر و باطن ہیں یاں یوں ہی کجی و راستی
راست ہے اندر سے گھر باہر سے ہے دیوار کج

ظاہر اگردش گردوں ہے ہنڈولے کی طرح
پست دو چار زمانے میں ہیں دو چار بلند

یوں لفافے میں ہمارا ہے کلام شیریں
جس طرح باندھتے ہیں قند کے اوپر کاغذ

گرچہ ہے نظم مگر نثر کا ہوتا ہے گماں
یہ غزل ڈال ہے ناسخ کی پریشانی پر

تا روز حشر چاہ کے نکلتا نہیں کوئی
دنیا میں بس پسند ہے مجھ کو مکان گور

کھانے پکا پکا کے دلاتے ہیں فاتحہ
مردہ غذا اسے مور ہوا درمیان گور

مردوں کے نام سے بھی کوئی آشنا نہیں
کیا فائدہ رہا جو ہمیشہ نشان گور

زر کے پیچھے طالب رہوتے ہیں کیا ہلاک
فائدہ کیا نقد جاں دے کر جو کوئی پائے زر

دل ہو چنیت تو کہاں ہوش و خرد صبر و قرار
فوج کیا ٹھہرے بھلا جب کرے سردار گریز

فاقہ مستی سے ہمیں بھی ہے بھلا ہوش کہاں
ہیں اگر تشنۂ دولت سے تونگر بے ہوش

کیا میسر زر سرخ سے ہوتے ہیں بشر
کبھی کرتی نہیں ایسا مئ احمر بے ہوش

مرنے سے پہلے جو مرنا ہو تو سن لے تدبیر
بیٹھ رہ چپکے کسی کو نہیں ہو کر بے ہوش

دلا ہے بھیک بیگانوں سے بہتر
نہ مانگے آشنا سے آشنا قرض

نہیں غم نقد جاں گو ہاتھ سے جائے
نہ میں عطار سے لوں گا دوا قرض

مرے گھر سے چلا محروم جب چور
کہا میں نے رہا مجھ پہ ترا قرض

دولت تقدیر کو تدبیر کی حاجت نہیں
معدن زر ہے جہاں اکسیر کی حاجت نہیں

خلق کرتا کرے نہ کوئی خلش
یہ وہ گل ہے کہ جس میں خار نہیں

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو
مہرباں بات ہے نبات نہیں

ترک دنیا میں سوچ کیا ناسخ
کچھ بڑی ایسی کائنات نہیں

یہ سگ دنیا ہیں کس امید پہ مردوں کے گرد
قبر بھی ڈھونڈو تو کوئی استخواں ملتا نہیں

پیر جیتے ہیں جواں مرتے ہیں
آپ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں

لوگ دنیا سے جو دن رات سفر کرتے ہیں
کوچ کی بے خبروں کو یہ خبر کرتے ہیں

یہ نوچے کھاتے ہیں زندوں کو کانپور کے ٹھگ
کہ جیسے کھاتے ہیں مردوں کو زاغ گنگا میں

آپ اپنے عیب سے واقف نہیں ہے تا کوئی
جیسے بو اپنے دہن کی آتی ہے کم ناک میں

طعنہ زن زاہد بے دیں ہے عبث ناسخ پر
کون بندہ ہے خدا کا جو گنہگار نہیں

نہیں حساب ہے جس طرح اس کی رحمت کا
یونہیں ہمارے گناہوں کا بھی شمار نہیں

اس درجہ ہم نے آدمیوں سے اٹھائے رنج
اب زندگی کریں گے بسر چار پاؤں میں

طفل یہ رو رو کے کہتے ہیں یہاں چال سے
جو عدم میں تھیں تھا ارماں یاں وہ میں نہیں

درفشاں ہونٹھ ہیں تقریر اسے کہتے ہیں
زر فشاں کلک ہے تحریر اسے کہتے ہیں

قصۂ شکر و شکایت بس نہیں تک ہے دلا
ایک دن مل جائیں گے سب دوست و دشمن خاک میں

تعجب کیا کوئی ادنیٰ اگر غالب ہو اعلیٰ پہ
پیادے بھی شہ شطرنج کا گھر بند کرتے ہیں

حاسد کو ایک دم نہیں صحت جہان میں
رنج حسد ہی جان ہے جب تک کہ جان میں

نہ ہوگی گرم صحبت سرکشوں سے خاکساروں کی
سلامت رہ نہیں سکتی ہے دم بھر آگ پانی میں

کب ہوا ہے ساکنِ مسکن میں ایسا ارتباط
اوج پر جو لوگ ہیں ہے تا ہے جلد اُن کو زوال
یہ عرض ناسخ مضطر ہے پیش عالمِ غیب
واعظوں سے ملتے ہیں ہم رند مشربا اس طرح
جس طرح بعد سفیدی کے ہوں بال سیاہ
جس طرح ہاتھ سیاہ ہے ہم و دنیا سے ہوں
اس خرابہ میں نہیں ہے کوئی دو دن خالی
دولت بجز فساد کسی کو ملی نہیں
نقصان کوئی نفع سے خالی نہیں دلا
اول و آخر ہے یکساں ہیچ کا کیا اعتبا
اہل زر کا ہے وہی رتبہ نگاہ فقر میں
دیکھ کر قبروں کو ہے دل کو پیچ اپنا یاد کر
ہوا آزردہ خاطر اس قدر جو اُس کی سنتے ہیں
ایک نفع سے ہے ایک کو نقصان یہاں
مرے بوڑھا تو نہ خوش ہو کہ ہے عبرت کا مقام
کریں بے خطر کیوں نہ بندے خطائیں
کی عشرت سے کوئی جام جو بھر لیتا ہے
غیر کا کچھ نہ چلے گر نہ ہو دشمن اپنا
دل سیہ ہے بال سب پیدا ہیں پیری میں سفید
اصل میں سب متحد ہیں فرع کا کیا اعتبار
چپ کیوں لگی رہے نہ بھلا مجھ کو رات دن

میں نہ جاؤں تو مرے پاس آپ آئے لکھنؤ
ساتھ ہے ہوا تھوڑی سی بھی صرصر چراغ بام کو
جود غیب کی درکار ہے مدد ہم کو
جس طرح آمیختہ باہم شراب و آب ہو
ہو الٰہی نہ مرا نامۂ اعمال سیاہ
الفت زر سے یہ نہیں میں دل زردار سیاہ
آج معمور جو ہیں ہوں گے وہ گھر کل خالی
دیکھو کہ لفظ گنج بھی مقلوب جنگ ہے
گھر گردش اُس کو رہتی ہے جو کوئی لنگ ہے
ہے حقیقت ایک نظروں میں گدا و شاہ کی
مرد مفلس کی جو عزت ہے گدا کے سامنے
ست گویا سیل ہیں راہِ فنا کے سامنے
ہمارا شعر بھی کیا ہے لئیم آواز سائل ہے
جام بھر جائے جو ساقی تو ہو مینا خالی
راہ میں تھک کے جوان بیٹھ رہے ہیں پیر چلے
خدا باپ ماں سے سوا چاہتا ہے
آسماں اُس کا وہیں کاسۂ سر لیتا ہے
چوب دستی کو شجر ہی سے تبر لیتا ہے
گھر کے اندر ہے اندھیرا اور باہر چاندنی
خار و گل نکلے ہیں دونوں ایک مشت خاک سے
کیا کیا جہان سے نہ مرے ہم سخن گئے

آپ ہیں دوست تو دشمن کیا ہے
کہا نکار زر برے وقت اہل جوہر کام آتے ہیں
نہیں ممکن کہ نئی ساری غزل ہو ناسخ
جز عالم غیب کون جانے یہ راز
ہر چند ہوں پیر اور سر پہ ہے اجل
ہے رشتۂ عمر مختصر سا لیکن
دشمن سحر ہے گردن کشی مانند شمع
زندگی میں صرف کرتا ہو سبکدوشی حصول
چاہیئے تعمیر دل جو ساتھ اٹھا لے جائے گا
بات جن نازک مزاجوں سے نہ اٹھتی تھی کبھو
کیا سخن سنجی سے حاصل جب سخنداں ہی نہیں
جس جگہ ہے حسن فوراً قدرداں پیدا ہوا
سخت دل جو ہیں انہیں محروم رکھتا ہے فلک
شیر سے تا شربت مرگ ایک سی تلخی ہے یہاں
وادی ہستی میں آتے ہی عدم کی راہ لی
پاکان ازل کو نہیں پروائے مربّی
عیش ہے عاریت اس باغ میں اور رنج مدام
ساتھ زر کے پستی ہمت بھی ہوتی ہے زیاد
سب کے خالق نے بنائے کاسہ سر واژگون
جذب جنسیت بہم رہنے نہیں دیتا فراق
بیٹھ پیچھے میرے بد کہنے سے زاہد یہ ملا

خضر ہمراہ ہو رہزن کیا ہے
کوئی زردار ہوتا نہیں تلوار سونے کی
باتیں دو چار پرانی ہیں تو دو چار نئی
لکھے سو سنی پڑھے خدا سچ ہے یہ مثل
تسبیر نہیں پیٹ کے سوا فکر عمل
شیطان کی آنت ہے مرا طول امل
افسر زر شوق سے کھہ پر نہ اتنا سر اٹھا
مثل قاروں خاک میں جا کر نہ بار زر اٹھا
یوں خرابے کے لئے دیوار اٹھا یا در اٹھا
بوجھ ان سے سیکڑوں من خاک کا کیونکر اٹھا
زانوے فکرت سے ای ناسخ تو اپنا سر اٹھا
چاہ میں یوسف گرا تو کارواں پیدا ہوا
بیضۂ فولاد سے بچہ کہاں پیدا ہوا
غم لگا کھانے وہیں انساں جہاں پیدا ہوا
ساتھ اپنے توسن عمر رواں پیدا ہوا
عیسی کو ضرر کچھ نہ ہوا بے پدری کا
کیا ہوں گلبن سے بھلا گل کی روش خار جدا
ورنہ مائل سوئے اسفل کس لئے قاروں ہوا
آدمی اس پر بھی بیش آدمی سائل ہوا
کل جو بنا جسم خاکی آج گل در گل ہوا
بیٹھ پہ بار گنہ کا جمع پشتارا ہوا

چاند چھپتا ہے جو دو دن سے تو ہیں مشتاق خلق
ہو گئی قدر اس کی جو نظروں سے پنہاں ہو گیا

کوئی دم پیری بھی اپنی ہے بسان صبح دم
مثل شب عہد شباب آنکھوں سے پنہاں ہو گیا

کیا کہیں مرگ احبا میں جو ہم کو غم ہوا
گر ہوا دشمن کوئی اس کا بھی اک ماتم ہوا

خاکساروں سے ملا کرتے ہیں جھک کر سربلند
آسماں پیش زمیں بہر تواضع خم ہوا

زندگی چشم جہاں میں خوار رکھتی ہے دلا
دوش پر سر لے لیا جب آدمی بے دم ہوا

حرف سکے کے ہوں کیسے پر ادب کرتے نہیں
زر سے جو چسپیدہ دل ہے اس کا رتبہ کم ہوا

پاس سے ان یاروں کے جب تک مجھ کو گنتے ہیں بزرگ
خرد آتا ہے نظر انساں کو انسان دور کا

ترک لذت کر دلا پہنچے نہ تا مجھ کو گزند
نوش تو پیچھے ہے پہلے نیش ہے زنبور کا

دعوی باطل سے ہو جاتے ہیں اکثر نامور
شہرہ کیا بانگ انا الحق نے کیا منصور کا

غافلو نشۂ دولت سے نہ اتنا بہکو
دیکھنا کاسۂ سر کاسۂ سائل ہوگا

گرتے ہیں دانت جھڑتے ہیں یا دشمناں سے گل
فصل بہار عمر ہے موسم شباب کا

جو کہ ادنیٰ ہیں خوشامد سے وہ اعلیٰ ہوئے ہیں
مورچھل افسر پہ ہوتا ہے دم طاؤس کا

سخاوت جس کو کہتے ہیں کہانی ہے زمانے میں
بخیلوں کی بدولت رہ گیا ہے نام حاتم کا

جو ہے کلام شیخ وہ ہے قول برہمن
مطلب ہے ایک فرق ہے فقط لغات کا

جو دل ہی ٹوٹ گیا کیا ہوں شعر تر پیدا
ہوئے ہیں شاخ شکستہ سے کب ثمر پیدا

خدا کے کام کچھ آلات پر نہیں موقوف
ابو البشر ہوئے بے مادر و پدر پیدا

ہو وطن میں خاک میرے گوہر مضموں کی قدر
لعل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر

زاہدا کیونکر کروں میں ترک یہ دنیا وہ ہے
سیر کو آئے تھے آدم باغ رضواں چھوڑ کر

آج تو پوشاک پر مرتا ہے تو کل دیکھیو
جائے گا شاباش تیری لاش عریاں چھوڑ کر

مر گیا ناسخ جو کشتہ کہ سارے می فروش
مسجدوں میں بیٹھے [illegible] چھوڑ کر

تند خو ظاہر میں ہیں باطن میں ہیں باغ و بہار
جس طرح کانٹے لگے ہوں باغ کی دیوار میں

بے ارادہ طے ہوئی جاتی ہے یہ راہ عدم
گل ہیں خوش خلقی سے مقبول نظر اہل سند خو
ہیں جو روشن طبع بعض ان میں سیہ کاروں کو ہے
ہیں جوانی میں جو ظالم ہو گئے اظلم پیری میں
دانہ باروت بنتے ہیں مرے تخم امید
خوش عبث ہوتے ہیں ناداں ماہ نو کو دیکھ کر
محال پیری میں ہے لطف نوجوانی کا
جو میزان خرد ہو میں برابر اسفل و اعلی
کسی میں رکھی سنگ یہ ہے پھیر قسمت کا
ظالم سے اہل فیض کو ہوتا نہیں گزند
دیتی ہے اکثر زبان چرب آفت سے نجات
سوائے مکر زمانے میں سہم و راہ نہیں
ہے جو افتادہ اسے کیا ضرر دشمن سے گزند
جو کوئی ہے پا تو اضع سے سلیمان ماں
دوست دنیا میں نہیں کوئی کسی کا بے غرض
شکوہ جو بے نوکری کا کرتے ہیں ناداں ہیں
طفل چلتے ہیں جب اپنے پاؤں کہتی ہے قضا
آس کہتے ہیں جسے آس نہیں پاس نہیں
مزرع عمر کو ہر بار درو کرتا ہے
قابل قرب نہیں بے ادبوں کی صحبت
کوئی غفلت بھی حقیقت میں نہیں ہے خالی

طائر روح رواں کو کچھ نہیں درکار پر
باغ عالم میں نظر پڑتی ہے کس کی خار پر
چور کو جس طرح آتا ہے نظر دشمن چراغ
کوئی جز ما پر کہن سال اژدہا ہوتا نہیں
تانہ برق ان پر گرے نشو و نما ہوتا نہیں
ایک مہینا عمر کا ہوتا ہے کم ہر ماہ میں
چراغ صبح میں نور چراغ شام نہیں
ہمیشہ سنگ تر ہم وزن ہے دیکھو ترازو میں
برابر گرچہ ناسخ دونو پلے ہیں ترازو کے
ہے نخل میوہ دار کو رنج تبر کہاں
جس طرح ہوتا نہیں ہے غرق روغن آب میں
وہ کون جا ہے جہاں چاہ زیر کاہ نہیں
تیر لگنے سے نہیں پڑتا ہے روزن آب میں
مثل خاتم خم اگر قامت نہیں حاتم نہیں
ہو گئی جب صبح شمع مردہ کا پھر غم نہیں
آپ آقا ہے کسی کا جو کوئی نوکر نہیں
غیر آغوش لحد اب دامن مادر نہیں
یاس سے ہر کسی حالت میں مجھے یاس نہیں
ماہ نو اس کے سوا کیا ہے اگر داس نہیں
دور رہ ان سے دلا جن کو ترا پاس نہیں
کونسا خواب ہے جس کے لئے تعبیر نہیں

کیوں دلا پیری میں بھی مرنے کی تدبیر نہیں
ہو چکی صبح بس اب کوچ میں تاخیر نہیں

کیوں کر کہوں عارف خدا ہوں
آگاہ نہیں کہ آپ کیا ہوں

تازگی سخن کہتے ہیں یہ بعد وفات
لوگ اکثر مرے جینے کا گماں کرتے ہیں

ذکر کیا شاہ و گدا کا اصل میں دونوں ہیں ایک
فرق مرجانے کے بعد انسان و حیواں میں نہیں

دم دبا جاتے تھے جن کے سامنے شیر ژیاں
غیر روباہ و شغال اب ان کے ایواں میں نہیں

اسفل نہیں ہے فیض سے اعلیٰ کے بے نصیب
مہتاب ہے زمیں پہ ماہ آسمان پر

سفلہ کو گو کرے پر لگا ہیں لیکن ہے نارسا
پہنچے کبھی ہوا سے نہ کاہ آسمان پر

آج نقاشی کی چھت لگوا نہیں مانع کوئی
کل بجز خفاش کوئی سقف ایواں میں نہیں

دوست دشمن سب کے ہیں یاں رفتنی مثل نسیم
گل تو کیا کانٹا بھی اک دن اس گلستاں میں نہیں

جن کے سروں پہ آپ مگس راں رہے ہما
ان کا لحد میں آج کوئی استخواں نہیں

زردار جو ہیں کیوں نہ ہوں خنداں بہ رنگ گل
باغ جہاں میں زر بھی کم از زعفراں نہیں

گر ترقی چاہتا ہے کر کسی کی پرورش
خاک سے فرق شجر پہ جا ملی ہے آب کو

قصر منعم بناتا ہے تو اوروں کے لئے
جانتے ہیں ہم برابر تجھ کو اور مزدور کو

جہاں میں جتنے عمدہ ہیں سپاہی ان پہ غالب ہے
طلا و نقرہ پر ہے فوق جیسے تیغ آہن کو

کسی صورت سے ناجنسوں میں الفت ہو نہیں ممکن
عداوت ہے بہم تیغ و سپر کی آب و روغن کو

ثمر پختہ جو ہے اے خام طبع باغ عالم میں
نہ کیونکر خاکساری سے وہ بدلے سرفرازی کو

کسی کے گوشۂ دل پر تصرف سخت مشکل ہے
یہ ممکن ہے سخر کوئی کرلے ربع مسکوں کو

کیا حسد سے چاک ہوتے ہیں جگر مانند صبح
دیکھ کر تاباں کسی کے آفتاب جاہ کو

راست بازوں کو نہ کج طبعوں سے کیونکر ہو گریز
رابطہ دم بھر نہیں رہتا کماں سے تیر کو

اشارہ آمد و رفت نفس کا ہے یہی ہر دم
بدن میں دم جو آیا ہے سفر اس کو بتانا ہے

دیکھتے تھے کل جھکیں آنکھوں سے اپنی غافلو
آج ان کا اپنے کانوں کے لئے افسانہ ہے

محو ایسے خانۂ رنگین میں مہماں ہو گئے
یہ نہیں ثابت کسی پر کون صاحب خانہ ہے

محفل عیش جہاں کا ہے دلا کیا اعتماد
نشۂ مے خواب آوازِ غنا افسانہ ہے

نال گڑتا ہے کبھی اور لاش گڑتی ہے کبھی
جو زچہ خانہ ہے وہ اک روز ماتم خانہ ہے

گورسے کالے ہوتے ہیں یک رنگ خاک میں
سبزہ ہی ہوتا ہے جیسے خاک میں جو دانہ ہے

شہر دم میں بسا ہوتے ہیں آباد جس کے حکم سے
ایک دن اُن کے لئے بھی گوشہ ویرانہ ہے

آج ہے جس کے قدم سے رونق باغ جہاں
کل وہی رخصت برنگ سبزۂ بیگانہ ہے

اپنے کاموں میں ہو مشغول تم اے غافلو
اس کی باتوں پہ نہ جاؤ ناسخ اک دیوانہ ہے

کسی کا کب کوئی روز سیہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

چمکتی ہے جو ریت اکثر نشاں ہے مہ جبینوں کا
جسے ہم روندتے پھرتے ہیں سب خاک انساں ہے

اُٹھے جاتے ہیں وشن دل سپیالیوں زمانہ سے
ہوا چلتی ہے گویا تنا اور اُس میں چمن اغاں ہے

اغنیا کو ہے یہاں حسرت فقیروں کو ہے عیش
باغ کے مزدور ہی اچھے رہے شداد سے

بے حقیقت کو بلا سے کب ہے دنیا میں گزند
عکس تنکے کا بھی بہ سکتا نہیں سیلاب میں

چشم جاناں اور ہے چشم غزالاں اور ہے
وضع انساں اور ہے ترکیب حیواں اور ہے

روح ہے جسم میں مشتاق اخبار اجل
اس لئے یہ آمد و رفت نفس کی ڈاک ہے

اعلیٰ جو ہیں وہ کب ہوئے ادنیٰ سے ملتجی
سیراب کیا ہوا ابر بھلا آب چاہ سے

اشعار آتش

نظر آتی ہیں ہر سو صورتیں ہی صورتیں مجھکو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا

سوائے رنج کچھ حاصل نہیں ہے اس خرابے میں
غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا

عاجز نواز دوسرا تجھسا نہیں کوئی
سنجر کا انیس ہے ہمدم تلیل کا

باغ و بہار آتش نمرود کو کیا
مشکل کے وقت حامی ہوا تو خلیل کا

موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی
طوفاں میں ناخدائی کشتی نوح کی
سائل ہوں مجھ کو قید کم و بیش کی نہیں
آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
آدمی کیا وہ نہ سمجھے جو سخن کی قدر کو
غضب ہے منزل ہستی میں آسایش طلب ہونا
آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے
نہ کھایا غصہ کبھی جو اپنجہ سے سست کے
صفا ہوا نہ ریاضت سے نفس امارہ
بعد شاعر کے ہو مشہور کلام شاعر
پیام مرگ سے ہوتی ہے غمگیں روح کس خاطر
ہنر سے یاریوں کے حال یہ ظاہر ہوا ہم کو
باغ عالم کا ہر اک گل ہے خدا کی قدرت
بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
دکھایا آئینہ فکر نے جب صفائے آب دُرِ سخن کا
برسوں کی راہ آ کے عزیزاں نکل گئے
یہ دل لگانے میں میں نے مزا اٹھایا ہے
کم بضاعت سے خیال خام ہے کثرت کو ضعف
شاہ راہ ہستی موہوم میں وہ چال چل
مسافر کو عدم کے روکنے والا نہیں کوئی
مرکب ہے یہ سمند تا باختلاط اور نسیاں

فرعون کو تو نے غرق کیا رد نیل کا
حقا جو اب ہے نہیں تجھ سے کفیل کا
مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا
نطق نے حیواں سے مشت خاک کو انساں کیا
ہجوم خواب سے رہ رونے ہے آخر خلل پایا
میں جا ہی ڈھونڈھتا تیری محفل میں رہ گیا
پھنسے جو حلق میں میں وہ نوالہ کیا کرتا
کوئی نجاست سگ کا ازالہ کیا کرتا
شہرہ البتہ کہ ہو مردہ کی گویائی کا
ملے گا خاک میں وہ جو ہوا ہے خاک سے پیدا
مقدر میں جو دولت ہو تو زر ہو خاک سے پیدا
باغباں کون ہے اس کا یہ چمن ہے کس کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا
دہن کو ہو سر کھلا زباں کا زباں کو عقدہ کھلا دہن کا
افسوس کارواں سے میں اپنے بچھڑ گیا
ملا نہ دوست تو دشمن سے اتحاد کیا
اکتفا کرتا نہیں لشکر کو پانی چاہ کا
اپنی آنکھوں کو بچھایا دوست دشمن زیر پا
نہ کھینچا خانے دامن کبھی دنیائے راہی کا
خیال خانہ ہے انساں کو وہم آگے گناہی کا

سیر کر کے دو گھڑی دل اس میں بہلا لیتے ہیں
دل ہمارا ہے مرقع صحبت احباب کا

جامہ تن ہو گیا راہِ عدم میں نذرِ گور
بوجھ اٹھایا تھا مگر گم گشت کے لئے اسباب کا

سرکشی آخر فرو مایہ کو دیتی ہے شکست
ٹوٹتا ہے نخل پر انجام خشتِ خام کا

فزوں ہوتا ہے جمعیت سے زیرِ آسماں کھٹکا
درختِ بارور میں باندھتا ہے باغباں کھٹکا

خدا حامی ہے اپنے بندۂ عاجز کا مشکل میں
نہ واں کھٹکا ہے کچھ ہم کو نہ کچھ ہم کو یہاں کھٹکا

رہے انسان شب بیدار دنیا کے سرا میں
مسافر کو ہے اس ویراں سرا کے درمیاں کھٹکا

دستِ قدرت سے بنایا ہے خدا نے قصرِ تن
دخل ہمارا اس میں ہے نہ دخل ہے مزدور کا

مالِ موذی سے تنفر آدمی کو چاہیے
سونگھ کر سگ چھوڑ دیتا ہے عسلِ زنبور کا

عہدِ طفلی ہی سے ہے مشق تواضع لازم
حلقہ آسانی سے بن سکتا ہے چوبِ تر کا

پھٹے کپڑے گزی کے اس سے ہم بہتر سمجھتے ہیں
اگر اترا ہوا ہو دوشِ تن نواب کا جوڑا

جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائے گا
بھیک کا کاسہ اسے دستِ دعا ہو جائے گا

روا رکھ کلفتِ ایام میں بھی قدر نیکوں کی
پھٹے کپڑوں میں بھی ان کو سمجھ لعل گودڑ کا

سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

حرص و ہوا کو سینہ میں غافل جگہ نہ دے
مطلب کو فوت کرتا ہے کیڑا کتاب کا

چاہیے شکستِ جہل تو تحصیلِ علم کر
وابستہ طلسم ہے لوحِ کتاب کا

رنج راحت کا مرے واسطے ساماں ہوگا
مشعلِ راہِ عدم داغِ عزیزاں ہوگا

عود کرنے کی نہیں روح نکل کر تن سے
پھر نہ ہوگا یہ گھر آباد جو ویراں ہوگا

حسن کا خاتمہ تو عشق کا میں خاتمہ ہوں
نہ گدا مجھ سا نہ تجھ سا کوئی سلطاں ہوگا

انساں کو چاہیے کہ نہ ہو ناگوارِ طبع
سمجھے سبک اسے جو کسی پر گراں ہوا

وعدہ جھوٹا نہ کرو وہ مرد نہیں
قول سے فعل جب خلاف ہوا

شعر ڈھلتے ہیں مرے فکر سے آج اے آتش
مر کے کل گور کے سانچے میں میں ڈھل جاؤں گا

خیال تن پرستی چھوڑ فکر حق پرستی کر
منزل مقصود دکھلاوے گی توفیق ازل
مسافری نظر آیا نظر آیا جو دنیا میں
حلاوت سے نہیں اک ذرہ موجودات کا خالی
جگر خوں ہو گیا بدگو کا اپنے چپکے رہنے سے
کھینچ دیتا ہے شبیہ شعر کا خاکا خیال
بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
آدمی کو موت کے آنے کی ہوتی ہے خوشی
نہ دیکھا سخت طینت کو کبھی سرسبز دنیا میں
فرش قالین و نمد کا آشنا ہوتا نہیں
باغ عالم میں جو رکھا ہے قدم اے آتش
منزل ہستی میں دشمن کو بھی اپنا دست کر
بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں
صدا یہ قبر سے بیدار دل کو آتی ہے
بلا اپنے لئے دانستہ ناداں مول لیتے ہیں
نہ پوچھ احوال بے درد اپنے بیمار محبت کا
گذر جاتا نہیں شاید کہ یاں سے اہل عالم کو
ہمارا شعر ہر ایک عالم تصویر رکھتا ہے
دل کی کدورتیں اگر انساں سے دور ہوں
نزدیک آچکی ہے سواری بہار کی
قدم رہتا ہے ثابت جس کا نا ہستی دوراں میں

نشاں رہتا نہیں ہے نام رہ جاتا ہے انساں کا
دوست دشمن ہو گئے رہبر راہزن ہو جاگا
جسے دیکھا اسے آلودۂ گرد سفر دیکھا
گرہ میں قند کو باندھے ہوئے ہر نے شکر دیکھا
خموشی میں بھی مظلوموں کے نالے کا اثر دیکھا
فکر رنگیں کام اس پر کرتی ہے پرواز کا
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع کار کا
عید ہے جس روز چھٹکارا ہوا محبوس کا
شگوفہ پھولنا ممکن نہیں دیوار آہن کا
آتش درویش کو ہے اپنے بستر سے غرض
خندہ زن گل کی طرح بیٹھ کے ہو خار کے پاس
رات ہو جاوے تو دکھاوے تجھے روزن چراغ
حواس خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خوابگاہ نہیں
عبث اچھی بیچ کر لعنت کو انساں مول لیتے ہیں
زمیں اس کے لئے اب تو عزیزاں مول لیتے ہیں
یہ دو دن کے لئے کیا قصر ایواں مول لیتے ہیں
مرقع جان کر ذی فہم دیواں مول لیتے ہیں
سارے نفاق گبر و مسلماں سے دور ہوں
برگ خزاں رسیدہ گلستاں سے دور ہوں
بہا دیتے ہیں وہی سر قلم رفعہ لاد کرتے ہیں

شہد کے واسطے زنبور نے کاٹا تو یہ کھلا
نوش چاہے تو زمانہ میں تو بے نیش نہیں

کھلا ہے مایہ کے مضمون لبتہ باندھ لینے سے
پسر کو غیر کے بھی لا ولد فرزند کرتے ہیں

گوارا یہاں دلِ دشمن کی بھی شکست نہیں
ہماری کفش سے موذی کو بھی گزند نہ ہو

صاف ہو ہر چند بد باطن عزیز دل نہ ہو
کج نما آئینہ ہر گز دید کے قابل نہ ہو

جو چاہے سو مانگ آتش درگاہ الٰہی سے
محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

تنا دولتِ دنیا کی اے آتش نہیں رہتی
قناعت سے غنی اللہ کر دیتا ہے مسکیں کو

ہستی میں یاد آئے نہ کیونکر عدم مجھے
وہ آدمی نہیں ہے جسے حب الوطن نہ ہو

باغ میں آئے ہو ساتھ ان کے بھی پھر لو دو گام
کبک و طاؤس کا جھگڑا ہی چکاتے نہ چلو

خوشا وہ دل ہو کہ جس دل میں آرزو تیری
خوشا وہ باغ جسے تازہ رکھے بو تیری

عہد پیری میں کہاں شاہد جوانی کے رفیق
صاف پہلو سے زباں کر گئے دنداں خالی

مردے سے بہتر ہے نام مرد سچ ہے یہ مثل
پہلوانی ہے سو ہے رستم کی آتش وہ خاک ہے

نہ پستی و بلندی ہے نہ ایسے بھیڑ کے رستے
عدم کی راہ سب راہوں سے ہے اے بے خبر سیدھی

طالب کو اپنے رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار
زر کی طمع سے چھانتے ہیں خاک نیاریے

ملاؤں خاک میں اہل سخن کے دشمن کو
اکھیڑوں جڑ سے میں وہ دانت جو زباں کاٹے

کفر و اسلام کی کچھ قید نہیں ہے آتش
شیخ ہو یا کہ برہمن ہو پر انساں ہووے

قدر لعنت لعد لعنت کی ہے کرتا آدمی
عہد پیری میں جوانی کا مجھے افسوس ہے

عداوت بے شعوروں کی ضرر پہنچا نہیں سکتی
موا کس وزدیوانہ کوئی لڑکوں کے پتھر سے

طفلی میں بھی شادی سے متوحش رہے ہم
چھٹی نہ ملی جمعہ کو بھی ہفتہ کے غم سے

کرم حق سے ہوں ایمن ستم دوراں سے
پالے کا ڈر نہیں ہے نہ اثر باراں سے

اکبر نام اوری مقصود ہے نیکوں سے صحبت سے دکام
ہوا ہے شہرۂ آفاق لفظ طیب سنبل سے

صانع ہے وہ پیچیدہ تیں ہیں اس کی صنعتیں
اللہ ہے قدیم یہ عالم جدید ہے

عفو ہو جائیں گے ہر چند کہ لاکھوں ہوں گناہ
جھومتی آتی ہے مستانہ گھٹا برسات کی
مشکل ہوئی ہے روح کو قالب سے جدائی
کیونکر نہ مرا شعر ہو عالم کی زباں زد
دنیا کی نہ ہے فکر نہ عقبیٰ کا تردد
چہکار رہے ہیں مرغ خوش الحان نئے نئے
کٹ جائے وہ زباں نہ ہو جس سے دعائے خیر

یہ عطا ہے تری رحمت کے قریں تھوڑی سی
ساتھ کیفیت کے چلتی ہے ہوا برسات کی
چھٹتی ہی نہیں لپٹی ہے گرد سفر ایسی
مشہور بہت ہوتی ہے جھوٹی خبر ایسی
آتش کہو آئی ہے طبیعت کدھر ایسی
دکھلا رہا ہے رنگ گلستاں نئے نئے
پھوٹے وہ آنکھ جو کہ نہ وقت سحر کھلے

نہ صیام میں لذت جو کچھ ملے کم ہے
نہ پوچھ علم محبت سے کیا ملا مجھ کو
وہ ہی ہے صدر نشین بزم خاکساراں میں
ہے ناگوار طبیعت ہے لذت دنیا
دولت فقر سے رکھتا ہے غنی
اللہ کے فقیر کا دل کیوں نہ ہو غنی
فی الحقیقت روشن آئینہ کو کرتا ہے غبار

خدا کا بندۂ مومن ہے میہماں ہوتا
یقیں ہوا وہ کہ جس کا نہ تھا گماں ہوتا
صف نعال میں جس کا کہ ہے مکاں ہوتا
نوالہ حلق میں اپنے ہے استخواں ہوتا
ہم کو آتش دل خرسند اپنا
تکیہ ہے کیسے حسن مسکیں نواز کا
خاکساری سے ہمارا دل مصفا ہو گیا

یہ نکتہ ہمارا ہے سخن چیں کو نصیحت
شیریں کلام کا بھی مزا بھولتا نہیں

الزام جو دیتا نہیں ملزم نہیں ہوتا
شیر و شکر سے ہے یہ بلا شبہ شک لذیذ

محبت کوڑیوں کے ہو اگر مول
عجب دولت ہے یہ احسان اس سے
بھروسا زندگانی کا نہیں کچھ
وہ پھول کونسا ہے کہ سونگھا نہیں جسے

بنی آدم نہ لے یہ درد سر مول
بشر کو بھی ہے لے لیتا بشر مول
کفن لے رکھے اے آتش بشر مول
چلے ہوئے ہیں باغ جہاں کے یہ پھل تمام

گوارا ناگوارا بھی ہو بدگردی دوراں سے

اُبالے یہ قناعت کرتے ہیں تخطار دشمن میں

عذاب گور کا واں سامنا یاں رنج دنیا کا
نہ گھر میں چین زندوں کو نہ مردوں کو ہے مدفن میں

خاک سے بھرئیے اُسے چاہ جو بے آب ہو
آگ لگا دیجئے مطبخ بے دود کو

بولی یہ روح پھینک کے پشتارہ جسم کا
بھاری ہے بوجھ کون یہ بیگار لے چلے

حاصل ہوا نہ خاک بھی آپس کی نزع میں
دل میں غبار کافر و دیں دار لے چلے

آتش برا نہ مانیو حق حق جو پوچھیے
شاعر ہیں ہم دروغ ہمارا کلام ہے

عیب شاعر کو لگا دیتا ہے آتش نقص شعر
داغ جب پھل میں لگا عین شجر میں داغ ہے

چمنستاں کی گئی نشو و نما پھرتی ہے
رُت بدلتی ہے کوئی آن میں ہوا پھرتی ہے

لکھے گئے بیاضوں میں اشعار انتخاب
رائج رہے وہی جو سکے کھرے ہوئے

قطع مقراض خموشی سے زباں کو کیجے
قفل دے کر گنج پر مفتاح توڑا چاہیے

مفلس ہوں لاکھ پر یہی دل کو بندھی ہے دھن
یوسف کو قرض لے کے تقاضا اٹھائیے

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

عجب کیا چھٹا روح سے جامۂ تن
لٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے

تپ ہجر کی کاہشوں نے کئے ہیں
جدا پوست سے استخواں کیسے کیسے

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

بہار گلستاں کی ہے آمد آمد
خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

دل و دیدۂ اہل عالم میں گھر ہے
سنوارے گئے ہیں مکاں کیسے کیسے

غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

کرے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

عیب ہو کیوں کچھ ہنر سے فرہاد خدا کے واسطے
آدمی سے بت نہ بنجاؤ خدا کے واسطے

گشتہ ہم بھی تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

باغ عالم میں یہی اپنی دعا ہے ہر صبح
رہیں سرسبز شجر پھولنے پھلنے والے

اُن سے کہدو نہیں آہستہ جو رکھتے ہیں دو گام
گر کبھی پڑتے نہیں بہت دور کے چلنے والے

ٹھیک آئی تن پہ اپنے قبائے برہنگی
باقی لباس چھوٹے ہوئے یا بڑے ہوئے

مولوی الطاف حسین حالی

مناظرہ رحم و انصاف

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا
کیا سبب ہے کہ ہے دنیا میں ترا نام بڑا

نیکنامی سے تری سخت تحیر ہے ہمیں
ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں

دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کے کام نہیں
آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں

اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں
دوست کو فائدہ تجھ سے نہ دشمن کو زیاں

قتل انسان ہمیشہ سے ہی عادت تیری
سیکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری

جان اور مال سے نمرود کو کھویا تو نے
اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تو نے

فوج راون کی لڑائی میں کھپائی کس نے
آگ لنکا میں سوا تیرے لگائی کس نے

قید خانوں میں جہاں کے ہے پڑا غل تیرا
جتنے قیدی ہیں تری جان کو دیتے ہیں دعا

تیرے فتوی پہ کروڑوں کے ہوئے سر تن سے جدا
اور ترے حکم سے لاکھوں کے ہوئے مسکن سے جدا

لطف سے تیری طبیعت میں نہیں کچھ جوشِ غضب
تجھ کو خردوں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب

کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا
تجھ سے تھراتے ہیں احباب ہوں یا ہوں اعدا

جان پہچان کا ساتھی ہے نہ انجان کا دوست
نہ ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست

نہیں جائز ترے مذہب میں کسی کی امداد
تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد

دم میں تو صحبتِ دیرینہ بھلا دیتا ہے
دوستی خاک میں برسوں کی ملا دیتا ہے

طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا
تجھ سا دیکھا کوئی دنیا میں نہ دیکھا نہ سنا

ہٹ پہ تو اپنی جہاں نام خدا آجائے
باپ کے ہاتھ سے بیٹے کا گلا کٹوائے

اسی قوت پہ ہے اعدل یہ دعوے ہیں تجھے
کہ بنا امن کی دنیا میں ہے قائم مجھ سے

ایک تو ہے کہ یگانوں کے ہیں دل تجھ سے فگار
ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار

رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا
فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام مرا

حق کے الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں
خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں

میری سرکار میں ہو جاتے ہیں عذر قبول
میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول

لطف ہے عام سدا اہل خطا پر میرا
ہاتھ اٹھتا نہیں غنی کی سزا پر میرا

غم مرے سامنے شادی سے بدل جاتے ہیں
ہنستے جاتے ہیں جو یہاں روتے ہوئے آتے ہیں

مجھ کی شرم و مروت مری دربار کی ہیں
بخشش و جود و ملازم مری سرکار کی ہیں

موج زن ہوتا ہے جب فیض کا میرے قلزم
یاس ہو جاتی ہے انبوہ میں امید کی گم

مصر میں قید سے یوسف کو نکالا میں نے
اور ایوب کے بیڑے کو سنبھالا میں نے

میں ہر ایک درد میں ہو جاتا ہوں انساں کے شریک
میں نہ ہوتا تو نہ دیتا کوئی محتاج کو بھیک

میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا جا کر
میں ہی لیتا ہوں بہر حال گرے ہوؤں کی خبر

میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی
میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمود بشری

ورنہ انساں کہ ہے جرم و خطا کا پتلا
میں نہ ہوتا تو بھلا اس کا ٹھکانا کیا تھا

بیڑا فرعون کا جب غرق فنا ہوتا تھا
میں وہاں ساحل دریا پہ کھڑا روتا تھا

تجھ سے ہوتی اگر اے عدل جہاں میں دو چار
لٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

جب سنا رحم سے یہ ولولہ انگیز خطاب
کہا انصاف نے ہو حکم تو دوں اس کا جواب

آپ کی نیکیوں سے کس کو ہے انکار یہاں
کیونکہ ہے ذکر جمیل آپ کا مشہور جہاں

مگر اے رحم برا ماننے کی بات نہیں
نیکیاں آپ کو کر دیتی ہیں بدنام کہیں

ہم نے مانا کہ مروت بھی بڑی ہے اک چیز
پر مروت کے لئے شرط ہے اے دوست تمیز

کھو دیا جس نے مروت کو یہاں عام کیا
اس کو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا

بول میٹھے نہیں آفت کے یہ پرکالے ہیں
دشتوں کو ہے اشارا کہ کسی سے نہ ڈرو
چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری
جتنے قزاق ہیں یہاں اُن کا مددگار ہے تو
ہوا جس ملک میں سرکار کا جاری فرمان
باپ کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید
لڑکے اُستاد کی گھُرکی کو نہیں مانتے کچھ
اہلکاروں کا کچہری میں جو دیکھو بیوپار
پیٹ بکٹے سے ہو وہاں پھرتے ہیں حاجت والے
نہیں حاکم کی مروت سے انھیں خوف مآل
ہر طرف پیچ میں دلال ہیں کچھ چھوٹ رہے
یوں تو اے رحم تری ذات میں جوہر ہیں بہت
ایک یہ زن کو جو تو قید سے چھٹواتا ہے
باپ کو ہونے نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا
مار پڑنے نہیں دیتا جو اُستاد کا ہاتھ
انھی باتوں میں تری زہر ہلاہل سے بھرا
کاش تو بھی کسی قانون پہ چلتا اے رحم
بے مروت ہوں اگر میں تو یہ جوہر ہے مرا
راستبازی جو سچی ہو وہ طبیعت ہے مری
مستقل نام ہے جس کا وہ مزاج اپنا ہے
میں ہی تھا جس نے کہ زندانوں کو آباد کیا

اس مروت نے ترے سیکڑوں گھر گھالے ہیں
دشمنوں سے یہ مدارات ہے کہ جا ہو سو کرو
لئے پھرتی ہے اُچکّوں کو حمایت تیری
اور سب ڈاکوؤں کا قافلہ سالار ہے تو
اس کو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں ویران
اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید
بدمعاش اہل پولس کو نہیں گردانتے کچھ
سمجھو دیوان عدالت کو کہ ہے اک بازار
اور منہ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے
بول کیا لایا ہے اظہار کا پہلا ہی سوال
دونوں ہاتھوں سے غرض مندوں کو ہیں لوٹ رہے
خیر تھوڑی ہے مگر آپ ہیں اور بہتر ہیں بہت
بیسیوں قافلوں کو جان سے لٹواتا ہے
بے ادب کہنا اُسے چاہتا ہے تو گویا
یہ سلوک اچھے نہیں ہیں ترے شاگرد کے ساتھ
تیرا آغاز تو اچھا ہے یہ انجام برا
اپنے اندازہ سے باہر نہ نکلتا اے رحم
جس کو تو عیب سمجھتا ہے وہ زیور ہے مرا
اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری
بھاگ اُس ملک کے جس ملک میں آج ایسا ہے
میں ہی تھا جس نے کہ اخباروں کو آزاد کیا

حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ماموری
کھو دیا میں نے نشاں سلطنتِ شخصی کا
مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں اٹھائیں میں نے
حکم و قانون کسی گھر میں مقید نہ رہا
جس طرح ظلم کا اے رحم روادار نہیں
سر ذرا جس نے اٹھایا اسے کھو کر چھوڑا
حکم عالم میں مرا شرق سے تا غرب ہے عام
رہ اگرتی نہیں میری کسی حالت میں خطا
میں دکھا دیتا سیاست کی گر اپنی تلوار
کارفرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم
وہاں تعصب کا پتا اور نہ عداوت کا گذر
حکم جاری ہے جدھر دیکھیے آزادی کا
کجروی مکر سے کہتی ہے میں آئی تو چل
پاکبازوں کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا
سات پردوں میں اگر عیب کسی کا ہے چھپا
ہیں خطاکار کی دشمن در و دیوار یہاں
اور اگر عیب سے ہے پاک کسی کا دامن
نہ رعیت کا اسے خوف نہ کچھ شاہ کا ڈر
نہ عدالت میں اسے ڈر کسی فریادی کا
جو ہنرمند ہیں دل ان کے بڑھاتا ہوں میں
بے ہنر ہو کسی پیرایہ میں یہاں جلوہ نما

رائے سے میرے بنیں سلطنتیں جمہوری
اور دنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا
راہیں اغلاط سے بچنے کی سجھائیں میں نے
سلطنت نام ہے اب قوم کی پنچایت کا
میں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں
پاپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا
جس نے مانا نہ مرا حکم رہا وہ ناکام
تیر لگتا ہے مرا جا کے نشانہ پہ سدا
چل نہ سکتا کبھی قابیل کا ہابیل پہ وار
دم نہیں مارتی وہاں تیری مروت اے رحم
نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبت کا اثر
بڑھ کے چلتا نہیں وہاں شاہ سے تا بہ گدا
ٹیڑھے ترچھوں کے بل اک آن میں جاتے ہیں نکل
جو کنوڈے ہیں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا
نہ ہوا آج تو کل ہوگا مقرر رسوا
بھائی بھائی کے نہیں ہیں نہ مددگار یہاں
غم نہیں اس کا ہو گر سارا زمانہ دشمن
نہ اسے چور کا خطرہ نہ اسے ساہ کا ڈر
اور نہ کچھ دغدغہ اخباروں کی آزادی کا
خوبیاں ان کی زمانہ میں جتاتا ہوں میں
عہد میں میرے ہنرمند نہیں بن سکتا

یہاں نہ استاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار
اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پر اصرار

سنتے جاہل سے ہیں گر فائدہ کی بات حکیم
مستفیدوں کی طرح کرتے ہیں اُس کو تسلیم

نوکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا
بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا

کرنے پاتے ہیں گاہک پہ نہ دکاندار ستم
جنس یہاں تُل نہیں سکتی کبھی مقدار سے کم

بیاج بے وجہ نہیں آ کے کسی کی کھاتا
سُود میں کھوٹ کے پیچھے کبھی نہیں اُٹھنے پاتا

اونچے اونچوں کے یہاں لیتے ہیں خدمت پوری
اور مزدوروں کو دیتے ہیں کھری مزدوری

محنتی جیتے ہیں یہاں خرم و دل شاد ہیں سب
خوار پھرتے ہیں وہی جو کہ ہیں آرام طلب

اہل مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے
زورمند آنکھ ملاتے نہیں کمزوروں سے

عیب کو خوب سمجھتے ہیں یہاں زشت کو زشت
ناپ سے کم نہیں لگتی کہیں تعمیر میں خشت

جھوٹے سچوں کا نہیں بھید بدلنے پاتے
دام بازار میں کھوٹے نہیں چلنے پاتے

جس طرف جائیے یہاں امن و اماں کا ہے عمل
فتنہ سرحد سے پرے جاتا ہے کترا کے نکل

جس قلمرو میں کہ جاری نہیں میرا فرمان
ظالم کے ہاتھ میں واں حکم و عمل کی ہے عنان

دوست اللہ کے ہیں ٹھہرتے معتوب وہاں
اور مسیحائے زماں ہوتے ہیں مصلوب وہاں

نیک فرزند ہیں یاں باپ کے جو حلقہ بگوش
رام لچھمن کی طرح پھرتے ہیں یاں خانہ بدوش

مار کھاتے ہیں جنہیں قوم نے اولاد رسول
قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں پیاسے مقتول

زکریا کی طرح سے جو ہیں خدا کے پیارے
اُن کے سر پر ہیں سدا ظلم کے چلتے آرے

زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں
اور یوسف سے برادر کو دغا دیتے ہیں

گفتگو ختم پہ انصاف کی جب آ پہنچی
عقل پرکار قضا کا رو وہاں آ پہنچی

وہاں جو دیکھا تو دو بھائیوں میں ہے کچھ تکرار
اور ہر ایک کو بزرگی پہ ہے اپنے اصرار

رحم ادھر عدل سے کہتا ہے کہ تو ہے کیا چیز
اور اُدھر رحم کو ہے عدل سمجھتا ناچیز

عقل نے دونو کی تقریر سُنی سر تا پا
کہہ چکی وہ تو یہ سنجیدہ جواب اُن کو دیا

خیر اک کان ہی تم حسن کے ہو جو سر دونو
ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونو

صاف کہتی ہوں سُن اے رحم نہیں اس میں خلاف
تو ہے اک قالب بے روح نہ ہو گر انصاف

اور سُن اے عدل نہیں اس میں تکلف سر مو
گر نہ ہو رحم تو اک دیدۂ بے نور ہے تو

دونو تم خلق کے ہو مایۂ آرام و شکیب
گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو زیب

سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو
اور نہیں مانتے گر بات مری تم جانو

ابھی اک نکتہ میں تم دونو کو جھٹلاتی ہوں
لو سنو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں

میں تو سمجھی تھی کہ فرزانہ و ہشیار ہو تم
پر تمہیں دیکھ لیا جیسے سمجھدار ہو تم

فرق اصلا نہیں تم دونوں میں لڑتے کیوں ہو
جب کہ تم ایک ہو آپس میں جھگڑتے کیوں ہو

وہی اک شے ہے کہ ہے عدل کہیں نام اُس کا
کہیں مظلوم کی فریاد رسی کام اُس کا

رحم کہلائے جو مظلوم کی فریاد سُنے
عدل ٹھہرے جو سزا ظالم بے رحم کو دے

وہی شفقت ہے کہ اُستاد کی ہے مار کبھی
اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے پھٹکار کبھی

وہی شفقت ہے کہ گھُرکی کہیں پیار کہیں
وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں

کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے
اور کہیں قہر کے پردہ میں نہاں ہوتی ہے

کہیں وہ قند مکرر کا مزا دیتی ہے
اور کہیں چاشنی موت چکھا دیتی ہے

یہی شفقت تھی کہ جب اُس نے سمجھا انجام
شیخ فاروق نے بیٹے کا کیا کام تمام

یہی شفقت تھی کہ جب ہو گیا بے جان پسر
ایک برچھی سی لگی باپ کے دل میں آکر

یہی شفقت تھی کہ زخمی کہیں کرواتی ہے
یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتی ہے

رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی
اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اُس کی

رہی باقی نہ فریقین میں جائے انکار
چار ناچار کیا یکجہتی کا اقرار

بڑھ کے پھر دونو ملے ایسے کہ تھی گویا ایک
مل کے ہو جائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد

خسروِ امن کا دربار

ہیں کہ آشوبِ جہاں سے تھا ستم دیدہ بہت
امن کو سمجھا غنیمت دلِ غم دیدہ بہت

شوقِ دل لے کے غرض قصر میں آیا مجھ کو
سیرِ عجیب عالمِ نیرنگ دکھایا مجھ کو

خسروِ امن تھا وہاں جلوہ فزائے دربار
دیتی فرحت تھی دل و جاں کو ہوائے دربار

اُس کے آگے تھا مرادوں کا چمن پھول رہا
آپ تھا پھولوں کے جھولے میں پڑا جھول رہا

نیند کا جھوکا تھا جھولے کو جھلاتا جاتا
مورچھل سر پہ تھا آرام ہلاتا جاتا

گلِ خورشید تھا وہاں ہر گل شاداب سدا
دھوپ کی جا تھی مگر چادرِ مہتاب سدا

صبح وزارت کھڑی سامنے ہنستی تھی وہاں
نور کے ساتھ سدا اوس برستی تھی وہاں

ہاتھ باندھے تھیں مرادیں وہیں ہر دم آگے
آرزوئیں تھیں کھڑی ناچتی چھم چھم آگے

دولت و عیش و طرب تھے امرائے دربار
کرتے تھے نظم و نسق جملہ برائے دربار

دل میں افکارِ پریشاں کا نہ تھا نام وہاں
ہاتھ جمعیتِ خاطر کے تھے سب کام وہاں

مرغزاروں میں جو اشجار تھے سب چھائے ہوئے
دامنِ امن داماں خلق پہ پھیلائے ہوئے

شغل میں اپنے ہر اک شخص تھا مشغول وہاں
چنتا تھا راحت و آرام کے پھل پھول وہاں

علم امن کا شکریہ کرتا ہے

دفعۃً دیکھا کہ اک پیرِ کہن سال آئے
پر عجیب شان سے وہ مردِ خوش اعمال آئے

جسم پہ نور میں پہنے ہوئے جامہ کالا
بر میں جبّہ عربی سر پہ عمامہ کالا

پاؤں تک شملۂ دستار جو آجاتا تھا
اُن کی مقدارِ فضیلت کو بتاجاتا تھا

لاغری چہرہ پہ ہر چند کہ چھائی تھی بہت
رخ کی عینک نے مگر شان بڑھائی تھی بہت

شانہ تھا ریشِ مقدس میں کیا پیری نے
اور جھکایا تھا بڑھاپے کی زمیں گیری نے

ساتھ کچھ لوگ کتابیں تھے اٹھائے آتے
اور بغل میں کئی جزدان دبائے آتے

سب کے سب پیچھے بہ صد صدق و صفا آتے تھے
ٹیکتے آپ کراست کا عصا آتے تھے

الغرض بادشہ امن کے آگے آئے
پہلے سب نے بہ ادب دست دعا پھیلائے

پھر یہ کی عرض کہ آئے ہیں وکالت کے لئے
علم نے بھیجا ہے تقدیم رسالت کے لئے

اہل تصنیف ہیں تصنیف میں مصروف سدا
ہے ہر ایک شہرت تعریف میں معروف سدا

اہل تحصیل کو پڑھنے کے سوا کام نہیں
اور جہاں میں انھیں فکر سحر و شام نہیں

دم بدم علم سے کرتا عمل ایجاد نئے
آتے ہیں کارگہہ دہر میں استاد نئے

درس و تدریس کے چرچے جو ہیں گھر گھر جاری
ہیں یہ جمعیت خاطر ہی کی باتیں ساری

جو ہمیں چاہئیں موجود ہیں سارے ساماں
ملتے ہیں پہلے ضرورت سے ہمارے ساماں

اے شہ امن یہ سب فیض و کرم تیرے ہیں
کشور علم میں سب بھر رہے دم تیرے ہیں

تو نہ ہووے تو ابھی خلق میں طوفاں ہو جائے
سب کا شیرازہ اوراق پریشاں ہو جائے

زراعت شکریہ کرتی ہے

تھا انھوں نے ابھی دفتر نہ سمیٹا اپنا
اور نہ تھا علم نے طومار لپیٹا اپنا

دیکھا انبوہ ہے ایک سے زیادہ آتا
ہے سوار ان میں کوئی کوئی پیادہ آتا

گھوڑیاں آگے سواری میں بچھیرے پیچھے
اور کئی بیل لئے آتے ہیں گھیرے پیچھے

گود میں ہے کوئی گوسالہ اٹھائے آتا
کوئی ہل اپنا بغل میں ہے دبائے آتا

نذر کے ٹوکرے کندھوں پہ دھرے آتے ہیں
نئی فصلوں کے اناج ان میں بھرے لاتے ہیں

طرے اعزاز کے جن لوگوں نے ہیں پائے ہوئے
بالیں گیہوں کی وہ پگڑی میں ہیں لٹکائے ہوئے

ہمت و عزم میں بوڑھے بھی جواں ہیں ان کے
تندرستی کے نشاں منہ پہ عیاں ہیں ان کے

دیکھ انھیں سب علما ہٹ کے کنارے آئے
بے تکلف سر دربار وہ سارے آئے

[illegible] نے کہا اے بادشہ امن و اماں
تجھ سے جاری ہے زمانہ میں وہ امن اماں

کر کے طے گھر سے بہت فرسخ و میل آئے ہیں
جانب اہل زراعت سے وکیل آئے ہیں

کہ وہ صحرا میں جو بیٹھے ہیں سہارے تیرے
آسرے رکھتے ہیں دہقان بچارے تیرے

کھیت پہ بیٹھے ہوئے ہیں تو دعا کرتے ہیں
گھر میں ہیں تو ترے شکرانے ادا کرتے ہیں

تو وہ نیساں ہے کہ جس کھیت پہ آجاتا ہے
خاک پر آب زمرد کو بہا جاتا ہے

کشتِ امید زمانہ کی پڑی ہے تجھ سے
سبز کھیتوں کی سدا گود بھری ہے تجھ سے

پیرِ دہقاں کہ جو ہے سایہ میں تیرے بیٹھا
جان و مال اپنا ہے مٹی میں بکھیرے بیٹھا

سایۂ امن ترا اس کو ہرا رکھتا ہے
صرصرِ فتنہ سے محفوظ سدا رکھتا ہے

تو بچاتا ہے زمانہ کی لگدکوبی سے
ترکتازانِ حوادث کی پرآشوبی سے

فیضِ رحمت ترا ہر لحظہ بڑھاتا ہے اسے
زور تیرا ہے کہ زر کرکے اٹھاتا ہے اسے

کرتا خرمن ہے تو ہی بکھرے ہوئے دانوں کو
تو ہی اک دانہ سے ہے پالتا سو جانوں کو

تو نہ ہووے تو سرے کھیت ہوں پامال تمام
دم میں ہو خلقِ خدا کال سے بدحال تمام

تجارت شکریہ کرتی ہے

سخن ان کا نہ سرِ خاتمہ آیا تھا ابھی
اور زراعت نے یہ خرمن نہ اٹھایا تھا ابھی

لوگ کچھ اور بھی آئے پئے تقریر وہاں
دشت و دریا کی لگے کھینچنے تصویر وہاں

گرچہ حال اپنا زباں سے نہ بتاتے تھے وہ سب
مگر انداز سے ایسے نظر آتے تھے وہ سب

کہ ابھی قطع کئے راہِ سفر آئے ہیں
ریل سے یا کہ جہازوں سے اتر آئے ہیں

تھا کوئی دوش پہ خورجین اٹھائے آتا
اور بغل میں کوئی بیگ اپنا دبائے آتا

رنگ سنولائے ہوئے چہرے تھے گرد آلودہ
دل تھے کلفت زدہ اور سینے تھے درد آلودہ

دشت و دریا کے عجائب تھے وہ ہمراہ لئے
تحفے ہر ملک کے ہاتھوں میں پئے شاہ لئے

خسروِ امن کے دربار میں جب آئے وہ
بعد آداب زباں پہ یہ سخن لائے وہ

اے شہ امن دعا خلقِ خدا کرتی ہے
اور تجارت ترا شکرانہ ادا کرتی ہے

کہ ترے نظم و نسق سے جو ہیں رستے جاری
شرق سے غرب کی جنسیں ہیں پہنچتی ساری

ہم اٹھاتے لیتے نفعِ درم و دام ان سے — اور جو گھر بیٹھے ہیں پاتے ہیں وہ آرام ان سے
کاروانوں کے شب و روز جو ہیں تار لگے — کوہ و صحرا میں جہاں دیکھو وہیں بازار لگے
رہے جس جا پہ مسافر کے لئے گھر ہے وہیں — شیر گنجشک جو چاہو تو میسر ہے وہیں
نہیں اصلا خطرِ رہزنیِ دہر اٹھیں — ہے ترے فیض سے ہر دشت و جبل شہر اٹھیں
کوئی دم لیتا ہے رستہ میں کوئی سوتا ہے — پر کہیں کیل کا بھی کھٹکا نہیں ہوتا ہے
اے شہِ امن اگر لطف ترا عام نہ ہو — اور ترے نظم پہ عالم کا سرانجام نہ ہو
ابھی بازار جہاں زیر و زبر ہو جائے — خانۂ امن و اماں موت کا گھر ہو جائے

صنعت و دستکاری

تھی نہ بات ان کی ابھی ختم پہ آنے پائی — اور تجارت یہ دکاں تھی نہ بڑھانے پائی
لوگ کچھ سامنے سے اور نمودار ہوئے — لیکن اس رنگ سے وہ داخلِ دربار ہوئے
جیسے تختہ ہو گلِ بوقلموں کا آتا — یا چمن ہو کوئی نیرنگِ فسوں کا آتا
خاک پر تھے گلِ ایجاد لگاتے آتے — پھول جھڑتے تھے جو تھے ہاتھ ہلاتے آتے
دستکاری نے کیا لعبتِ چیں تھا ان کو — رنگ چمکا کے کیا نقشِ نگیں تھا ان کو
چشمِ صنعت سے جو تھے کام بنائے اکثر — صنعتِ بینائی سے عینک تھے لگائے اکثر
تھے لئے نذر نہ کچھ گوہر و زر ہاتھوں میں — دستِ صنعت کے تھے گلدستۂ تر ہاتھوں میں
غرض آکر سرِ تسلیم جھکائے سب نے — پیشکش لے کے جو آئے تھے دکھائے سب نے
کر چکے شاہ کا جس دم حقِ نذرانہ ادا — تب کیا جانبِ صنعت سے یہ شکرانہ ادا
اے شہِ امن ہمیشہ ہو یہ دربار کھلا — کہ اسی سایہ میں اپنا بھی ہے بازار کھلا
دستکاری کے عمل تجھ سے ہیں سارے چلتے — کام سب تیری بدولت ہیں ہمارے چلتے
تار ہے غیب کے اخبار سنائے جاتا — ریل کا تختِ سلیماں ہے اڑائے جاتے
کارخانے جو بڑے چلتے ہیں دن رات یہاں — اور کلیں کر رہی جو جو ہیں طلسمات یہاں

اے شہ امن یہ تیری برکت ہے ساری
تیرے زوروں کی کلوں میں حرکت ہے ساری

دولت شکر کرتی ہے

سلسلہ صنع و صناعت کا ابھی تھا جاری
زر نقرہ پہ بھی کر رہے مینا کاری

دفعتہً چاندنی دربار پہ چھائی یکسر
ہو گئے سب در و دیوار طلائی یکسر

جیسے جھڑتے گلبن سے ہیں گلزار میں پھول
چاندی سونے کے برسنے لگے دربار میں پھول

کہ پری اتنے میں اک دوش ہوا سے آئی
آئی لیکن عجب انداز و ادا سے آئی

حسن رفتار سے تھی سرعت سیماب اڑتی
جائے دامن تھی فقط چادر مہتاب اڑتی

حسن تھا گرچہ حقیقت میں ہوائی اس کا
یہ سراپا تن نازک تھا طلائی اس کا

ٹھوکروں میں بھی زر و سیم اڑاتی چلتی
باغ نرگس دم رفتار کھلاتی چلتی

تھی نہ تھمتی روش گردش ایام اک جا
لینے دیتی نہ تھی شوخی اسے آرام اک جا

جب کہ وہ غیرت نور سحر آ پہنچی
پڑ گئی دھوم کہ دولت کی پری آ پہنچی

سامنے بادشہ امن کے جس دم آئی
حسن شکرانہ میں یہ نغمۂ دلکش گائی

کہ جہاں تیری بدولت ہے ہر اک حال میں خوش
ہے کوئی شال میں خوش اور کوئی کھال میں خوش

گھر مہاجن کا جو لاکھوں سے ہے معمور سدا
خوش ہے دو پیسے کی مزدوری میں مزدور سدا

زیر دستوں کو ترے سایہ میں خوش مستی ہے
اپنا سر پیٹتی ہاتھوں سے زبردستی ہے

ایک کا ایک پہ چل سکتا نہیں زور ذرا
مار کیا تاب جو بل مارے سر مور ذرا

بلند ستوں کو ضرر کچھ نہیں نقصانوں سے
ہاتھ ہیں دست درازی کے جدا شانوں سے

ہے ترے نظم و نسق سے جو نظام عالم
مے آرام سے معمور ہے جام عالم

نواب عبدالعزیز خان عزیز

رویائے مرزا

غافلو ہشیار رہو ہشیار رہو
سوتے ہو کیوں بے خبر ہشیار رہو

محض دھوکا ہستی موہوم ہے
تم کو مرزا کا سناؤں ماجرا
ساکنِ بغداد کا اک نیک مرد
آدمی کیا تھا سراپا نور تھا
پانچویں کو ہر مہینہ کی وہاں
کرتے تھے وہ دن عبادت میں تمام
یہ بھی اُس دن ترک کر کے خوابِ ناز
پھر عبادت کی جو آئی دل میں لہر
اک نظر آیا وہاں کوہِ بلند
چڑھ کے اُس پہ دل کو بہلانے لگا
زندگی تو ہے بہت ناپائیدار
نیستی تک ایک نفس کی راہ ہے
پھر ہے کیوں اس زیست پر اتنا غرور
کیا غضب ہے کیا غضب ہے کیا غضب
چشم بینا و دلِ دانا جو ہو
پس جہاں تک ہو سکے نیکی کرے
یہ تصور کر رہا تھا کوہ پر
دیکھتا کیا ہے کہ اک مردِ شبان
ہاتھ میں اک نَے ہے چہرہ پر وقار
ہو چکا تھا منکشف اُس پر یہ راز
نغمۂ نَے کو تو سنتے ہیں بشر

تم کو کیا اتنا نہیں معلوم ہے
نقل جو مسٹر اڈیسن نے کیا
تھا یگانہ زہد میں تقویٰ میں فرد
نام مرزا خلق میں مشہور تھا
کارِ دنیا چھوڑ کر پیر و جواں
صبح کے آغاز سے تا وقتِ شام
صبح کو اُٹھا پڑھی پہلے نماز
گھر سے نکلا جلد یا بیرونِ شہر
دن بسر کرنا کیا اُس پر پسند
دل میں اُس دم یہ خیال آنے لگا
غافلوں کو کیوں ہے اُس پر اعتبار
اس مسافت سے ہر اک آگاہ ہے
اُڑ گیا ہے کیا زمانہ سے شعور
موت کو بھولے ہوئے ہیں کیوں سب
کیوں عبث الشان کھوئے عمر کو
کچھ تو توشہ آخرت کا ساتھ لے
پڑ گئی ناگاہ چوٹی پر نظر
ہے عجب انداز سے بیٹھا وہاں
دیکھتا ہے اس کی جانب بار بار
ایک جن اس کوہ پر ہے نَے نواز
شکل آنکھوں سے ہے پوشیدہ مگر

دیکھ کر اُس کو خوشی حاصل ہوئی — دل میں سمجھا یہ وہی جن ہے وہی
اس طرف اُس کی پڑی اُس پر نظر — نے لگائی اُس نے ہونٹھوں سے ادھر
نے سے نکلی وہ صداے جاں فزا — جس کو سُن کر وجد مرزا کو ہوا
وہ رسیلی دُھن وہ سچّے اُس کے سُر — منتظم فی مثلِ نظمِ سلکِ دُر
سامعہ جب سے کیا حق نے عطا — کان میں آئی نہ تھی ایسی صدا
پھر کہا دل نے کہ روحِ صالحاں — ہوتی ہے مبدا کی جانب جب رواں
اُس کے استقبال کو حور و ملک — آگے بڑھتے ہیں نہیں کچھ اِس میں شک
اُن کے باجوں سے نکلتی ہے وہ صوت — بھولتی ہے روح جس سے رنج و موت
روح پرور یہ وہی آواز ہے — یہ وہی دُھن ہے وہی یہ ساز ہے
سُن کے اُس کی بانسلی دل نے کہا — پاس بنسی والے کے چلیے ذرا
کچھ تو اُس سے فیض حاصل کیجیے — نعمتیں جو مل سکیں وہ لیجیے
آرزو یہ تھی کہ جاے اُس کے پاس — جن سمجھ کر اُس کو دل میں تھا ہراس
تاڑ لی جن نے وہیں اُس کی نظر — دل کو دل نے جلد پہنچا دی خبر
دیکھ کر کیفیتِ شوق و ادب — خود اشارہ سے کیا جن نے طلب
پھر تو اُس نے کام جرأت کا کیا — جا کر اُس کے پاؤں پر سر رکھ دیا
نغمہ نے کر چکا تھا دل کو نرم — ہو گئے آنکھوں سے جاری اشکِ گرم
ہاتھ سے اُس کا اٹھایا جن نے سر — مسکرا کر اُس کی جانب کی نظر
وہ تبسم کارگر اُس پر ہوا — دل میں جو کچھ خوف تھا باہر ہوا
پھر کیا جن نے یہ مرزا سے سوال — تیری باتیں میں نے سُن لی ہیں تمام
لے بس اب اُٹھ چل مرے ہمراہ ہو — کنگرہ پر کوہ کے آ دیکھ تو
کر کے یہ گفتار پکڑا اُس نے ہاتھ — لے چلا اک کنگرہ پر اپنے ساتھ

جب وہاں پہنچا تو یہ جن نے کہا
اُس نے دیکھا کی جو پورب کو نگاہ
اک سحر سے اُس میں آتا آبِ سیل
جب پہنچتا اُس سحر پہ سیلِ آب
دونو جانب تھا اندھیرے کا یہ حال
ایک پل اُس سیل میں آیا نظر
پھر کیا استعاں سے اُس نے جو غور
تب کہا جن نے کہ سُن تو اے عزیز
یہ گڑھا کیا ہے یہ سیلِ آب کیا
جب نہ کچھ مرزا سے بن آیا جواب
ہے اگر تو عاقل و بیدار مغز
غم کی گھاٹی ہے گڑھا جو ہے یہاں
یہ سرے گھاٹی کے جو ہیں آشکار
ابتدائے نشہ سے تا انتہا
اور پیدا نہ ہے اِس کا آفتاب
یہ اندھیرا ہے عدم کی تیرگی
پل ہے یہ انساں کی تمثالِ عمر
ہے زیادہ کی تو یہ تخمینِ وقت
اس میں ستر تک تھے ثابت ہیں قوی
ایک گذرا ہے زنانہ پیشتر
ایک آیا سخت طوفانِ بلا
دیکھ تو پورب کی جانب تو ذرا
اک نشیب ایسا نہیں تھی جس کی تھاہ
پھر وہ کرتا دوسری جانب کو میل
صاف ہو جاتا فنا مثلِ حباب
ہو شبِ یلدا کو جس سے انفعال
قائم و ثابت تھے ستر جس کے در
ٹوٹی پھوٹی تھیں محرابیں تھیں اور
تو نے یہ سب دیکھ کر کچھ کی تمیز
کیا ہے یہ پل دَر و محراب کیا
خود کیا مرزا نے اُس سے یہ خطاب
غور سے سُن لے مری گفتار نغز
دہر ہے یہ سیل ناپیدا کراں
نشۂ دُنیا کے ہیں دونوں کنار
جزو ہے اک دہر نا محدود کا
بیش و کم کا جس سے ہوتا ہے حساب
اول و آخر ہے عالم کا یہی
اور محرابیں ہیں اس کی سالِ عمر
اس سے کمتر کی نہیں تعینِ وقت
مضمحل ہیں بعد اس کے یا فنا
جس میں نو سو تھے علاوہ ان کے در
جو وہ تو سو در بہا کر لے گیا

رہ گیا اب خستہ حالت میں یہ پل
سو شکستہ اور ثابت در ہیں کل

پھر کہا جن نے کہ کر تو غور کچھ
اس جگہ بیشِ نظر ہے اور کچھ

سن کے یہ پھر کی جو مرزا نے نگاہ
دونو جانب پل کے تھا ابرِ سیاہ

ایک جانب کی گھٹا کو چیر کر
آرہا تھا پل پر انبوہِ بشر

قطع کر کے کچھ مسافت راہ کی
گرتے تھے پانی میں پیہم آدمی

غور کرنے سے ہوا یہ آشکار
سقفِ پل میں ہیں دریچے بیشمار

پاؤں جس کا اس دریچے پر پڑا
ہوگیا اس سیل میں گر کر فنا

یہ دریچے اس سرے یا اس سرے
رہ گذر میں ہر قدم پر پڑتے تھے

وسط سے جتنا قریب آتا کوئی
اس قدر ہوتی دریچوں میں کمی

آئے تھوڑے راہ رو ایسے نظر
سو دروں سے بھی جا نکلے ادھر

اس گذر جانے پہ ایسا حال تھا
ہر قدم پر یہ گرا اور وہ گرا

یہ تماشا جب ہوا اس کو نصیب
تھا جو عالم کے تماشوں سے عجیب

پہلے کیفیت تھی استعجاب کی
بعد اس کے آنکھ عبرت کی کھلی

بے خبر چلنا وہ پل پر خلق کا
پھر یکایک گر کے ہوجانا فنا

وقت گرنے کے سہارے کی تلاش
تاکہ اس کو تھام کر رک جائیں کاش

دل میں آنا ناامیدی کا خیال
تھامنا گھبرا کے اپنے سر کے بال

بعض ایسے بھی نظر آئے وہاں
جو نظر کرتے تھے سوئے آسماں

اپنے افعالِ زبوں سے شرمسار
رحم و فضلِ حق کے تھے امیدوار

ناگہاں ٹھوکر کے جھٹکے سے قدم
کھا گیا لغزش چلے سوئے عدم

بعض ایسے بے خبر تھے آدمی
جنکو کچھ اس راہ کی پروا نہ تھی

دیکھ کر گرنا دھما دھم سیل میں
مطلقاً عبرت نہ ہوتی تھی انھیں

تیرتے تھے وہ جو پانی پر حباب
جان کر اُن کو بلورین جام آب

دوڑتے تھے اُن کے لینے کے لئے
چاہتے تھے دوسرا کوئی نہ لے

آپڑا اک بار کھڑکی پر قدم
ہو گئے فوراً رواں سوئے عدم

دیکھ کر یہ چپقلش حیران تھا
اور دیکھا ایک طرفہ ماجرا

چند دیوانے لئے ہاتھوں میں تیغ
دوڑتے پھرتے تھے پُل پر بے دریغ

بھاگتے تھے دیکھ کر جو لوگ اُنھیں
گرتے تھے اُس سیلِ طوفان خیز میں

پھر یہ دیکھا ہاتھ میں بعضوں کے تھے
ظرف ہائے چند مملو بول سے

پھینکتے تھے رہ رووں پر بول وہ
بھاگتے پھرتے تھے کھا کر بول وہ

مضطرب ہوکر جو کرتے تھے فرار
سیل میں گر جاتے تھے بے اختیار

جی میں آتا تھا یہ اُن کو دیکھ کر
کاش یوں ہوتے نہ وہ مضطر اگر

قطع کرتے راہ بے خوف و ہراس
سیل میں گرتے نہ ہو کر بے حواس

جن نے مرزا کا جو دیکھا حال غیر
دل میں سمجھا وجہ عبرت ہے یہ سیر

دی صدا کس دُھن میں مستغرق ہے تو
اُڑ گئی تیری نظر کیوں ایک سو

دیکھنا باقی ہے تجھ کو اور بھی
دیکھ پُل کے اُس طرف کر غور بھی

پھر بتا دے کھول کر چشمِ تمیز
جو نظر آوے انوکھی کوئی چیز

آنکھ مرزا کی جو اوپر کو اُٹھی
طائروں کی ٹکڑیاں دیکھیں کئی

کرگس و زاغ و زغن مُردار خوار
اور قسموں کے بھی طائر بے شمار

آتے تھے پُل کی منڈیروں پر کبھی
جاتے تھے محراب کے اندر کبھی

تھا جو مستفسر کیفیت ضرور
جن سے پوچھا کیوں یہ اُڑتے ہیں طیور

جن یہ بولا سُن کے مرزا کا کلام
ہیں یہ کیفیاتِ نفسانی تمام

شہوت و بخل و طمع خشم و حسد
اور جو اُن کے سوا ہیں خلقِ بد

چاہتے ہیں یہ کوئی غافل ملے
دیکھ کر یہ رنج مرزا کو ہوا
کیوں بنایا ای خدا انسان کو
عمر یوں گذری غم و آلام میں
جن نے مرزا سے کہا یہ دیکھ کر
یہ تو ہستی کا ہے پہلا مرحلہ
اُس سرے پر دیکھ کیسا ہے دُھوا
جتنے ہیں اقوام ماضی خیل خیل
ہو چکا اس جسر پہ جن کا گذر
اُس طرف اُس نے جو دوڑائی نگاہ
دیکھتا کیا ہے کہ تاریکی کے پار
کر کے طے وہ جا جہاں ہے یہ دھواں
ہو گیا حیران مرزا دیکھ کر
یا تو اُس جن نے اثر القا کیا
یا پراگندہ اندھیرے کو کیا
بحر میں دیوار دیکھی مستطیل
وسط میں ہونے سے اس دیوار کے
ایک حصے پر تو چھائی تھی گھٹا
دوسری جانب کو مطلع صاف تھا
دیکھے دریا میں جزیرے بے شمار
تھے جو اُن پہ میوہ ہائے خشک و تر

نوچ کھائیں مرگ سے پہلے اُسے
آہ دل سے کھینچ کر یہ کی صدا
آفتیں ہیں لاکھ اس کی جان کو
سامنا ہو موت کا انجام میں
اب نہ کر اُس پل کی جانب کو نظر
جو مٹاتا ہے دلوں کا حوصلہ
ڈوبتا ہے سیل میں جا کر جہاں
ہو چکی ہیں یوہیں غرقِ آبِ سیل
اُس سرے تک پہنچے ہیں ڈوب کر
ہو سکا حائل نہ وہ دودِ سیاہ
ہے عجب اک بحر ناپیدا کنار
بحر میں گرتا ہے سیلاب رواں
یہ نہ سمجھا کس طرح پہنچی نظر
باصرہ کو زور جنّی دے دیا
کام دونوں میں سے کوئی تو کیا
جس میں ہیرے کی بنائی تھی فصیل
حصّے تھے دو قلزمِ ذخّار کے
تیرگی سے کچھ نہ حال اس کا کھلا
اُس میں اک دریا بہت شفّاف تھا
اُن جزیروں میں شجر تھے باردار
بوجھ سے خم کھا گئے تھے وہ شجر

سبز ایسی لہلہاتی تھی گیاہ
پڑ کے جس پر پھر نہ اُٹھتی تھی نگاہ

تھے شگفتہ نرگس و ورد و سمن
بن رہے تھے جن سے وہ ٹاپو چمن

جا بجا بہتی تھیں نہریں بے شمار
پانی اُن کا پاک صاف اور آبدار

اُن جزیروں میں جو دیکھے آدمی
شاہانہ وضع تھی ہر ایک کی

پر تکلف کپڑے اُن کے جسم پر
تاج پھولوں کے سر اک کے زیب سر

تھا چھپا پانوں میں کوئی گرم خواب
کوئی بیٹھا تھا کنارِ جوئے آب

ہو کے باہم چند کس بے فکر و رنج
سُر ملا کر ہو رہے تھے نغمہ سنج

اُن درختوں پر جو بیٹھے تھے طیور
تھی صدا اُن کی نہایت پُر سرور

گانے والوں کا رسیلا وہ الاپ
گونج وہ سازوں کی وہ طبلوں کی تھاپ

پانی کی چادر کا جھرنا اک طرف
طائروں کا شور کرنا اک طرف

کان میں مرزا کے پہنچا جس گھڑی
دل ہوا خوش دور وحشت ہو گئی

آرزو کی کاش میں ہوتا عقاب
جا پہنچتا اُڑ کے ٹاپو میں شتاب

جس نے پہچانی جو اُس کی آرزو
تو کہا ہنس کر ہے کس حسرت میں تو

خام ہے اُن تک رسائی کا خیال
وقت سے پہلے پہنچنا ہے محال

جو دریچے پل میں آئے ہیں نظر
ان جزیروں کے وہی ہیں راہ بر

آدمی پہلے گذر پل پر کرے
اور پھر کھڑکی سے پانی میں گرے

ڈوب کر اس سیل میں اُبھرے وہاں
جس جگہ تجھ کو نظر آیا دھواں

طے کرے پہلے دھوئیں کو بے دلیل
قطع بعد اس کے کرے راہ فصیل

ہر قدم کو جانچ کر اس پر دھرے
تا نہ لغزش کھا کے ظلمت میں گرے

جب یہ سب مرحلے ہو جائیں طے
تب رسائی کی وہاں امید ہے

ان جزیروں پر نہیں کچھ انحصار
اس سمندر میں ہیں ٹاپو بے شمار

قابل و تفریح و گشت و سیر ہیں
قطع کر کے جو مصائب کا سفر
ملتی ہے اُن کو یہاں راحت کمال
یہ انھیں کے واسطے انعام ہے
جس قدر جس نے اٹھائی ہے تکان
پھر کہا جن نے کہ مرزا اب بتا
دائمی راحت کا یہ دروازہ ہے
موت ہی اس راہ کی ہے راہ بر
آفرینش اُس کی کب بیکار ہے
سُن کے مرزا کا ہوا چہرہ بحال
اک طرف کی سیر سے کر کے فراغ
اُس طرف کے دیکھنے کی کی ہوس
چاہتا تھا یہ کہ جن سے کچھ کہے
جن کے غائب ہوتے ہی گذرا خیال
کیجیے پھر سیر اُس گلزار کی
دوسری جانب گیا مُڑ کر جو میل
ہے نہ وہ ظلمت نہ وہ دیوار ہے
وہ جو وادی ہے پہاڑوں کے تلے
ہو گیا حیرت زدہ یہ جان کر
غور کرنے سے ہوا معلوم حال
بات جنتی پوچھنے سے رہ گئی

مسکنِ اہلِ صلاح و خیر ہیں
بچ کے ظلمت سے نکل آئے ادھر
دور ہو جاتا ہے سب رنج و ملال
اعتدال و شکر جن کا کام ہے
اتنے ہی راحت کے ملتے ہیں مکان
کیا بُرا ہے راستہ اس جسر کا
باعثِ تفریح بے اندازہ ہے
تابوؤں میں مر کے ہوتا ہے گذر
یہ مزا جس کے لئے طیار ہے
مٹ گیا جو دل میں گذرا تھا خیال
دیکھ کر اُن تابوؤں کے سبز باغ
تھی جدھر ظلمات ہی ظلمات ہیں
پھر جو دیکھا حضرتِ جن ہی نہ تھے
دیکھنا ظلمات کا تو ہے محال
جس سے نسبت ہوئی ہے ابتدا کی
دیکھتا کیا ہے نہ وہ پل ہے نہ میل
سامنے بغداد کا کہسار ہے
گائے بیل اُس میں بہت سے ہیں کھڑے
خواب تھا جو کچھ کہ آیا تھا نظر
تھی یہ سب دُنیا و عقبیٰ کی مثال
اُس کے استکشاف میں بھی غور کی

ہو چکا تھا اصل کا جب انکشاف — پھر تو فریقین ہیں عیاں صاف صاف
بعد غور و فکر کے سمجھا کہ تھے — وہ دریچے سب وسائل موت کے
یہ سرا طفلی بڑھاپا وہ سرا — ڈر ہے دونوں میں زیادہ موت کا
وسط اُس پل کا جوانی کے تھے دن — تندرستی کا زمانہ ہے یہ سن
تھے متاع دہر پانی کے حباب — جن کے لئے لینے میں تھا یہ اضطراب
تیغ والے تھے ستمگاران دہر — موذیان خلق و خونخواران دہر
ظلم سے اُن کے جو آوارہ ہوئے — مہلکوں میں مبتلا ہو کر موئے
بول پاشی کرنے والے فاسقین — جن کے فعلوں سے لرزتی ہے زمیں
آپ تو جو موت سے تائب خاک ہوں — چاہتے ہیں اور بھی ناپاک ہوں
جو عموم فکر سے ہو کر نفور — خلق کی صحبت سے بھاگا دور دور
صحت و آرام میں آکر خلل — ہو گیا وہ لقمۂ کام اجل
سحر عقبیٰ عالم برزخ وہ دود — آخرت سے ہے جداگانہ وجود
بائیں دہنے دونوں حصے سحر کے — ایک بدوں کے ایک نیکوں کے لئے
وہ جو حصہ ہے مقام صالحین — لوگ کہتے ہیں جسے خلد بریں
جن نے دکھلائی جس حصہ کی سیر — تھا وہی جائے مقام اہل خیر
دوسری جانب بدوں کا تھا مقر — تیرگی چھائی تھی جس پہ سر بسر
دیکھتا اُس کو تو آجاتا ہراس — دل لرزتا اور اُڑ جاتے حواس
جن نے یہ تو کار سنجیدہ کیا — اُس طرف کا حال پوشیدہ کیا
الغرض مرزا نے جب دیکھا یہ حال — ہو گئی تاثیر عبرت کی کمال
ہستی فانی کو جانا بے ثبات — ہیچ سمجھا دہر کی کل کائنات
یاد خالق کی بھلائی یاد غیر — خاتمہ آخر ہوا اُس کا بہ خیر

خرد نامہ ارسطو غلام حیدر خان حیدر

کسی در کا جو بند ہو نا پدید
تو دانا سے ڈھونڈھ اُس کی شاہ کلید

بہ فیروزی خود قوی دل نہ ہو
بہ قہر خدا وند غافل نہ ہو

ہوا سے نہ ہو اُس شجر کو گزند
کہ جو خاک سے سر نہ لاوے بلند

نہ کر دشمنی سے کسی کو خراب
دکھا اُس کو دانش سے راہ صواب

بہ خورشید و سایہ ہی اک مو کا فرق
منور ہی وہ یہ تیرگی میں ہی غرق

صدف گرچہ ہمسایہ ہی با نہنگ
وہ ہی زیور تاج وہ زیر چنگ

ذرا فرق رکھتا ہی خرمایہ خار
یہ ہی گل شکر وہ بسے ناگوار

ہو جاہے درم ہو ترقی پذیر
نہ ہو بے درم سے کبھی راہ گیر

نہ ہو بزدلوں ساتھہ تو گاؤ دل
رہے گا بہ اندوہ چوں خر بہ گل

جہاں پہ کہ آہن نہ ہو کارگر
وہاں پر تو لے کام با سیم و زر

خنک ہی مخصوص بہر نثار
جو کام اُس سے نکلے نہ کر کارزار

جہاں کو کر آراستہ چوں سحر
کہ ہو تو بھی آراستہ سر بسر

خود آرا نہ ہو ہمچو ریحانِ باغ
بہ دستِ دگر منوب نہ ہو چراغ

امیں کر اُسے جو ہو روشن بہ کار
نہ ہو آب روشن میں ہر گز غبار

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ

تیرے نسیم لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا

جس وقت تیرے لطف کے دریا کو جوش آئے
فوارہ جناں ہو زبانہ جحیم کا

جس کی سرشت صاف نہ ہو آدمی نہیں
نیرنگ و عشوہ کام ہے دیو رجیم کا

تو اس زمانہ میں ہی چرچا ہی دانش و دیں کا
نہ شوق شعر تر و بذلہ ہائے رنگیں کا

عجیب حال میں ہے شیفتہ معاف کرو
جو کچھ قصور بھی ہو اس غلام دیریں کا

مدت ہوئی بہار جہاں دیکھتے ہوئے
دیکھا نہیں کسی نے گل بے خزاں ہنوز

اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور ہے
کچھ رہ گئے ہیں خار و خس آشیاں ہنوز

ہندوستان

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز
کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز

سخت مشکل ہے ایسی عشرت میں
خطرِ حشر و بیمِ رستاخیز

عیش نے یہاں بٹھا دیا ناقہ
غم نے کی یہاں سے رخش کو مہمیز

بادِ صرصر یہاں نسیمِ چمن
نارِ عنصر سے آتشِ گل تیز

بوستاں کی طرح یہاں صحرا
دل کشا دل پذیر دل آویز

کوئی پامال جور چرخ نہیں
کتنی ہے یہ زمین راحت خیز

شیفتہ تھام لو عنانِ قلم
یہ زمیں گرچہ ہے ہوس انگیز

بھڑک گئی نمِ شبنم سے اور آتشِ گل
یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے

یہ ہے نصیحتِ پیرانِ کار افتادہ
کہ بد بلا ہے جوانی ڈرو جوانی سے

غفلت

ساقی کو مے کدہ میں سرِ نای و نوش ہے
صوفی کو خانقہ میں سرِ وجد و حال ہے

عاشق کو اضطراب ہے عجز و نیاز ہے
معشوق کو غرور ہے غنج و دلال ہے

منظور ہے حکیم کو ہر شے کی معرفت
حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہے

اربابِ حکمتِ نظری کو عمل نہیں
اہلِ کلام کو ہوسِ قیل و قال ہے

جن کو کہ دست گاہ ہے فنِ نجوم میں
عمر اُن کی صرف زائچۂ ماہ و سال ہے

رہتے ہیں بعض درپے اسرارِ فنا رات
بعضوں کو ذوق دعویٔ فضل و کمال ہے

مفلس کو فکر ہے کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
منعم غریقِ لجۂ بیم و زوال ہے

بلبل [illegible] اسیر [illegible] چمن اُن کو [illegible] میں
ذکرِ شجر کبھی کبھی فکرِ نہال ہے

جی میں کسی کے خواہش آرائش لباس — دل میں کسی کے حسرت جاہ و جلال ہے
کوئی طلب میں اشہب گلگوں نظیر کے — کوئی اسیر شوق شکار غزال ہے
کوئی فدائے قامت آفت خرام ہے — کوئی خراب نرگس جادو مثال ہے
ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں — بے وجہ کوئی خوش ہے کسی کو ملال ہے
کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ — اس کو جو دیکھئے تو بہت کم خیال ہے

نواب مرزا داغ

یہاں بھی تو وہاں بھی تو زمیں تیری فلک تیرا — کہیں ہم نے پتا پایا نہ ہرگز آج تک تیرا
صفات و ذات میں یکتا ہے تو اے واحد مطلق — نہ کوئی تیرا ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا
نہ جلتا طور کیونکر کس طرح موسیٰ نہ غش کھاتے — کہاں یہ تاب و طاقت جلوہ دیکھے مردمک تیرا
ترے فیض کرم سے نار و نور آپس میں یکدل ہیں — ثناگر یک زباں ہر ایک ہے جن و ملک تیرا
کسی کو کیا خبر کیوں خیر و شر پیدا کیے تو نے — کہ جو کچھ ہے خدائی میں وہ ہے بے ریب و شک تیرا
دعا یہ ہے کہ وقت مرگ اس کی مشکل آساں ہو — زباں پر داغ کے نام آئے یارب تا بہ یک تیرا

طبیعت کوئی دن میں بھر جائے گی — چڑھی ہے یہ ندی اتر جائے گی
رہیں گی دم مرگ تک خواہشیں — یہ نیت کوئی آج بھر جائے گی
نہ تھی یہ خبر ہم کو اپنی بہار — ادھر آئے گی اور ادھر جائے گی
نہ چھوڑے گی دامن کبھی مشت خاک — صبا ہم سے اڑ کر کدھر جائے گی
دیا دل تو ہے داغ اندیشہ کیا — گذرنی جو ہوگی گذر جائے گی

منزل عیش نہیں ہے یہ سرائے فانی — رات کی رات ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے
غنچۂ گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل — جمع ہیں چند ورق وہ بھی بکھرنے والے
عمر بھر حسن خداداد رہا کرتا ہے — دو گھڑی بعد بگڑتے ہیں سنورنے والے
کیا جہان گذراں میں بھی لگی ہے کنسی — مول لے جاتے ہیں غم یہاں سے گذرنے والے

خوش نوائی نے رکھا ہم کو اسیر ای صیاد ۔۔۔ ہم سے اچھے رہے صدقے میں اُڑنے والے
حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے ۔۔۔ اور ہوں گے تری محفل سے اُبھرنے والے

بے طلب جو ملا ملا ہم کو ۔۔۔ بے غرض جو دیا دیا تو نے
عمرِ جاوید خضر کو بخشی ۔۔۔ آبِ حیواں پلا دیا تو نے
نارِ نمرود کو کیا گلزار ۔۔۔ دوست کو یوں بچا دیا تو نے
دستِ موسیٰ میں فیضِ بخشش سے ۔۔۔ نور و لوح و عصا دیا تو نے
تھا مرا منہ نہ قابلِ لبیک ۔۔۔ کعبہ مجھ کو دکھا دیا تو نے
جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی ۔۔۔ اُس سے مجھ کو سوا دیا تو نے
رہبر خضر و ہادی الیاس ۔۔۔ مجھ کو وہ رہنما دیا تو نے
داغ کو کون دینے والا تھا ۔۔۔ جو دیا اے خدا دیا تو نے

اشعار متفرق سودا

گذرے ہیں جو کامل سخن اُن کے قدموں ۔۔۔ جو کوئی چلا جائے ہے منزل کا سورہ گیر
بے دغدغہ پہنچے ہے وہ تا منزلِ معنی ۔۔۔ اس خوبی سے جس طرح کہ پہنچے ہے ہدف تیر
صاحب ہیں کئی اس طبقہ میں شعرا کے ۔۔۔ ہم بزمِ سخنداں کو نہ ان سے کرے تقدیر
سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف ۔۔۔ معنی جو ہیں سو خوابِ فراموش کی تعبیر
کرتے ہیں مجالس میں پھر اس کو بہ بدی یاد ۔۔۔ سامع کرے تحسین میں ذرہ بھی جو تاخیر
سر رشتہ ہے عزت کا فقط ہاتھ خدا کے ۔۔۔ افزائش قدر اپنی میں چلتی نہیں تدبیر
ہے سچ یہ مثل عقل کو جانے ہے ہر اک شخص ۔۔۔ ہر ایک کو وہ سیر بھرا دے اپنی سوا سیر
اچھوں کو بُرا جو کہے بے شک وہ بُرا ہے ۔۔۔ ہووے گی بُروں کی نہ کبھو اچھوں میں توقیر
تجھ سا نہ بُرا ہووے گا آفاق میں کوئی ۔۔۔ اچھوں سے جو اچھے ہیں تو اُن کی کرے تحقیر
جو خاک کوئی پھینکے ہے خورشید کے اوپر ۔۔۔ سو ڈالے ہے خاک اپنی ہی آنکھوں میں [illegible]

بدطینت و بدنفس جو کوئی ہے جہاں میں
شان اپنی بڑھاتے ہیں وہ کر غیر کی تحقیر

پاک اپنے تئیں جانے جو انسان خطا سے
بے شبہ و شک جرم و خطا کا ہے وہ تسخیر

آفاق میں جو عقل سے معذور ہیں اُن کی
اوروں کی خطا جوئی پہ مصروف ہے تدبیر

جانے گا بُرا اپنے تئیں سب سے جب اچھا
ہووے گا تو اور وں کا سب اچھوں میں توقیر

کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتی ہے پہچانی

یہ روشن ہے بہ رنگ شمع ربط باد و آتش سے
موافق گر نہ ہو وے دوست ہے وہ دشمن جانی

عجب نادان ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

مستغنی ذاتی نہ ہو ہوس کی ہو تسخیر
معدن ہے جہاں سونے کی واں خاک ہے اکسیر

لبریز ہے کیسہ در مکنون سے جن کا
کب شبہ فروشوں کو حضور ان کے ہے توقیر

مقدور نہیں اُس کی تجلّی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

ممور د تا قم و سحاب ہے سراپا میں منعم کو
رکھیں ہیں آ سرا غربا سے گنج و لنگ آتش کا

کہاں نطق فصیح از طبع ناہنجار ہو پیدا
فغان زاغ سے طوطی کی کب گفتار ہو پیدا

سخن بے مغز کا ہے جوں ہوا در یا معنی میں
حباب ایسا نہیں جس سے در شہوار ہو پیدا

موسم شیب میں بے فائدہ ہے لعب شباب
کب ثمر دیوے ہے جو نخل خزاں پر آیا

مشہور ہے یہ بات کہ جی ہے تو جہاں ہے
آپ ہی اُٹھے جہاں سے تو گویا جہاں اُٹھا

تھا مجھ کو انی فکر و تردد بعد از سیری پایا چین
رات تو کاٹی دکھ سکھ ہی میں صبح ہوئی آرام گیا

میں نے یہ سودا سے کہا ایک دن
غم تیرا کیا سینے میں گھر کر گیا

سُن کے کہا جو کوئی آیا سو یہاں
سیر بہ انداز دگر کر گیا

ایک جو مانند گل اس باغ سے
خرم و خنداں ہو گذر کر گیا

آن کے شبنم کی طرح دوسرا
شام سے رو رو کے سحر کر گیا

کیا تجھے اب فائدہ اس ذکر سے
ہر کوئی ایک طرح بسر کر گیا

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اُس کسی کو جو ہو آشنا پرست

لاتا ہے بلندی سے شکم سب کو بہ پستی
طائر کو بھی ہوتے نہ سنا سیر ہوا پر

نکلا جو مرے منہ سے ہوا شہرۂ آفاق
بیٹھی ہے سخن سنجوں کی یہ ڈاک زمیں پر

چاہئے رتبہ سخن کا سخنور سے زیادہ
کہئے اُس کو ہی پسر جو ہو پدر سے بہتر

شعلہ و برق و تجلی و شرر اے سودا
رکھتے ہیں زیر فلک حسب نسب چاروں ایک

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

مفلسوں کو نہیں دنیا میں کسی کا خطرہ
خوف ہے اُن کو جو کوئی دام و درم رکھتے ہیں

نے بلبل چمن نہ گل نودمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

گریاں بشکل شیشہ و خنداں بشکل جام
اس مے کدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

گھر خراب اور کا گو کرکے بنائے مسجد
دیں ان باتوں سے ملتا ہے کہیں دنیا سے

گوہر کو جوہری اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

اشعار متفرق میر

تھا مستعار حسن سے اُس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھی جاگے صبح ہوئی آرام کیا

میر دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

کیا کیا عزیز دوست ملے میر خاک میں
ناداں یہاں کسو کا کسو کو بھی غم ہوا

اب تو جاتے ہیں بتکدہ سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

آئی نظر جو گورِ سلیماں کی ایک روز
اٹھ گیا ایک تو اک مرنے کو آ بیٹھے ہے
معیشت ہم فقیروں کی سی اخوانِ زماں سے کر

لوح پر اس مزار کے تھا یہ رقم ہوا
قاعدہ ہے یہی مدت سے ہمارے یاں لگا
کوئی گالی بھی دے تو کہہ بھلا بھائی بھلا ہوگا

صبح پیری کی شام ہونے آئی میر
جی میں آوے سو کیجیو پیارے
میر صاحب زمانہ نازک ہے
مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
بن جو کچھ بن سکے جوانی میں

تو نہ چیتا یہاں بہت دن کم رہا
ایک ہونا نہ درپئے آزار
دونو ہاتھوں سے تھامیے دستار
یعنے آگے چلیں گے دم لے کر
رات تو تھوڑی ہے بہت ہے سانگ

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
میر کو کیوں نہ مغتنم جانے
دلی میں اب کے آ کر ان یاروں کو نہ دیکھا

وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ
کچھ وے گئے شتابی کچھ ہم بھی دیر آئے

شرطِ سلیقہ ہے ہر اک امر میں
میر ان نیم باز آنکھوں میں
اب جو اک حسرتِ جوانی ہے
میر صاحب رلا گئے سب کو

عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے
ساری مستی شراب کی سی ہے
عمرِ رفتہ کی یہ نشانی ہے
کل وے تشریف یہاں بھی لائے تھے

شادی و غم میں جہاں کے ایک ہے دس کا ہے فرق
راہ سب کو ہے خدا سے جان اگر پہچانا ہے تو
آفت رسیدہ ہم کیا سر کھینچیں اس چمن میں
اب جانِ جسمِ خاک سے تنگ آ گئی بہت
کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے

عید کے دن ہنسیے تو دس دن محرم روئیے
ہوں طریقے مختلف کتنے ہی منزل ایک ہے
جوں نخلِ خشک ہم کو نے سایہ نے ثمر ہے
کب تک اس ایک ٹوکری مٹی کو ڈھوئیے
زمیں سخت اور آسماں دور ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

کیا لطف ہے جسے جو بُرے حال کوئی میر
ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات

بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
جاننا باطل کسی کو یہ قصور فہم ہے

اختر شناس کو بھی خلل ہے دماغ کا
بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو

اس عہد سے گیا ہو کہیں کوئی تو نہیں
شکر کیا اُس کی کریمی کا ادا کبھو کہیں سے ہو

خیال چھوڑ دے واعظ تو بے گناہی کا
دم میں دم جب تلک تھا سوچ رہا

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
ہر چند کہ طاعت میں ہوا ہے تو پیر

تسبیح بکف پھرنے سے کیا کام چلے

جینے سے تو نے ہاتھ اُٹھایا بھلا کیا
پر ہم سے تو تھمتی نہ کبھو منہ پر آئی بات

پوشیدہ کب رہے ہے کسی کی اُڑائی بات
حق اگر سمجھے تو سب کچھ حق ہے یاں باطل ہے کیا

پوچھو اگر زمیں سے کہیں آسماں کی بات
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

چل پھر کے لوگ یاں کے یہیں سارے رہ گئے
ایسی اک ناچیز مشتِ خاک کو انساں کیا

رکھے ہے شوق اگر رحمتِ الٰہی کا
سانس کے ساتھ سارے سانسے گئے

اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی
یہ بات مرے سُن کہ نہیں بے تاثیر

منکے کی طرح دل نہ پھرے جب تک میر

صحت نامہ نثر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۵	عذاب	عذاب
۲۸	۲۰	اور راحت	اور رافت
۳۱	۱۴	ثمر	ثمر
۳۸	۴	اعتقاد	اعتضاد
۳	۱۲	تو تو	تو
"	۲۰	خور	خود
۶۴	۳	بھی کرنا	نہ کرتا تھا اُس کو یاد آتا تھا
۶۴	۹	میں میری	میری
۶۸	۹	اختلاقی	اخلاقی
۱۰۴	۱	مشتاق	مشاق
۱۰۶	۷	ٹڑ ہوا	پڑھوا
۱۰۸	۳	کاظم	کاظم
۱۰۹	۷	موصوع کہ	موضوع کہ
۱۱۰	۱۴	۳۲	۲۳
۱۱۱	۳	تسلیم	مسلم

فہرست مضامین نثر